إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ
علمی، دینی، اصلاحی و معلوماتی
ویلور
اللطیف
دارُالعُلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطب ویلور
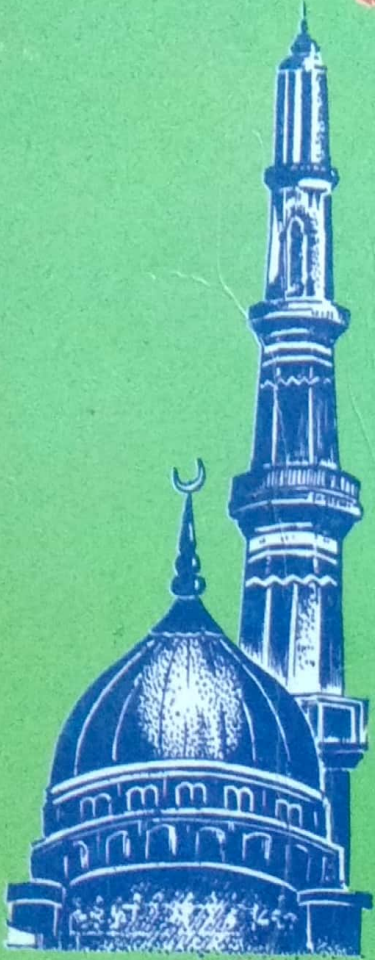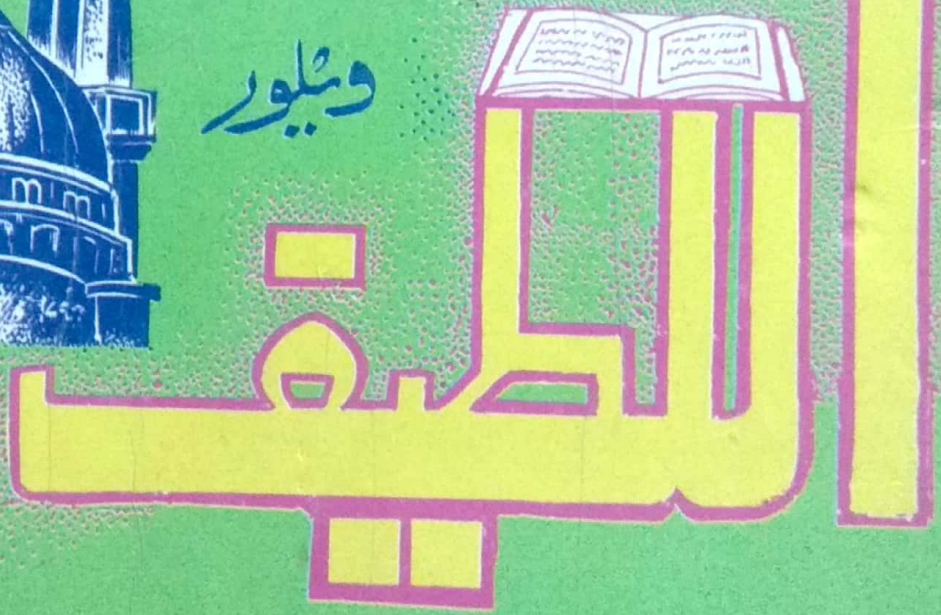
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سالنامۂ اللطیف ۳۷ واں شمارہ

بیادگار

شیخ المشائخ اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر

قادری رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین مکانِ حضرت قطب ویلور

و

مولانا مولوی ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری المعروف بہ میراں پاشاہ

قادری رحمۃ اللہ علیہ

مدیر موسس

حضرت اقدس مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

★

تاریخ اجراء

بروز پیر، ۱۰ر شعبان المعظم سنہ ۱۴۱۹ھ مطابق 30 رنومبر سنہ 1998ء

● زیرِ نگرانی :

مولانا مولوی ابو محمّد سید شاہ محمّد عثمان قادری ایم اے، بی کام ؛ (عثمانیہ)
ادیب فاضل (مدراس) ناظمِ دارالعُلوم لطیفیہ

مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری شطّاری ادیب فاضل (مدراس)
نائب ناظم دارالعُلوم لطیفیہ

★

● زیرِ ادارت :

مولانا مولوی پی محمّد ابوبکر ملیباری لطیفی قادری مدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور

مولانا مولوی حافظ ابو النعمان بشیر الحق قریشی قادری لطیفی مدرس دارالعُلوم لطیفیہ ویلور

★

■ نمائندگانِ طلبہ :

۱۔ مولوی حافظ محمد سہیل جنیدی	گلبرگہ	کرناٹکا
۲۔ مولوی سیّد تنویر احمد	ویلور	ٹمل ناڈو
۳۔ مولوی محمد عبد السبحان	وگرور	
۴۔ مولوی انیین کٹی		کیرلا
۵۔ حافظ شیخ سلطان	ناگور	ٹمل ناڈو
۶۔ حافظ شیخ عالم	ناگور	ٹمل ناڈو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرستِ مضامین سالنامۂ اللطیف ۱۴۱۹ھ ؁ 1998ء

امجد حیدر آبادی

خاکساری

ہر اک سرور، آہ وزاری سے ملا!
اور آنکھوں کو نور اشکباری سے ملا
سجدے میں ہر اک زمیں پہ سر رکھتا ہے
یہ رتبہ زمیں کو، خاکساری سے ملا

بے ہنر با ہنر

جو ازل سے ہے طالبِ دنیا
وہ کبھی اہلِ دیں نہیں ہوتا
بے ہنر کی نظر ہے عیبوں پر
با ہنر عیب بیں نہیں ہوتا

مہر اور قہر

میں نے پوچھا حضور سے اک دن
اپنے بندے سے کیوں مکدر رہو
آپ کا قہر، اے معاذ اللہ
مجھ سے برداشت اس کی کیونکر ہو
مسکرا کر یہ مجھ سے فرمایا
ساری خلق اور تم برابر ہو
قہر اور مہر دونوں میرے ہیں
مہر تم پر ــ تو قہر کس پر ہو

غزل

از قدوۃ السالکین حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربیؔ قادری علیہ الرحمہ

صحبتِ رنداں اگر چہتا ہے، رندی کر تلاش
مئی پرستی سوں ہے رنداں کو ہمیشہ انتقاش

عاشق و معشوق یک ہیں بے حلول و اتحاد
کر نکو نامحرماں میں عاشقاں کا راز فاش

خود پرستی ہور خودی برقع ہے وجہ اللہ کا
توں کچھ ایسا جہد کر برقع ترا اوڑ جائے کاش

تم وجہ اللہ کا سرِ عاشق و معشوق ہے
ہے وہی کیا بت پرست و کیا بت و کیا بت تراش

تجکوں ہے ضعفِ بصیرت دیکھتا نین دوست کو
ہے مثل تیرے اُپر افسانۂ مہر و خفاش

کیا مئے و ساقی و کیا جام و صراحی ہے وہی
مست رہ اس مئے سوں قربیؔ بس یہی ہے معاش

پیشکش :- حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری شطاری المعروف ہلال پاشاہ نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ

افتتاحیہ:

آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

ادارہ

موجودہ زمانے میں قرآن وحدیث اور فقہ کے اصطلاحی الفاظ اور اصولی احکام اور مسائل کی فرعیت وجزئیت سے لاعلمی اور ناواقفیت کے باعث مسلمانوں کے اندر بعض احکام میں افراط وتفریط، میلان وانحراف، تشدّد وزمی غلو وتعصب کی عجیب وغریب لہر دوڑ گئی ہے۔ عوام وخواص دونوں جانب سے کفر و بدعت اور کافر و بدعتی کی صدائیں بلند ہورہی ہیں۔ جس کی وجہ سے تفریق بین المسلمین کی فضا پھیلتی جا رہی ہے۔ اور یہ ماحول ہندوستان کے مسلم معاشرے کے لیے، جو بڑی حد تک ملکی دور سے مشابہت و مماثلت رکھتا ہے، سمِ قاتل ہے۔ کفر اور بدعت یہ دونوں خاص اصطلاحی لفظ ہیں جن کا معنی و مفہوم متعیّن ہے۔ اور ان کے خصوصی احکام بھی مقرّر ہیں۔ اور جب تک یہ اپنے شرعی معنی ومفہوم کے ساتھ کسی کلمہ گو کی زندگی میں پوری طرح نمایاں اور واضح نہ ہوجائیں اس کو کافر اور بدعتی کہنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

اہلِ قبلہ کو کافر کہنا اور اہلِ سنت و جماعت کو بدعتی کہنا جائز نہیں۔ اہلِ قبلہ سے مراد امّتِ محمدی کے تہتر (۷۳) فرقے ہیں۔ جن کو اصطلاح میں امّتِ اجابت کہتے ہیں اور غیر اہلِ قبلہ سے مُراد کفار اور مشرکین کے فرقے ہیں۔ جن کو اصطلاح میں امتِ دعوت کہتے ہیں۔ اہلِ قبلہ مومن ہیں اور ان کے صاحبِ ایمان ہونے پر اجماع ہے۔ اہلِ ایمان میں نجات پانے والا فرقہ یعنی اہلِ سنّت وجماعت اعمالِ فاسدہ کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور باقی بہتّر (۷۲) فرقے اعمالِ فاسدہ اور اعتقادِ فاسدہ کی وجہ سے دوزخ میں داخل

کئے جائیں گے۔ لیکن کوئی فرقہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہے گا۔ چناں چہ اس کی مزید تفصیل و تشریح علامہ جلال الدین دوانی کی معرکۃ الآراء تصنیف "عقائدِ ملّا جلال" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اہل سنت والجماعت سے مراد وہ منہاج اور طریقہ ہے جو سنّتِ نبوی ﷺ اور صحابہ کرام کے تعامل کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے اور جو بھی اس مسلک کی پیروی کرے اس کو سُنّی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور اس طائفہ کے افراد عقائد میں امام اشعری یا امام ابو منصور ماتریدی کی اتباع کرتے ہیں اور فروع و اعمال میں ائمۂ اربعہ (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کی تقلید و پیروی کرتے ہیں۔ اور جن فرقوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور صحابہ کے رویہ اور ان کی روایات کو پس پشت ڈال دیا اور ائمۂ اربعہ اور اجماع سے بے نیازی اختیار کی اور صرف قرآن یا صرف حدیث پر عمل کا دعوی کرتے ہوے قرآن و حدیث میں اپنی ہوا و ہوس اور اپنی خود رائی کے ذریعہ تاویلات کا دروازہ کھول دیا ان کو اہلِ بدعت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے

ہست سنّت رہ جماعت چون رفیق
بے رہ و بے یار افتی در مضیق

سنت نبوی ﷺ ایک شاہ راہ ہے اور صحابۂ کرام اس راستے کے رفیق اور ساتھی ہیں جو شخص بھی اس راہ اور اس راستہ کے ساتھیوں کو چھوڑ دے گا تو وہ تنگی اور ہلاکت میں گھر جائے گا۔

عہدِ نبوی ﷺ میں صاحبِ وحی ﷺ کی موجودگی کے باعث کسی اختلاف کے سر اٹھانے اور پھیلنے کی مطلق گنجائش نہ تھی۔ جو بھی مسئلہ درپیش ہوتا خود اس کو نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم حل فرما دیتے اور وہ فیصلہ اور حکم ایمان کا جزء قرار پاتا۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسائل میں صحابۂ کرام کے درمیان اختلاف رونما ہوا اور اس کا واقع ہونا بھی ایک فطری تقاضہ تھا۔ ظاہر ہے کہ لوگ غور و فکر کریں گے تو ایک دوسرے سے اختلاف کریں گے۔ ان حضرات نے بھی مسائل میں غور و فکر اور تلاشِ حق کے لیے اجتہاد کیا جس کی وجہ سے ان کے اقوال و آراء اور فتاوی بھی باہم مختلف ہو گئے لیکن یہ سارے اختلافات اصولی اور بنیادی نہ تھے بلکہ تمام کے تمام فروعی اور جزوی تھے۔

اسی لیے اہل سنت وجماعت نے صحابہ کرام کے اختلاف کے بارے میں سکوت پسند فرمایا اور ان کے درمیان حق کو دائر تصوّر فرمایا۔ اس لیے کہ اجتہاد کے اندر خطا و لغزش بھی ایک اجر و ثواب کی مستحق بن جاتی ہے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے امّت کو صحابۂ کرام کے بارے میں ہدایت دی

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔

میرے صحابہ تاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کسی کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔ اسی لیے قرآن وحدیث کے علاوہ صحابۂ کرام کا عمل بھی حق و باطل کا معیار قرار پایا اور اس موقف کی صحت و درستگی کی تائید نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

ستفترق امتی علی ثلاثۃ وسبعین کلھم فی النار الاواحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی۔

عن قریب میری امّت بھی تہتر (۷۳) فرقوں میں منقسم ہوجائے گی اور یہ سب جہنمی ہوں گے بجز ایک فرقہ کے۔ صحابہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! نجات پانے والا فرقہ کون سا ہوگا۔ جواب ارشاد فرمایا: جو میری راہ اور میرے صحابہ کی راہ پر چلے۔

اہل سنّت وجماعت کے فرقۂ ناجیہ ہونے اور اس مسلک کے متوازن اور معتدل ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اسی لیے دورِ تابعین سے لے کر آج تک بھی دنیا جہاں کے کروڑوں فرزندانِ توحید نے اہل سنّت وجماعت کے مسلک کی پیروی کی اور آج بھی عالم اسلام کے ہر گوشہ گوشہ میں امّت کا سوادِ اعظم اسی مسلک سے وابستہ اور منسلک ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے اندر اجماع اور اجتماع کی شان پیدا ہوچکی ہے۔ چناں چہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: لا یجتمع امتی علی الضلالۃ

میری امّت کی اکثریت گمراہی اور ضلالت پر مجتمع نہیں ہوگی۔ نیز ارشاد فرمایا:

علیکم بالسواد الاعظم: تمہارے لیے ضروری ہے کہ سوادِ اعظم کی اتباع وپیروی کریں۔

اس مقام پر کلھم فی النار کی حدیث پڑھنے کے بعد کسی کے ذہن میں یہ سوال ابھر سکتا ہے کہ حدیث مذکور میں جن فرقوں کو جہنمی اور دوزخی بتلایا گیا ہے کیا وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے؟ اگر دائمی جہنم

مراد لیا جائے۔ تو امتِ اجابت کے بہتّر (۷۲) فرقوں کو کافر کہنا پڑے گا۔ حالاں کہ دوسری حدیث میں ہے جس کسی کے دِل میں رائی برابر بھی ایمان ہو تو اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جنّت میں داخل کیا جائے گا۔ ایسی صورت میں ان فرقوں کو دائمی اور عارضی جہنمی قرار دینے کے بجائے حدیثِ مذکور کو بغیر کسی تخصیص اور یقین کے چھوڑ دینا ہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک عامی شخص جس کے اندر براہِ راست کتاب اللہ اور سنّتِ رسولؐ اور صحابۂ کرام کے تعامل سے روشنی حاصل کرنے کی استعداد نہیں ہوتی ہے اس کے لیے واجب ہے کہ وہ ائمۂ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی پیروی اور اتباع کو اپنے اوپر لازم کرلے ورنہ اس کے گمراہ ہوجانے کا اندیشہ قوی ہے اور اس واقعہ سے ہر کسی کو عبرت لینی چاہیے۔ کہ حکماءِ مشائین کے اکابر شیخ ابونصر فارابی اور شیخ بوعلی سینا وغیرہ نے ائمۂ اربعہ کی تقلید چھوڑ دی تو گمراہی کے دلدل میں پھنس گئے۔ عدمِ تقلید کی وجہ سے جب ان حکماء اور عقلاء کی یہ حالت ہوئی تو ایک عامی شخص کی حالت کیا ہوسکتی ہے؟ اور یہ بات بھی قابلِ غور اور لائقِ عبرت ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد تاریخِ اسلام کے ہر دور میں امّت کے جلیل القدر علماء و فقہاء اور صوفیاء و مشائخین نے ائمۂ اربعہ کی تقلید کی۔ حالاں کہ ان میں بہت سارے حضرات ایسے بھی تھے جن کے اندر اجتہاد اور استنباط کا ملکہ بدرجہ اتم موجود تھا۔

اس وضاحت سے یہ مفہوم اخذ نہ کیا جائے کہ ہم اجتہاد اور استنباط کے حق میں نہیں ہیں۔ حاشا و کلّا! اجتہاد تو اہلِ علم و فن اور اصحابِ بصیرت کا جائز حق اور ان پہ عائد شدہ فرض ہے کہ وہ قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ کے نظائر و امثال کی روشنی میں ہر دور و زمانہ اور ہر علاقہ و خطّہ میں پیدا ہونے والے مسائل کی مشروعیت کو بیان کریں۔ ہماری اس گفتگو کا منشاء اور مقصد صرف اتنا ہے کہ عوام کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ ایمان لائیں اور ائمہ کی اطاعت کریں۔ اور اپنی عبادات اور معاش میں مشغول رہیں۔ اور علم کو اہلِ علم کے لیے چھوڑ دیں۔ کیوں کہ جو شخص دین میں اتقانِ علم کے بغیر زبان و قلم چلائے تو وہ انجانے طور پہ گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا اور اجتہاد کی شرائط کے فقدان کے باوجود ہر کوئی کتاب اللہ اور سنّت رسولؐ سے احکام

اخذ کرنا شروع کر دے تو ہزاروں باطل مسالک اور مذاہب پیدا ہو جائیں گے۔ پھر اس کے بعد جو حالات اور نتائج سامنے آئیں گے اس کا اندازہ کرنا اہلِ علم اور اربابِ بصیرت کے لیے دشوار نہیں۔

مسلکِ اہلِ سنّت وجماعت کے حق و صواب ہونے کی وضاحت اور اس کی ضرورت و اہمیت کے اظہار و بیان اور اسی میں نجات مضمر ہونے کی تشریح و توضیح کے بعد یہ پہلو بھی بحث کا متقاضی ہے جو آج کل بہت سارے تعلیم یافتہ اشخاص کے ذہنوں میں الجھن و بے چینی، خلش و خلجان اور وسواس کا باعث بنا ہوا ہے۔ اور وہ ہے اہلِ سنّت وجماعت کے اختلافات اور ان کو بدعتی کہنے کے احکام۔

اہلِ سنّت وجماعت کے اختلافات بھی صحابۂ کرام کے اختلافات کی طرح جزوی اور فروعی ہیں اور ان کے اندر حق دائر ہے۔ اور یہ اختلافات اہلِ اسلام و اہلِ کتاب یا اہلِ سنّت و اہلِ تشیع یا اہلِ سنّت و خوارج کی طرح نہیں ہیں کہ جانبین سے ایک دوسرے کو گمراہ سمجھ بیٹھیں بلکہ ان اختلافات میں اصل بات جو ہے وہ دلائل کے راجح و مرجوح اور افضل و مفضول اور قوی و ضعیف کی ہے نہ کہ حق و باطل کی۔

اہلِ سنّت وجماعت کو بدعتی کہنے کی ممانعت سے متعلق بہترین تفصیل مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی نے "مقدمۂ ایضاح الحق" کی پہلی فصل میں بیان کی ہے۔ جس کا کچھ حصّہ "فصل الخطاب" سے یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔ جس سے موجودہ زمانہ میں پھیلی ہوئی مسموم فضا کی اصلاح ہو سکتی ہے کہ معمولی معمولی سی باتوں پر سنّیوں کو بدعتی کے نام سے یاد کیا جا رہا ہے۔

ہر چند کہ شریعتِ مطہرہ میں بہت سے اعمال و اقوال اور اخلاق کو کفر و نفاق کا ایک حصہ بتلایا گیا ہے، لیکن کافر و منافق کا لفظ بولنے سے فوراً ذہن ایک ایسے مخصوص آدمی کی طرف مائل ہوتا ہے جو کفر اور نفاق کا عقیدہ رکھتا ہے۔ بالکل اسی طرح یہ بات بھی جان لینا چاہیے کہ ہزاروں امور بدعات کی قسم سے ہیں۔ جن کا کچھ حصہ بطور نمونہ یہاں پیش کیا گیا ہے۔

لیکن کسی خاص شخص پر بدعتی کا لفظ بولنے سے فوراً یہی بات ذہن میں آتی ہے کہ یہ شخص بدعت کا عقیدہ رکھتا ہے لہٰذا کسی

شخص کو بدعت حکمیہ کی ساری اقسام اور بدعت حقیقیہ کی بقیہ اقسام کا مرتکب ہونے کی وجہ سے بدعتی نہیں کہنا چاہیے۔

اس سے بعض وہ اعمال، اقوال اور اخلاق جو کفر و نفاق سے تعلق رکھتے ہیں ان کی وضاحت سے مقصد یہی تھا کہ لوگ ان افعال و اقوال اور اخلاق سے اجتناب کریں نہ کہ قرآن میں کفار اور منافقین کے احکامات (مثلاً قتل کرنا، لوٹ لینا، قید کرنا، غلام بنانا، جزیہ عائد کرنا، ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنا۔ ان کی قبروں کی زیارت نہ کرنا۔ اُن کے مردوں کے حق میں استغفار نہ کرنا وغیرہ۔) کو بدعات حکمیہ و حقیقیہ کے مرتکب پر جاری و نافذ کریں۔

اور اسی طرح اقسام بدعت کی تشریح سے بھی یہی مقصد تھا کہ لوگ مذکورہ تمام اقسام سے پرہیز کریں اور سنّتِ خالصہ کو اختیار کریں نہ کہ حدیث میں اہلِ بدعت کے بارے میں آئے ہوئے احکامات (مثلاً ان کے اعمال کا ضائع ہونا۔ ان کی تعظیم و تکریم کو ممنوع کہنا، ان کی عیادت اور مزاج پُرسی سے اجتناب کرنا۔ اُن کے ساتھ تعلقات توڑ لینا اور ان کی صحبت اختیار نہ کرنا۔ اُن سے سلام اور بات چیت میں پہل نہ کرنا) کو بدعتِ حکمیہ اور حقیقیہ کے مرتکب لوگوں پر جاری اور نافذ کریں۔

مذکورہ تفصیلات کے بعد اب ہم مسئلۂ تکفیر کی جانب رجوع ہو رہے ہیں۔ جو اس تحریر کا اصل محرک اور باعث ہے۔ موجودہ زمانہ میں مسئلۂ تکفیر کے بارے میں انتہائی سختی یا انتہائی نرمی دیکھنے میں آ رہی ہے اور یہ دونوں پہلو درست نہیں ہیں۔

ایک پہلو یہ ہے کہ کسی شخص کی زبان و قلم سے صراحت کے ساتھ کلمۂ کفر صادر ہو جائے اور اس میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہ رہے اور اس کی جانب سے کی جانے والی تاویل شرعی نقطۂ نظر سے قابلِ قبول نہ رہے اور وہ کلمۂ کفر کے ساتھ قلبی اعتقاد کا اظہار نہ کرے تو بھی اس کو کافر نہ کہیں۔ یہ موقف نہ صرف غلط ہوگا بلکہ اس کے غلط اثرات سارے مسلم معاشرہ پر مرتّب ہو جائیں گے پھر کافر و مرتد اور مسلمان کے درمیان مابہ الامتیاز علامت باقی نہ رہے گی۔ اسی لیے فقہاء نے تصریح کی ہے۔

اگر کوئی شخص دلائلِ قطعیہ سے حرام چیز کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے یا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہ سب وشتم کرے اور صحابۂ کرام کی تکفیر اور تلعین کرے تو اس کو کافر قرار دیا جاسے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ کسی شخص کی زبان و قلم سے کلمۂ تکفیر صادر ہو جاسے اور اس میں کفر کی نفی کا احتمال موجود ہے اور اس کی نیّت مانعِ تکفیر وجہ کے ساتھ مطابق ہے اور اس شخص کے اندر کلمۂ کفر کے ساتھ قلبی اعتقاد بھی موجود نہیں ہے اور وہ کلمۂ کفر کی تاویل علمی و شرعی زاویۂ نگاہ سے بیان کر رہا ہے جو قابلِ قبول ہے۔ ان ساری باتوں کو نظر انداز کرتے ہوسے کافر کہیں تو یہ موقف بھی غلط ہے۔ اور اس تشدّد آمیز رویہ سے کئی ایک پیچیدہ مسائل پیدا ہو جائیں گے۔

علاّمہ علی قاری "مسیح الازہر" میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ تکفیر میں ننانوے احتمال ہوں اور صرف ایک احتمال کفر کی نفی کا موجود ہو تو ایسی صورت میں مفتی اور قاضی کے لیے یہی اولیٰ ہے کہ اس نفی والے احتمال کو اختیار کرتے ہوسے ایک مسلمان کو کافر کہنے سے احتراز کرے۔

مولانا شاہ عبدالحق محدّث دہلوی "تکمیل الایمان" میں لکھتے ہیں:۔

ہم اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہیں گے،

اہلِ قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے قبلہ کی جانب نماز ادا فرماتے ہیں قرآن اور حدیث پہ عمل کرتے ہیں اور توحید و رسالت محمدؐی کا اقرار کرتے ہیں۔ تو ان کو کافر نہیں کہنا چاہیے۔ اگرچہ کہ ان کے کلمات سے کفر لازم آرہا ہو۔ لیکن جب تک کہ وہ کلماتِ کفر کو لازم نہ کرلیں۔ یا کلماتِ کفر کا لزوم ان کے ساتھ خوب اچھی طرح ظاہر نہ ہو تو ان کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے۔ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کے حال کی اصلاح اور توجیہہ کرنی چاہیے اور کسی آدمی پہ سختی کرنے میں ہر کسی کو کافر کہنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے: جو شخص کسی دوسرے شخص کو کافر کہے اور اگر وہ حقیقت میں کافر نہ ہو تو کہنے والا شخص خود ہی اسی وقت کافر ہو جاسے گا۔

امام ربّانی مجدّد الف ثانی مکتوبات کی جلد اول کے ۶۶ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں:

کفر کی سزا دوزخ کا ابدی عذاب ہے۔ اگر یہ پوچھا جاسے کہ ایک شخص مسلمان ہونے کے باوجود کفر کے رسوم ادا کرتا ہے اور

علماء اس کے کافر ہونے کا حکم دیتے ہیں اور اس کو مرتد شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس بلا میں پھنسے ہوئے ہیں اور علماء کے فتوؤں کے مطابق یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ شخص آخرت میں ابدی عذاب اور دائمی عقوبت میں گرفتار رہے۔

حالاں کہ صحیح حدیث میں ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک ذرّہ برابر بھی ایمان ہو تو وہ دوزخ سے نکالا جائے گا اور اس کو ابدی عذاب میں گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ ایسی صورت میں آپ کے نزدیک اس مسئلہ کی تحقیق کیا ہوگی؟

ہم اس کا جواب یہی دیں گے کہ اگر وہ کافر محض ہے تو اس کے لیے آخرت میں ابدی عذاب ہے اعاذنا اللہ سبحانہ منہ اگر کوئی شخص مراسم کفر کو ادا کرنے کے باوجود ذرّہ ایمان سے بہرور ہے تو وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا لیکن اس ذرّۂ ایمان کی برکت کی وجہ سے ابدی عذاب سے نجات پائے گا اور امید ہے کہ اس کو دائمی نجات حاصل ہوگی۔

یہ فقیر ایک مرتبہ ایک ایسے ہی شخص کی عیادت کے لیے گیا جو سکراتِ موت میں گرفتار تھا۔ میں نے اس کے حال کی جانب توجّہ کی تو معلوم ہوا کہ اس کا قلب بہت ساری ظلمتوں کا شکار ہے۔ ہر چند کہ ان ظلمتوں کو دور کرنے کی جانب مائل اور متوجّہ ہوا لیکن کوئی فائدہ نہ ہو سکا۔ بڑی توجہ کے بعد مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ ظلمتیں اس کے قلب پر چھائی ہوئی ہیں جو کفر کی صفات سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور ان ظلمتوں اور کدورتوں کے پیدا ہونے کی وجہ مسلسل مراسم کفر کا ادا کرنا ہے۔ اور اہل کفر کے ساتھ کثرت میل جول اور اختلاط کا نتیجہ ہے۔ ان ظلمتوں اور کدورتوں کا تنقیہ و طہارت، عذاب دوزخ کے ساتھ مربوط ہے جو کفر کی سزا ہے۔

لہٰذا توجہات کے ذریعہ یہ ظلمتیں دور نہیں ہو سکتیں۔

نیز اس کے دل میں ایمان کی ہلکی سی روشنی موجود تھی۔ جس کی وجہ سے مجھے اطمینان ہوا کہ وہ اس کی برکت سے دوزخ سے نجات پائے گا۔ اور جب میں اس کے اندر ذرّۂ ایمان کی روشنی کا مشاہدہ کیا تو میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ اس شخص کی نماز جنازہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ کچھ دیر گذرتے نہیں پائی تھی کہ مجھے انشراح ہوا کہ اس شخص کی نماز جنازہ پڑھنا

چاہیے۔

لہذا فقیر کا کہنا یہ ہے کہ جو مسلمان ایمان کے باوجود بدقسمتی سے کفار کے رسوم ادا کرتے ہیں اور ان کے ایام کی تعظیم کرتے ہیں۔ ان کی نماز جنازہ پڑھنا چاہیے اور مسلمانوں ہی کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے۔ اور کافروں کے ساتھ ملحق نہیں کرنا چاہیے۔ جیسا کہ آج عمل کیا جا رہا ہے۔ اور اس بات کا متمنی اور امیدوار رہنا چاہیے کہ آخرکار ایسے مسلمان بھی ایمان کی ہلکی سی روشنی کی برکت سے ابدی عذاب اور دائمی عتاب سے محفوظ رہیں گے۔

حاصلِ کلام!

تکفیر کا مسئلہ خالص اصولی اور علمی ہے اور اس میں حد درجہ احتیاط ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ اور عوامی سطح پر اس کی اشاعت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ سادہ لوح عوام جو دین کے فرائض و واجبات اور اپنی ذمہ داریوں ہی سے کماحقہٗ واقف نہیں۔ ان کے سامنے یہ مسئلہ بیان کرنا گویا ان کو فتنہ و آزمائش اور اختلاف و تفریق کے بھنور میں جھونک دینا ہے۔ ہمیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ امت میں جن مسائل پر اتفاق ہے ان کی تعداد زیادہ ہے اور جن مسائل میں اختلاف ہے ان کی تعداد بہت کم ہے پھر بھی ایسے مختلف فیہ مسائل کو منصوص کا درجہ دے کر تکفیر کے درپے ہونا ایک ناروا اقدام ہے۔ ہم ایسے متنازعہ مسائل کو موضوعِ بحث نہ بنائیں اور قابلِ اشاعت نہ سمجھیں۔ جن سے اُمت کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے۔ اور باہمی میل ملاپ تعاون و تناصر اور محبت و الفت کی فضا کو مکدر اور مسموم بنا دے۔

ایک صدی قبل مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر کے متعلق ایک لہر چل پڑی تو حضرت قطبِ بلور نے مسلمانوں کو سکوت اور کفِ لسان کی جو ہدایت دی وہ آج کے دَور میں مسلمانوں کے لیے منارۂ نور ہے

نمی دانم کہ مسلمانان را باوجود خدا پرستی وایں قدر اصرار در تکفیر مولوی اسمٰعیل و اخراج وے از مومنان وایں قدر اہتمام در تفریق کلمہ مسلمانان برائے چیست۔ مولوی اسمٰعیل کیست و مذہب وے چیست دوزخی است یا جنّتی عند اللہ کافر است یا مؤمن یوم الفصل آنچہ واقع است جلوہ گر خواہد شد۔

میں نہیں جانتا مولوی اسماعیل کو کافر کہنے میں اور ان کو مومنوں کے زمرے سے خارج کرنے میں مسلمانوں کو اس قدر اصرار کیوں ہے؟ اور مسلمانوں کے کلمہ کی تفریق و اختلاف میں اس قدر اہتمام اور انہماک کیوں ہے؟ مولوی اسماعیل کون ہیں؟ اور کیا ہیں؟ ان کا مذہب کیا ہے وہ دوزخی ہیں یا جنّتی؟ اللہ کے نزدیک مومن ہیں یا کافر ہیں؟ وہ جو بھی ہیں کل قیامت کے روز حقیقت واضح ہو جائیگی۔

رُوئدادِ دارالعلوم لطیفیہ

ادارہ

رحمتِ خداوندی اپنے گنہگار بندوں پر ہمیشہ مائل بہ کرم رہی ہے۔ جس نے ہر دور میں خوابِ غفلت میں سوئے ہوئے انسانوں کو بیدار کرنے اور انھیں صراطِ مستقیم پر لانے کے لیے چند ایسے نفوس قدسیہ کو پیدا فرمایا جو حصولِ علم میں ہر قسم کے شدائد و آلام کا مقابلہ کرتے ہوئے صبر و استقامت کا دامن تھامے رہے۔ اور حصولِ علم میں کوشاں رہ کر دوسروں پر ان تعلیمات کے حقائق و رموز کو واضح کیا۔ انھیں نفوسِ قدسیہ میں قطب ویلور رحمہم اللہ بھی تھے۔ جنھوں نے سخت سے سخت جانکاہی کے عالم میں بھی ایک لمحہ کے لیے خدا اور رسول کے احکامات کا دامن چھوڑنا پسند نہیں کیا۔ ساری دنیا کے انسانیت پر یہ حقیقت واضح اور روشن کر دیا کہ اللہ کے لیے جیو اور اللہ ہی کے لیے مرو۔

آغازِ سالِ نو

ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آنے والے طلبۃ العلوم کا داخلہ مورخہ ۱۲ شوال المکرم ۱۴۱۹ھ ہجری مطابق ۹ ماہِ فروری ۱۹۹۸ء بروز دوشنبہ کو ہوا۔

دورۂ حدیث

دارالعلوم لطیفیہ کے وسیع ہال میں بخاری شریف و مسلم شریف کے دورۂ حدیث کا آغاز بدستِ عالی جناب حضرت مولانا ابو محمد سید شاہ عثمان پاشاہ قادری صاحب ایم اے، ناظم دارالعلوم لطیفیہ کی دعاؤں سے ۱۵ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ کو ہوا اور بحمداللہ، ۲۵ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ بروز دوشنبہ ناظمِ موصوف کی دعاؤں سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

افتتاحی اجلاس

حسبِ عادت امسال بھی انجمن دائرۃ المعارف کا افتتاحی جلسہ مورخہ ۱۰ ذی القعدہ ۱۴۱۸ھ ہجری بروز یکشنبہ بعد نمازِ ظہر دارالعلوم لطیفیہ کے وسیع و عریض ہال میں منعقد ہوا۔ جس کی صدارت عالی جناب حضرت مولانا ابو محمد

سید شاہ عثمان پاشاہ قادری صاحب ایم اے، ناظم دار العلوم لطیفیہ نے کی۔ جلسہ کا آغاز تلاوتِ قرآنِ پاک و نعت شریف کے ساتھ ہوا۔ بعد ازاں صدر جلسہ نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا۔ اس کے بعد مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے عالی جناب شاہ محمد بدر عالم قادری صاحب پرنسپال صدق کالج مدراس طلبۃ العلوم کو خطاب کیا جس میں فرمایا مطالعہ کتب سے انسان ترقی کی معراج پر پہنچ جاتا ہے۔ نیز عالی جناب داؤد شریف صاحب نائب رجسٹرار مدراس یونیورسٹی نے بھی طلبۃ العلوم کو خطاب فرمایا۔ اس کے بعد عالی جناب سید شاہ ہلال احمد قادری صاحب نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ نے چند عہدے داروں کا تقرر فرمایا اور ان کے منصب و عہدوں کی صراحت فرمائی۔ اس کے بعد موصوف نے مہمانانِ خصوصی اور دیگر تمام حاضرین کا شکریہ ادا فرمایا۔

اسبابِ صحت

دار العلوم کے میدان میں بعد نمازِ عصر مختلف گیمس والی بال، فٹ بال، کرکٹ وغیرہ طلباء کی صحت و تر و تازگی کی خاطر انتظام کیا گیا ہے

نویدِ مسرت

بحمد اللہ امدراس یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء، منشی فاضل اور ادیبِ فاضل میں اکثر طلباء شریک رہے اور کامیابی حاصل کی۔

امتحانات

مورخہ ۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۸ جولائی ۱۹۹۸ء سے ششماہی امتحانات اساتذہ کی زیرِ نگرانی شروع ہوئے اور مسلسل آٹھ دنوں تک یہ امتحانات جاری رہے۔ نیز ۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ سے سالانہ امتحانات شروع ہوئے اور ۳ شعبان المعظم تک جاری رہے۔

عباپوشی و اعطائے اسناد

فضیلت مآب عالی جناب حضرت مولانا ابو محمد سید شاہ عثمان پاشاہ قادری صاحب ایم اے، ناظم دار العلوم لطیفیہ کے زیرِ صدارت ۱۰ شعبان المعظم روز دوشنبہ دار العلوم کا سالانہ اجلاس بڑے پیمانہ پر منعقد ہوا۔ جس میں مقتدر علمائے کرام اور قابل ترین حضرات مدعو تھے ناظم موصوف اپنے دستِ فیض اقدس سے فارغین کو عبا اور اسناد عطا فرمایا۔

تقسیمِ انعامات

اسی دن شام میں ایک دوسری نشست منعقد ہوی۔ جس میں درسیات مقالہ نویسی، مقابلہ تحریر و تقریر اور گیمس و اسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلباء کو

انعامات سے نواز اگیا۔ نیز عہدے داروں کو ان کی خدمات کے صلہ میں مختلف قسم کے انعامات سے نواز گیا۔

ھدیۂ تشکر

ادارہ ان تمام حکیموں اور ڈاکٹروں کا مشکور ہے جنھوں نے وقتاً فوقتاً طلباء کی صحت کا بھرپور خیال رکھتے ہوے تشخیص کی۔ نیز ادارہ ان تمام مدیران اخبارات کا بھی تہ دل سے مشکور و ممنون ہے جنھوں نے دارالعلوم کی تمام کارروائیوں کو اپنے موٗقر جریدوں میں اولین وقت میں شائع فرمایا بالخصوص ادارہ جناب کاتب شریف برکاتی صاحب اور عالی جناب علیم صبا نویدی صاحب کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے پوری کاوش و تندہی سے ادارہ کا ترجمان اللطیف کی اشاعت بروقت فرمائی۔

ہم اللہ رب العزت سے دست بہ دعا ہیں کہ ان تمام علم دوست حضرات اور عوام و خواص جو دارالعلوم سے عقیدت رکھتے ہیں، انھیں دنیا و آخرت میں سرخروئی عطا فرمائے — !

آمین بجاہ سیدالمرسلین صلے اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلّم۔ ●●

دیوان شاہ خاموش

حضرت قبلہ سید شاہ معین الدین حسینی المعروف شاہ خاموش رح

احد سے بن کے آپ ہی احمد مختار ہے پیدا[1]
اوٹھے جب میم کا پردہ کہاں اغیار ہے پیدا

ظہورِ[2] دو جہاں سارا وہی نورِ محمد ہے پیدا
زمین و آسماں روشن اگر سیّار ہے پیدا

اگر ہے راحتِ جنّت و گر ہے محنتِ دوزخ
اوسی سے نور ہے پیدا اوسی سے نار ہے پیدا

وہ کعبہ ہے مکاں کس کا یہ بیت خانہ محل کس کا
ادھر ہے کفر کی صورت اودھر دیندار ہے پیدا

اوسی[3] بیرنگ کا جلوہ ہزاروں رنگ دکھتا ہے
جدا ہر مشکل ہر سر میں جمالِ یار ہے پیدا

زلیخا بن کے سودائی پھری یوسف کی چاہت میں
جہاں میں سب اسی سے عشق کا بازار ہے پیدا

انا الحق کا نہ کر دعویٰ رہو خاموش بس دل میں
خدا کا بیخودی میں دیکھ لے دیدار ہے پیدا

---

[1] انا احمد بلا میم۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔
[2] اَنَا مِن نُورِ اللّٰہِ وَکُلّ شَیٔ مِن نُورِی۔
[3] پس بے رنگ است اے دل
قانع نشوی برنگ ناگہ اے دل

پیش کش:۔ حافظ عبدالغفار لطیفی۔ گنفتکل

جواہر القرآن

عدل کی اہمیت وفضیلت

مولوی حافظ ابو النعمان بشیر الحق قریشی قادری استاذ دار العلوم لطیفیہ ویلور

اسلام کے قوانین وضوابط میں سے ایک قانون "عدل" بھی ہے۔ جس کی ضرورت انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں ہے۔ اور اسی کی وجہ سے سماج ومعاشرہ میں امن وسلامتی، چین وسکون ترقی وخوشحالی اور توازن وتناسب قائم ہے اور خالقِ کائنات نے اس دنیا کے نظام کو عدل کے تابع اور زیرِ اثر رکھا ہے۔ عدل ایک ایسی شئے ہے، جب وہ چیزوں میں موجود ہوتی ہے تو ان کی کمیت و کیفیت کے اندر اعتدال، تناسب اور توازن پیدا کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے ایک حصّہ دوسرے حصّہ سے کم اور زیادہ ہو نہیں پاتا۔ چناں چہ مادہ کی نامیاتی یا غیر نامیاتی اشکال بھی قانونِ عدل کے تحت اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہیں۔ پانی اور ہوا میں بھی توازن اور برابری موجود ہے۔ جب تک ہائیڈروجن کے دو سالمے، آکسیجن کے ایک سالمے کے ساتھ مخصوص حالت میں نہ ملایا جائیں تو پانی وجود میں نہیں آسکتا اور ہوا میں بھی مختلف عناصر یعنی آکسیجن، نائٹروجن، کاربن ڈائی آکسائڈ خاص تناسب کے ساتھ موجود ہیں جو نہ صرف انسانوں، بلکہ حیوانات اور نباتات کے لیے بھی ضروری ہے۔ اور یہ نظامِ شمسی جس کا ہر کرّہ اپنے اپنے دائرہ میں حرکت کر رہا ہے اور ہر ایک اپنی اپنی کشش رکھتا ہے۔ ان کرّوں کے درمیان میں عدل قائم ہے۔ اگر ایک کرّہ دوسرے کرّہ پر چڑھ آئے اور عدل کی روش چھوڑ دے تو یہ سارا فلکی نظام درہم برہم ہو جائے گا اور زمین و آسمان اور اس کے درمیان کی ساری مخلوقات اور موجودات تہ و بالا ہو جائیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ عدل کا وجود زندگی ہے تو عدل کا فقدان موت ہے۔ اسی طرح انسان کی جسمانی اور روحانی

زندگی میں بھی عدل کی غیر معمولی اہمیت اور ضرورت ہے ۔ ہمارے جسم کے اندر اخلاط و عناصر کا اعتدال و توازن ہی ہماری صحت و تندرستی کا ضامن اور محافظ ہے ۔ چنانچہ جب بھی ہمارے جسم کے نظام میں اعتدال و توازن ختم ہو جاتا ہے تو ہم بیمار ہو جاتے ہیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جسم میں عدل کا وجود صحت ہے تو عدل کا فقدان مرض ہے ۔ اسی طرح انسان کے عقائد و افکار اور اعمال و افعال میں بھی اعتدال مطلوب ہے ۔ اگر ان کے اندر افراط و تفریط پیدا ہو جائے تو عقائد و اعمال کی صحت میں فتور اور قصور پیدا ہو جائے گا ۔ لہٰذا عقائد و اعمال میں عدل کا وجود ہدایت ہے تو عدل کا فقدان ضلالت ہے اسی لیے خالق جن و بشر نے انسانوں کو زندگی میں عدل قائم رکھنے کی ہدایت فرمائی ۔ اور تاریخ انسانی کے ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے مخصوص و برگزیدہ بندے اور رسول دنیا میں آتے رہے اور لوگوں کو پیغام ربانی سناتے رہے کہ وہ زندگی میں عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں ۔

ولقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت
وانزلنا معهم الکتاب والمیزان
لیقوم الناس بالقسط ۔

ہم نے اپنے انبیاء و مرسلین کو نشانیوں کے ساتھ بھیجا ہے اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا تاکہ عدل و انصاف کی روش پر قائم ہوں ۔

لیکن انسان ہمیشہ اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرتے ہوئے عدل سے دُور ہوتا رہا اور افراط و تفریط کا شکار بنتا رہا ۔ چنانچہ اس کی روشن مثال یہود و نصاریٰ ہیں ۔ پہلے گروہ نے افراط کا راستہ اختیار کیا تو دوسرے گروہ نے تفریط کی روش اپنا لی ۔ اسی عدمِ توازن کے خاتمہ اور انسداد کے لیے خاتم الانبیاء سیدنا حضور پُر نور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ ﷺ نے پھر سے انسانوں کو عدل کا سبق سکھایا ۔

عدل کا معنیٰ و مفہوم

عدل کے لغوی معنیٰ ہیں کسی بوجھ کو دو حصّوں میں اس طرح تقسیم کریں کہ ان کے درمیان برابری ہو اور ان میں کم زیادہ نہ ہو ۔ اور عدل کا ایک مفہوم ہے مکافات (باہم برابر ہونا) میں مساوات کا لحاظ رکھنا جیسا کہ امام ابوالقاسم حسین بن محمد بن الفضل راغب اصفہانی نے بیان کیا ہے ۔

بقول علامہ سید الشریف افراط و تفریط کے درمیان اعتدال و میانہ روی کا نام

عدل ہے۔

فارسی کی معروف لغت ''غیاث اللغات'' میں مرقوم ہے۔ عَدْل بفتح اول وسکون ثانی برابر کردن۔ چیزے را بچیزے بمعنی داد و انصاف و دادگری را۔ بہمیں جہت عدل گویند کہ ظالم را بہ مظلوم برابر کنند

عَدل فتح اول اور سکون ثانی کے ساتھ ہے اور اس کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ برابر کرنا اور یہ داد و انصاف کے معنی میں ہے۔ اور دادگری کو اسی وجہ سے عدل کہتے ہیں کہ ظالم کو مظلوم کے ساتھ برابر کیا جاتا ہے۔

ترازو کی تول کو بھی معادلہ کہتے ہیں اس لیے کہ یہ میزان کے دونوں پلڑوں کا وزن برابر کر دیتا ہے۔ تنازعات اور قضایا کے اندر انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کو عدالت کہتے ہیں۔ کیوں کہ منصف دونوں فریقوں کے درمیان پیش آنے والی زیادتیوں کو دور کر دیتا ہے۔

یہ تفصیلات ظاہر کرتی ہیں کہ کسی چیز کو اس کے محل و مقام میں رکھنا عدل ہے اور اس کے مقام سے ہٹا دینا ظلم ہے۔ وضع الشئی فی غیر محلہ ظلم۔

عدل اسلام کی لغت کا ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر چیز کی موزونیت و مناسبت کے اعتبار سے جو بھی اس کا حق اللہ نے متعین و مقرر فرمایا ہے اس کو ادا کیا جائے اور عدل کا دائرہ آدمی کی ذات سے لے کر اس کی بیوی، بچے، رشتہ دار، دوست، پڑوسی، نوکر، یہاں تک کہ اس کے دشمن کو بھی شامل کر لیتا ہے اور ان تمام کے حقوق کو ادا کرنا عدل ہے اور ادا نہ کرنا ظلم ہے۔

قرآن میں عدل کا حکم

عدل کا حکم قرآنِ کریم کی اس مشہور و معروف آیت میں ہے۔ جس کو امہاتِ آیات ہونے کا اعزاز و شرف حاصل ہے۔ جس کے اندر فضائل و رذائل اور حقوق و فرائض کا بیان بڑی جامعیت کے ساتھ موجود ہے۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی۔

اللہ تعالیٰ تم کو عدل و احسان اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم کرتا ہے اور فواحش و منکرات اور ظلم و عدوان سے منع کرتا ہے۔

تفسیر روح المعانی میں اس آیت سے متعلق مرقوم ہے:

قال غیر واحد من العلماء لو لم یکن فی القرآن غیر هذه الآیة لکفت

علمائے کرام کی اکثریت کی یہ رائے ہے کہ اگر قرآن کریم میں صرف یہی ایک آیت نازل ہوتی تو رشد و ہدایت کے لیے کافی تھی۔

اس آیت طیبہ کے بارے میں حضرت عثمان ابن مظعون فرماتے ہیں۔ ابتداً میں نے لوگوں کے کہنے اور سننے سے اسلام قبول کیا تھا۔ لیکن اسلام میرے قلب میں پوری طرح جاگزیں نہ تھا۔ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپؐ پر وحی نازل ہونے کے آثار ظاہر ہوے اور بعض عجیب حالات کے بعد فرمایا: اللہ تعالےٰ کا قاصد میرے پاس آیا اور یہ آیت نازل ہوی ہے۔

ان اللہ یامر بالعدل: الخ

حضرت عثمان فرماتے ہیں: نزول وحی کے آثار و علامات کے مشاہدہ اور اس آیت کریمہ کی سماعت سے میرا قلب متاثر ہوا۔ جس کے بعد دل میں ایمان مستحکم ہوگیا۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت و الفت قائم ہوگئی۔

اس آیتِ طیبہ کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے آیت کی تاثیر و فیضان کا علم ہوتا ہے۔ حضرت اکثم بن صیفی کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اطلاع ملی تو انھوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضری کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن ان کے مصاحبوں اور مشیروں نے یہ کہہ کر انھیں منع کر دیا۔ کہ آپ قبیلہ کے سردار ہیں۔ آپ بذات خود تشریف لے جانا مناسب نہیں ہے۔ یہ سُن کر حضرت اکثم نے کہا اچھی بات ہے۔ دو آدمیوں کو وہاں کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیج دو۔ چنانچہ دو شخص نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ پہنچے اور عرض کیا: ہم آپؐ کی خدمت میں اکثم بن صیفی کی جانب سے بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ یہ دو باتیں دریافت کرسکیں۔ آپؐ نے فرمایا: کہیے؟ عرض کیا: من انت وما انت؟ آپؐ کون ہیں؟ اور آپؐ کیا؟ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: میں عبداللہ کا صاحبزادہ ہوں اور اللہ تعالےٰ کا رسول ہوں۔

اس مختصر سی وضاحت کے بعد آپؐ نے قاصدین کے سامنے ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان الخ کی آیت تلاوت فرمائی۔ ان

لوگوں نے دوبارہ سنانے کی گزارش کی تو آپؐ نے کئی مرتبہ آیت دہرائی۔ یہاں تک کہ ان دونوں کو آیت یاد ہوگئی۔ قاصدین یہاں سے واپس ہو کر حضرت اکثم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

ہم نے پہلے سوال من انت کے ذریعہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا حسب ونسب معلوم کرنا چاہا۔ لیکن آپؐ نے اس کی جانب چنداں التفات نہ کی۔ صرف اپنے والد کا نام بتانے پہ اکتفا فرمایا۔ لیکن ہم نے دوسرے لوگوں سے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ آپؐ شریف النسب ہیں اور معزز ومحترم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

اور ہمارے دوسرے سوال ما انت کے جواب میں آپؐ نے اپنے پیغمبر اور رسول ہونے کی بات کہی اور یہ کلمات سنائے۔ حضرت اکثم نے جب ان کلمات کو سنا تو فوراً کہہ اٹھے:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مکارم اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں اور اخلاق فاسدہ سے منع فرماتے ہیں۔ لہٰذا تم سب جلد از جلد آپؐ کے دین میں داخل ہو جاؤ تاکہ تم دوسروں سے سبقت لے جاؤ۔

مذکورہ آیت کے علاوہ بھی کئی آیات میں عدل کی تعلیم موجود ہے۔ مثلاً

- ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔ (نساء)

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جن کی امانتیں ہیں ان کے سپرد کردو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

- واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ (الانعام)

اور جب بھی بات کہو تو عدل وانصاف کی بات کہو۔ اگرچہ تمہارے رشتہ دار کا معاملہ ہو۔

- واستقم کما امرت ولا تتبع اھواءھم وقل اٰمنت بما انزل اللہ من کتب وامرت لاعدل بینکم۔ (الشوریٰ)

استقامت اور ثابت قدمی کے ساتھ رہیے۔ جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے اور ان لوگوں کی خواہشات پر نہ چلیے اور فرما دیجیے میں ایمان لایا اس کتاب پہ جو اللہ نے اتاری اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل وانصاف کروں۔

آدمی اپنی ذات سے عدل کرے

آدمی کا اپنے نفس اور اپنی ذات کے ساتھ عدل کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنی جان کو بیجا مشقت و تکلیف میں نہ ڈالے اور جسم کے اعضاء کا غلط اور بے جا استعمال نہ کرے۔ بلکہ کھانے پینے اور سونے اور دیگر مشاغل میں اعتدال اور میانہ روی سے کام لے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لایکلف اللہ نفسا الا وسعها

اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی طاقت اور قوت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا۔

اسی لیے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نفل عبادات میں اعتدال اور توازن قائم رکھنے کی تاکید فرمائی اور ارشاد فرمایا:

لا تشددوا علی انفسکم (ابوداؤد)

لوگو! تم اپنی ذات پر سختی اور تشدد نہ کرو۔

اور ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا: یسروا ولا تعسروا: آسانیاں پھیلاؤ اور سخت گیر اور تشدد پسند نہ ہو۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ زاہد شب بیدار اور روزہ دار صحابی تھے۔ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کی عبادت، وریاضت اور مجاہدہ کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا:

صم وافطر، قم ونم فان لجسدك عليك حقاً وان لعينك عليك حقاً وان لزوجك عليك حقاً وان لزورك عليك حقاً

یعنی چند دن روزے رکھو تو چند دن روزے چھوڑ دو۔ رات میں کچھ دیر عبادت کرو اور اس کے بعد آرام کرو۔ تمہارے اوپر تمہارے جسم کا بھی حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی حق ہے اور تمہارے رشتہ دار اور دوست احباب کا بھی حق ہے۔

ایک موقعہ پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں دیکھا کہ ایک رسی لٹکی ہوئی ہے۔ پوچھا: یہ کیا ہے؟ گھر والوں نے بتلایا: فلاں خاتون نے لٹکا رکھی ہے۔ تاکہ رات میں دورانِ عبادت نیند کا غلبہ معلوم ہو تو اس سے لٹک جائے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: رسی کھول دو۔ اس کے بعد لوگوں کو نصیحت فرمائی: کہ

عبادت کرو اس وقت تک کرو جب تک کہ طبیعت میں نشاط اور سکون موجود ہے۔

ان حدیثوں سے واضح ہے کہ ہر شخص کو

اپنی ذات کا حق ادا کرنے کے ساتھ دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا خیال رکھنا چاہیے۔ جو اس پر عائد ہیں اور زندگی کے امور و اشغال اور نفلی عبادات میں اعتدال اور توازن سے کام لینا چاہیے۔ اور اپنے آپ پر بیجا تشدّد اور سختی کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے جب کہ خود اللہ تعالےٰ ہمارے لیے آسانیاں چاہتا ہے۔ اور ہمارے لیے تکلیف اور مشقّت پسند نہیں کرتا۔ یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر۔

احادیث میں عدل کی فضیلت

نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے عدل کی فضیلت اور ظلم کی ممانعت کو مختلف و مؤثر اسالیب میں بیان کیا ہے۔ چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں:

- عدل کرنے والا شخص قیامت کے دن رحمتِ خداوندی کے سایہ میں ہوگا۔ جس دن خدا کے سایہ کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔

ارشاد فرمایا:

- ظلم سے بچو! ظلم ظلمات ہے۔ یعنی ظلم کرنے والا شخص قیامت کے دن سخت ترین اندھیروں میں گھرا رہے گا۔

ارشاد فرمایا:

- عدل کرنے والے اللہ تعالےٰ کے نزدیک نور کے منبروں پر فائز ہوں گے۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جو اپنے اہل و عیال کے امور و معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیتے تھے اور ان پر عائد شدہ فرائض اور اشغال میں عدل کیا کرتے تھے۔

عدل کا اثر عادل کی ذات تک ہی محدود نہیں رہتا ہے۔ بلکہ سارے انسان مستفیض ہوتے ہیں۔ اسی طرح ظلم کا اثر ظالم کی ذات تک ہی محدود نہیں رہتا ہے بلکہ ساری انسانیت متاثر ہو جاتی ہے۔ عدل تعمیر ہے تو ظلم تخریب ہے۔ اسی لیے نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عدل و انصاف کے معاملہ میں کسی قسم کی نرمی اور رعایت ملحوظ نہیں رکھی۔ اور خود اپنی ذات ستودہ صفات اور اپنے مخصوص ترین متعلقین کو بھی عدل سے مستثنیٰ نہیں سمجھا۔ اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں اعلان فرمایا:

جس کسی کا کوئی حق اگر ذمّہ رہ گیا ہو تو وہ اپنا حق حاصل کرلے۔

عہدِ رسالت میں قبیلۂ قریش کی ایک معزز شاخ بنی مخزوم کی ایک خاتون سے چوری کا

جرم ثابت ہو گیا۔ بعض لوگوں کی خواہش تھی کہ اسے سزا نہ ملے۔ آپؐ کے محبوب خادم حضرت اسامہؓ کو آپؐ کی خدمت میں سفارش کے لیے بھیجا گیا اس موقعہ پر آپؐ نے صاف لفظوں میں فرما دیا:

خدا کی قسم! میری لخت جگر! فاطمہؓ بھی چوری کا ارتکاب کرتی تو میں اسے بھی سزا دیتا۔ یہ تو یہود کا طریقہ ہے کہ وہ امراء کے جرائم پر پردہ ڈال دیتے تھے۔ اور غربا کو سزا دیتے تھے۔

نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی وہ عدل تھا جس سے متاثر ہو کر آپؐ کے دشمن بھی اپنے مقدمات کو آپؐ کے پاس لایا کرتے تھے۔ چناں چہ ایک مرتبہ یہود زنا کا مقدمہ لیے ہوئے آپؐ کے پاس حاضر ہوئے۔ اس موقعہ پر آپؐ نے یہودیوں سے توراۃ کا حکم سنانے کے لیے کہا: تاکہ توراۃ کے آئین کے مطابق ہی یہ فیصلہ کیا جا سکے۔ ان میں سے ایک فریق جو ہلکی اور معمولی سی سزا کا متلاشی تھا، اس کے ایک فرد نے توراۃ کی رجم والی آیت میں خلط ملط کرتے ہوئے اور کچھ حصہ چھپاتے ہوئے پڑھنا شروع کیا۔ اس وقت عبداللہ بن سلام بھی وہاں موجود تھے جو یہودیت سے نکل کر مسلمان ہو چکے تھے۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ لوگ آپؐ کو مغالطہ میں ڈال رہے ہیں۔ زنا پر جو سزا مقرر ہے اس کی آیت اس طرح نہیں بلکہ یوں وارد ہے۔ عبداللہ بن سلام کی بروقت گفتگو کی وجہ سے مسئلہ کا صحیح حکم سامنے آگیا اور آپؐ نے توراۃ کے آئین کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا۔ اسی موقعہ پر نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو حکم دیا کہ تم میں سے کچھ افراد یہودیوں کی زبان سیکھ لو تاکہ وہ لوگ ہمیں اس طرح کا دھوکہ نہ دے سکیں۔

اس کے علاوہ بھی نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے یہودیوں کے دیگر مقدمات کا فیصلہ صادر فرمایا۔ چناں چہ ان کے معروف قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ کے درمیان ایک غیر منصفانہ اصول قائم تھا کہ اگر بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کے خون کی قیمت ادا کی جاتی تھی۔ لیکن بنو نضیر کا کوئی شخص بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو اس کو قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا۔

نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کی خدمت

میں اس نوع کا مقدمہ پیش ہوا تو آپؐ نے تورات کے قانون کے مطابق النفس بالنفس (جان کے بدلے میں جان) کے حکم سے دونوں قبیلوں میں برابر کا قصاص جاری فرمایا۔

عدل و انصاف کے معاملہ میں کسی فرد یا کسی فریق کو نقصان پہنچنے کی کئی ایک صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مقدمہ کی کارروائی کے دوران صحیح گواہ پیش نہیں ہوتے اور لوگ حقیقت و سچائی کا علم رکھتے ہوئے بھی اپنے مفادات اور نقصانات کے امکان کو سامنے رکھتے ہوئے گواہی نہیں دیتے۔ جس سے حقدار اپنے جائز حق سے محروم ہو جاتا ہے اسی لیے قرآنِ کریم نے گواہی چھپانے سے منع فرمایا۔

لا تکتموا الشھادۃ

اور دوسری صورت یہ ہے کہ لوگ اپنے آدمی یا اپنے فریق کو فائدہ پہنچانے کے خیال سے جھوٹی گواہی پیش کرتے ہیں۔ جس سے بھی فریق ثانی کو حق پر رہتے ہوئے بھی انصاف کی دولت پانے سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی دینے سے سخت منع فرمایا۔

الا وھی قول الزور

تیسری صورت یہ ہے کہ قوت و طاقت اور اثر و رسوخ کے ذریعہ حکّام کو غیر منصفانہ فیصلہ پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ جس سے بھی عدل مجروح ہو جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے اس قسم کے رویّہ کو بھی گناہ اور معصیت قرار دیا۔

تدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔

اور آخرت فراموش حکام اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرتے ہوئے لوگوں کے درمیان ظالمانہ اور باطلانہ فیصلہ صادر کرتے ہیں اس لیے قرآنِ کریم نے سخت تاکید فرمائی کہ مقدمہ میں نفسانیت کو دخل دیے بغیر حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں:

فاحکم بین النّاس بالحق و لا تتبع الھویٰ۔

ایک حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عادل بادشاہ کا تھوڑی دیر عدل و انصاف کرنا۔ ساٹھ سال کی عبادت کا ثواب سے بھی زیادہ ہے۔

ملّا حسن کاشفی نے اپنی فارسی تصنیف

"اخلاق محسنی" میں حکایت بیان کی ہے۔ کہ ایک بادشاہ کو حج کا شوق دامن گیر ہوا اور اس نے اپنے ارادہ کو سلطنت کے وزراء کے سامنے ظاہر کیا تو مصاحبین نے عرض کیا: جہاں پناہ! حج کی ادائیگی کے لیے ایک شرط راستہ کا پُر امن ہونا ہے۔ سلاطین کے دشمن بہت ہوتے ہیں اگر آپ فوج اور ساز و سامان کے ساتھ سفر کریں گے تو اس کا اہتمام دشوار ہے اور اس کے مصارف بھی زیادہ ہوں گے اور اگر تھوڑے ملازموں اور ساز و سامان کے ساتھ روانہ ہوں گے تو بڑے خطرات کا اندیشہ ہے اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ ملک میں بادشاہ کا رہنا جسم میں روح رہنے کے مانند ہے۔ بادشاہ کی عدم موجودگی سے خواص و عوام کے امور و اشغال میں بے نظمی و بے ترتیبی اور فتنہ و فساد واقع ہونے کا امکان رہتا ہے۔ لہٰذا آپ کا سفر غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بادشاہ نے امراء کا یہ مشورہ سنا تو فرمایا: پھر ہمیں حج کا ثواب کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ امراء نے عرض کیا، جہاں پناہ! اس ملک میں ایک درویش رہتے ہیں جنھوں نے مدت دراز تک حرم شریف کی مجاورت کی ہے اور ساٹھ مرتبہ حج کیا ہے۔ اُن سے ایک حج کا ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بادشاہ کو یہ بات پسند آئی اور وہ اس بزرگ کی خدمت میں جا پہنچا اور اپنا مدعا پیش کیا تو درویش نے جواب دیا۔ عالم پناہ! ایک حج کے ثواب کی کیا بات ہے میں اپنے تمام حجوں کا ثواب آپ کو بخش دیتا ہوں۔ لیکن آپ مجھے اس کے عوض میں دنیا و ما فیہا کو پیش فرمائیں گے۔ بادشاہ یہ سُن کر حیران رہ گیا اور عرض کیا: اے مردِ باصفا! یہ تو میری قدرت اور طاقت سے باہر ہے۔ درویش نے کہا اے بادشاہ آپ نے تھوڑی سی دیر میں کسی مظلوم کے ساتھ جو عدل فرمایا؛ اس کا اجر و ثواب مجھے بخش دیجیے۔ یہی میرے لیے دنیا و ما فیہا ہے۔ میں اس کے بدلہ آپ کو ساٹھ حجوں کا ثواب بخش دوں گا۔

مذکورہ حکایت میں درویش موصوف نے یہ کہہ کر اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ عادل بادشاہ کے چند لمحے جو عدل و انصاف میں گزر جائیں وہ ساٹھ سالہ عبادت سے بھی بہتر ہیں۔ اجر و ثواب کی فراوانی و کثرت کی وجہ یہی ہے کہ عابد کی عبادت

سے عابد کی ذات ہی کو فائدہ ہوگا لیکن عدل
کا فائدہ عادل کی ذات کے علاوہ دیگر انسانوں
کو ہوگا۔ اس لیے حدیث میں عدل پر کثرتِ
ثواب اور اجرِ بے پایاں کی خبر دی گئی۔

عدل کی فضیلت کے لیے یہی ایک
بات کافی ہے کہ عدل وانصاف کرنے والا تمام
لوگوں کا محبوب بن جاتا ہے۔ اگرچہ کہ اس کے
عدل وانصاف سے ان کو کوئی فائدہ نہ پہنچا ہو
اور ظلم وستم کرنے والا تمام لوگوں کے نزدیک
مبغوض اور ناپسندیدہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ کہ
اس کے ظلم وستم سے ان کو کوئی نقصان نہ
پہنچا ہو۔ چناں چہ اس قول کی تائید وتصدیق
کے لیے نوشیروان اور حجاج بن یوسف کی
مثال کافی ہے۔

نوشیروان ایک آتش پرست کافر
شخص تھا لیکن لوگ جب بھی نوشیروان کو یاد کرتے
ہیں تو اس کے عدل وانصاف کی وجہ سے
اس کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں۔ اس
کے برعکس [۴۲] جب بھی حجاج کو یاد کرتے ہیں
تو اس کے ظلم وستم کی وجہ سے اس پر نفرت
ظاہر کرتے ہیں۔

عدل کی فضیلت میں ایک حدیث
یہ بھی وارد ہے۔ کہ عادل بادشاہ کے جسم کو
قبر کی مٹی نہیں گلاتی ہے۔

اس سلسلہ میں مصنفِ "اخلاقِ
محسنی" نے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ جس کا خلاصہ
یہ ہے۔ کہ

خلیفہ مامون الرشید کی مجلس میں
ایک عالم نے حدیث بیان کی کہ عادل
بادشاہوں کے جسم قبر میں بکھرتے نہیں ہیں
اور ان کے اجزاء ایک دوسرے سے جدا
نہیں ہوتے۔ مامون نے یہ سنا تو فرمایا:
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث
کی صداقت میں مجھے کوئی شک وشبہ
نہیں ہے لیکن میری خواہش ہے کہ نوشیروان
کی لاش دیکھوں۔ جو عدل کا مظہر تھا۔ جس
کے بارے میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا:

میں ایک عادل بادشاہ کے
زمانہ میں پیدا ہوا ہوں۔

اس گفتگو کے بعد مامون الرشید
نے مدائن کا سفر کیا۔ جب وہاں پہنچا تو
اس نے حکم دیا کہ نوشیروان کی قبر کھول
دی جائے۔ مامون اور اس کے رفقاء

---

[۴۲] حجاج ابن یوسف ایک مسلمان شخص تھا جس نے صحابہ اور تابعین کا مبارک زمانہ دیکھا تھا۔ لیکن لوگ

مصاحبین نے دیکھا کہ ایک تازہ بدن خاک پر رکھا ہوا ہے۔ جیسے کوئی شخص نیند میں ہو اور تین انگوٹھیاں ہاتھ میں پہنے ہوئے ہے اور ہر ایک پر ایک نصیحت لکھی ہوئی ہے۔

(۱) دوست اور دشمن کے ساتھ خاطر تواضع سے پیش آ۔

(۲) کوئی کام بھی خردمندوں سے مشورہ کئے بغیر شروع نہ کر۔

(۳) رعایا کی حفاظت کو نہ چھوڑ۔

اس موقعہ پر مامون کے ایک مصاحب اور ہمنشین نے کہا: عدل کی یہ تاثیر ہے کہ مرنے کے بعد کافر عادل کا بدن قبر میں محفوظ رہتا ہے اگر عادل مسلمان ہو تو کیا تعجب کی بات ہے کہ اس کا بدن قبر میں محفوظ رہنے کے علاوہ آخرت میں بھی دوزخ کی آگ سے محفوظ رہ جائے۔

دشمن کے ساتھ بھی عدل و انصاف

قرآن کریم کی تعلیم ہے:

اے مسلمانو! تم کسی قوم کی عداوت و دشمنی کی وجہ سے عدل وانصاف نہ چھوڑو بلکہ ہر حال میں عدل قائم رکھو۔ یہی تقویٰ ہے۔

ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا۔ اعدلوا ھو اقرب للتقوی

دشمن کے ساتھ عدل وانصاف بلکہ اس کے ساتھ احسان کی نظیر فتح مکہ سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا تو صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے اسے قتل نہ کیا جائے۔ اور جو بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کیا جائے۔ جو حرم شریف میں چلا جائے اسے امان دی جائے عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کو چھوڑ دیا جائے جو ابو سفیان (دشمنِ اسلام) کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان دی جائے۔ اس پُرامن اعلان کے بعد مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ اور آپ بیت اللہ کی جانب تشریف لائے اور عثمان بن ابی طلحہ سے خانۂ کعبہ کی کنجی طلب کی جن کے خاندان میں عرصہ دراز سے بیت اللہ کی کلید برداری چلی آرہی تھی۔

نبوت کے ابتدائی دور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی عثمان سے فرمایا تھا ذرا بیت اللہ کا دروازہ کھول دو۔ میں اندر داخل ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن اس نے بڑی تحقیر

کے ساتھ انکار کر دیا تھا۔ اس وقت آپؐ نے عثمان سے فرمایا تھا۔ اے عثمان! ایک دن آئے گا جب کہ بیت اللہ کی کنجی میرے قبضہ میں ہوگی اور میں جس کو چاہوں عطا کروں گا۔ اس وقت عثمان کو یہ بات ناممکن نظر آئی تھی لیکن آج وہ بات پوری ہو چکی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عثمان کے پاس سے کنجی حاصل کرلی اور بیت اللہ کا دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوئے اور خدا کے گھر کو بتوں سے پاک وصاف فرمایا۔ زبانِ مبارک سے کہتے جاتے تھے۔

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا:

حق آچکا ہے باطل مٹ چکا۔ باطل کو مٹنا ہی تھا۔

خانۂ خدا میں دو رکعت نماز شکرانہ ادا فرمایا اور اس کے بعد باہر تشریف لائے۔ حضرت عباس نے گزارش کی: یارسول اللہ! بیت اللہ کی تولیت کا اعزاز بنو ہاشم کو عطا کیا جائے۔ یہ سن کر ارشاد فرمایا: آج کا دن تو احسان کرنے اور عطیات دینے کا ہے۔ یہ فرماتے ہوئے پھر اسی عثمان کو سامنے بلایا اور اسی کے ہاتھ میں خانۂ کعبہ کی کنجی دیتے لوگوں سے ارشاد فرمایا: جو کوئی عثمان سے یہ کنجی چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔

اس کے بعد صحن حرم میں کھڑے ہوئے ہزاروں لوگوں پر ایک نظر ڈالی جو سب کے سب آپؐ کے سخت ترین دشمن تھے جنھوں نے آپؐ کے اوپر جبر وستم کے اور جور و جفا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ ان کے بارے میں اعلان فرمایا۔

لا تثريب عليكم اليوم فاذهبوا انتم الطلقاء:

آج کے دن تم سے کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا۔ تم سب آزاد ہو۔

یہی وہ اسوۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھا جس کے سانچے میں خلفائے راشدین کی سیرتیں ڈھل گئیں تو ان کے گفتار وکردار میں بھی یہی اسوۂ نبویؐ کی شان ظاہر ہوئی۔

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں شام کی جانب فوجیں روانہ کیں تو وداع کے وقت نصیحت فرمایا:

"خیانت نہ کرنا، مال نہ چھپانا،

بے وفائی نہ کرنا، کسی کے اعضاء نہ کاٹنا، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرنا پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا۔ خانقاہوں میں محوِ عبادت اشخاص کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ جو لوگ اطاعت کریں ان کے مال اور جان کی حفاظت اسی طرح کرنا جس طرح ایک مسلمان کی جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک غیر مسلم آدمی کو قتل کر دیا۔ جب یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فرمایا: مقتول کے خاندان والے خون بہا پر راضی نہ ہوں تو مسلمان قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے عدل کی جو شمع روشن کی تھی اس کی روشنی سے دنیا کا بیشتر خطہ اور تاریخ کا ہر دور منوّر اور تاباں رہا ہے۔ فرزندانِ توحید نے ۷۱۲ء میں ہندوستان فتح کیا۔ اور اس وسیع و عریض ملک پر ۱۸۵۷ء تک حکمران رہے۔ اور غیر مسلم ہندوستانیوں کے ساتھ عدل و انصاف مذہبی آزادی و رواداری اور احسان و سلوک کا جو برتاؤ کیا وہ آپ اپنی مثال ہے۔ ان سلاطین نے ہندوؤں کو اعلیٰ عہدے اور وقیع مناصب تفویض کیا۔ مندریں تعمیر کروائیں اور ان کے اخراجات و مصارف کے لیے جائدادیں وقف کیں اور بہت سے اکابرین کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں۔ جن کی تفصیلات منصف مزاج مورخین کی تحریروں میں موجود ہے۔ اس مقام پر مسلم سلاطین کے عدل و انصاف کی چند نظیریں پیش کی جا رہی ہیں۔

سلطان غیاث الدین بلبن کے دورِ حکومت میں اس کا خاص امیر تعیق بن جامدار تھا اور یہ بادشاہ کا مقرب خاص شخص تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کسی بے گناہ آدمی کو کوڑوں سے پٹوایا۔ جس کی وجہ سے وہ مر گیا۔ مقتول کی بیوہ دربار میں انصاف کی خواہاں ہوی۔ امیر کو بادشاہ کے منظورِ نظر اور محبوب ہونے پر بڑا اطمینان تھا اور یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ بادشاہ اس کم زور اور غریب خاتون کے مقابلہ میں مجھ سے کوئی باز پرس نہیں کرے گا۔ لیکن غیاث الدین نے بھرے دربار میں اعلان کیا کہ مجرم کو بھی اسی قدر کوڑے

کوڑے لگائے جائیں کہ وہ بھی مر جائے۔ مجرم کی موت واقع ہونے کے بعد بادشاہ نے لاش کو بدایون کے صدر دروازے پر لٹکوادیا تاکہ کوئی بھی طاقتور کسی کمزور پر ظلم کی ہمّت نہ کرسکے۔

سلطانِ عادل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر جنھوں نے نصف صدی تک ہندوستان پر حکومت کی آپ کے دورِ حکومت میں آپ کا ایک بہنوی کوتوال تھا۔ جس کے بیٹے نے کسی ہندو کی برأت جاتے دیکھ کر دلہن کی ڈولی اٹھالانے کا حکم دیا۔ جوں ہی یہ خبر بادشاہ کو ملی تو اپنے بھانجے کو گرفتار کروایا اور قیدخانہ میں ڈال دیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع اورنگ زیب کی بہن کو ملی تو بادشاہ سے اس معاملہ میں بات چیت کرنے کے لیے محل گئی لیکن عالمگیر نے ملنے سے انکار کردیا۔ مجبوراً واپس چلی گئی اور تحریر کے ذریعہ عرضی بیش کی جس میں اپنے فرزند کی گرفتاری، اپنی قرابت کا پاس ولحاظ نہ کرنے پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا۔ تم اچھی طرح جانتے ہو میں اپنے بیٹے کی جدائی سہہ نہیں سکتی

اورنگ زیب نے عرضی پڑھی اور جواب بھیجا اگر مجرم کی ماں اپنے بیٹے کی جدائی برداشت نہیں کر پاتی ہے تو وہ بھی قیدخانہ میں رہ سکتی ہے۔

اس نوع کی بے شمار مثالیں ہند کی اسلامی تاریخ میں موجود ہیں کہ سلاطین اسلام نے اس ملک کے اندر عدل وانصاف کے معاملہ میں اغیار و اقارب اور مسلمان وغیر مسلمان اور طاقتور وکم زور کے درمیان کوئی امتیاز روا نہیں رکھا۔

عدل سے متعلق حضرت عمرؓ کا ہدایت نامہ اور خلافت راشدہ میں عدل کی مثالیں

حضرت عمر رضی اللہ نے اصول عدالت سے متعلق عبداللہ بن قیس کے نام ایک ھدایت نامہ تحریر فرمایا تھا۔ جس کا کچھ حصّہ یہاں نقل کیا جارہا ہے۔ جس سے مقدمہ کی کارروائی انجام دینے کے لیے ایک روشنی ملتی ہے۔

" عدالت فرض محکم اور سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اجلاس میں فریقین کو اپنے سامنے مساوی رکھو تاکہ جوادنیٰ ہو وہ تمہارے عدل سے ناامید اور مایوس نہ ہوجائے۔ اور جو اعلیٰ ہو، وہ تمہاری رعایت کا امیدوار نہ رہے۔

ثبوت مدعی کے ذمہ ہے اور اگر وہ ثبوت پیش نہ کرے تو مدعیٰ علیہ پر قسم ہے۔ فریقین کے درمیان مصالحت جائز ہے۔ لیکن ایسی نہیں ہونی چاہیے کہ جس سے حلال حرام ہو جائے اور حرام حلال ہو جائے۔ مدعی کو ثبوت پیش کرنے کے لیے ایک مدت معینہ کی مہلت اور فرصت دے دو۔ اگر وہ ثبوت لا دے تو اس کا حق دلا دو ورنہ اس کے خلاف فیصلہ دے دو۔ تم نے جو فیصلہ کیا ہے مزید غور و فکر کے بعد اگر حق کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کر لو۔ جس معاملہ میں خلجان اور الجھاؤ ہو، اگر کتاب و سنّت سے صریح طور پر اس کا حکم نہ ملے تو خوب غور و فکر کرو۔ اس کے نظائر کو دیکھو۔ پھر انھیں پر قیاس کر لو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو گئی اور یہ مقدمہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ہاں پیش ہوا۔ حضرت زید نے دونوں کو طلب کیا۔ حضرت عمر حاضر ہوئے تو امیر المومنین ہونے کی وجہ سے ان کی تعظیم و تکریم کے لیے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمر نے یہ دیکھا تو فرمایا: اس مقدمہ میں تمہاری یہ پہلی ناانصافی ہے۔ اس کے بعد آپ اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔

ایک مرتبہ قاضی شریح کی عدالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بحیثیت مدعی اور ایک غیر مسلم ذمی شخص مدعیٰ علیہ حاضر ہوئے تو شریح رضی اللہ عنہ نے حضرت علی سے فرمایا: اے ابو تراب! آپ اپنے فریق کے برابر بیٹھ جائیے۔ اس کے بعد قاضی شریح نے محسوس کیا کہ ان کا یہ کہنا حضرت علی کو ناگوار لگا ہے تو معذرت کے طور پر فرمانے لگے: شاید آپ کو میری یہ بات ناگوار لگی ہے لیکن عدالتی معاملات کا یہی تقاضہ ہے کہ آپ اپنے فریق کے برابر بیٹھیں۔ یہ سن کر حضرت علی نے فرمایا: مجھے یہ بات بُری نہیں لگی بلکہ جو بات ناگوار لگی وہ یہ ہے کہ آپ نے مجھے کنیت سے خطاب کیا۔ جو ایک طرح سے میرے فریق کے مقابلہ میں میری عزت افزائی ہے۔ اور میرے فریق کے ساتھ ناانصافی ہے۔

محلِ نشست اور اندازِ تخاطب میں بھی عدل و انصاف کا خیال اور پاس و لحاظ رکھنا ایسی نظیریں پھر دنیا نے کبھی نہیں دیکھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص کے صاحب زادہ نے کسی بات پر ایک مصری شخص کو کوڑا مارا اور اپنے آباء و اجداد کی عظمت و فضیلت اور شان و شوکت بیان کرتے ہوئے فخریہ انداز میں بہت کچھ باتیں کہیں۔ جب یہ معاملہ حضرت عمر تک پہنچا تو آپ نے مصری✻ گورنر کے لڑکے پر کوڑا برسایا تو گورنر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی سامنے موجود تھے۔ اس موقعہ پر حضرت عمر نے گورنر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

✻ شخص کو یہ حق دیا کہ وہ بھی گورنر کے لڑکے سے اسی طرح کا بدلہ لے سکتا ہے۔ جب ایک عام مصری

تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا حالاں کہ یہ اپنی ماں کے شکم سے آزاد پیدا ہوئے ہیں۔

عہدِ فاروقی کا ایک واقعہ یہ بھی ہے سلطنتِ غسّان کا شہزادہ جبلہ ابن ایہم عیسائیت چھوڑ کر مسلمان ہوگیا۔ اس واقعہ سے امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر مسلمانوں کو بڑی خوشی حاصل ہوی۔ وہ ایک بار بیت اللہ کے طواف میں مشغول تھا۔ اس کا شاہی لباس طواف کے دوران کسی بدوی مسلمان کے پاؤں تلے دب گیا تو جبلہ کو غصّہ آگیا اور اس نے اپنی تحقیر و تذلیل محسوس کی اور بدوی کے چہرے پر زوردار طمانچہ مار دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ بدوی مسلمان نے ان سے شکایت کی تو آپ نے شہزادہ کو بلایا اور پوچھا کہ تم نے خانۂ کعبہ کے پاس ایک مسلمان کیوں مارا؟ اس نے کہا: اس حقیر دیہاتی نے میرے شاہی لباس کو اپنے پیروں تلے روند دیا تھا حضرت عمر نے فرمایا: طواف کی حالت اور لوگوں کا اژدحام میں اضطراراً ایسا ہونا ممکن ہے۔ تم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ لہٰذا اسے راضی کرلو، ورنہ اسے بھی اس طرح بدلہ لینے کا حق دیا جائے گا۔ یہ سن کر جبلہ نے کہا: مجھے ایک روز کی مہلت دیجیے۔ مہلت دی گئی تو رات کے وقت خاموشی سے بھاگ نکلا اور مرتد ہوگیا۔

منصب و اقتدار کے حاملین اور با اثر و با رسوخ افراد پر بھی قانونِ عدل کا نفاذ کرنا اور کمزوروں و ضعیفوں کا حق دلانا اور منافع و مصالح کا نظر انداز کرنا یہ وہ مثالیں ہیں جن کے دیکھنے سے آج کے انسان کی نظر میں قاصر ہیں۔

حضرت عمر مظہرِ عدل اور سراپا انصاف

تھے۔ فتح بیت المقدس کے موقع پہ آپ اور آپ کے خادم منزل بمنزل باری باری ایک ہی اونٹ پر سفر کر رہے تھے۔ جب یروشلم آ پہنچا تو خادم کے سوار ہونے کی باری آ پہنچی خادم نے عرض کیا شہر میں داخل ہوتے وقت عیسائیوں کے اکابر اور شرفاء آپ کے استقبال کے لیے موجود ہوں گے۔ لہٰذا آپ اونٹ پہ سوار ہو جائیں۔ لیکن آپ نے خادم کی بات نہیں مانی۔ بلکہ اسی کو اونٹ پر سوار فرمایا اور خود پیدل چلتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے۔ عدل وانصاف اور برابری و مساوات کے اس نظارے سے وہاں کے عیسائی عوام اور حکمران مذہبی رہنما انگشت بدنداں رہ گئے۔

ایک مرتبہ عدالتِ فاروقی میں خود آپ ہی کے صاحبزادے بحیثیت مجرم پیش کئے گئے تو آپ نے جرم ثابت ہونے کے بعد کوڑے لگانے کا حکم دے دیا چنانچہ اس سزا کے دوران صاحبزادے نے دم توڑ دیا۔

حضرت عمر کے عدل وانصاف اور مساوات کی ایسی مثال دُنیا کے کسی حکمران کی زندگی میں نہیں مل سکتی۔

عدل سے آدمی کی نجات

ملّا حسن واعظ کاشفی کی نقل کردہ

فارسی کی حکایت کا ترجمہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ جس کے مطالعہ سے یہ حقیقت نمایاں ہو رہی ہے کہ ۴۴سلطان ملک شاہ سلجوقی زندہ رُود ندی کے کنارے شکار کے لیے نکلا اور کچھ دیر آرام واستراحت کے خیال سے ایک مرغزار مقام میں فروکش ہوا۔ بادشاہ کا ایک خاص وزیر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ایک گاؤں میں چلا گیا۔ وہاں اُس کی نظر ایک موٹی تازی گائے پر پڑی۔ تو اُس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ گائے پکڑ کر ذبح کرو اور اس کا گوشت پکاؤ۔ یہ گائے ایک ایسی ضعیفہ خاتون کی تھی جس کے چار یتیم بچے تھے اور سب کی پرورش وکفالت اسی گائے کے دودھ سے ہو رہی تھی۔ جب یہ خبر ضعیفہ کو پہنچی تو حواس باختہ ہو گئی اور اس پُل پہ بادشاہ کا انتظار کرتے ہوئے بیٹھ گئی، جہاں سے وہ گزرنے والا تھا۔ جوں ہی بادشاہ کی سواری پل کے قریب آ گئی تو یہ ضعیفہ اٹھ کھڑی ہوئی اور تیزی کے ساتھ

۴۴ عدل آدمی کی نجات کا سبب بن سکتا ہے۔ ایک روز

آگے بڑھتے ہوئے سلطان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ وہ وزیرِ خاص جس نے اس کی گائے ذبح کر ڈالی تھی۔ ضعیفہ پر کوڑے برسانے ہی والا تھا کہ بادشاہ نے فوراً روک دیا اور کہا: یہ ضعیفہ مظلوم دکھائی دے رہی ہے آخر اس حرکت پر اُسے کس چیز نے آمادہ کیا ہے۔ اس کی فریاد سنیں۔ اس کے بعد ضعیفہ کی جانب متوجہ ہوا تو وہ کہنے لگی۔

اے الپ ارسلان کے بیٹے! اگر آج تو اس زندہ رُود کے پُل پر میرا انصاف نہیں کرے گا تو خدا کی قسم کل پُل صراط پر جب تک اپنا انصاف نہ مانگ لوں تیرا دامن نہیں چھوڑوں گی۔ اب تو ہی بتا! ان دونوں پلوں میں سے کس پُل کو تو پسند کرتا ہے؟

سلطان یہ بات سنتا ہی تھا دہشت زدہ ہوگیا اور فوراً گھوڑے سے اُتر پڑا اور کہنے لگا:

اے مادرِ مہربان! میرے اندر پُل صراط پر جواب دینے کی طاقت نہیں ہے تو اسی پُل پر اپنا انصاف مانگ لے۔ آخر تجھ پر کیا ظلم و ستم ہوا ہے؟

ضعیفہ نے کہا: اے بادشاہ! یہی وہ وزیر ہے، جس نے ابھی ابھی تیرے سامنے مجھ پر کوڑے برسانے کے لیے آگے بڑھا تھا اسی نے میری گائے کو ذبح کر دیا ہے جس کے دودھ سے میرے یتیم بچّوں کی پرورش ہو رہی تھی۔

یہ سُن کر بادشاہ نے اپنے وزیر کو سخت عبرت خیز سزا دینے کا حکم جاری کیا اور ضعیفہ کو ایک گائے کے بدلے ستّر گائے دینے کا فرمان جاری کیا۔

یہ ضعیفہ بادشاہ کے انتقال کے بعد بھی زندہ رہی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ سلجوقی دُنیا میں نہیں رہا۔ تو ایک رات اس کی قبر پر گئی اور قبلہ رُخ ہو کر دُعا کی۔

اے عزّوجل تیرا یہ بندہ جو اس وقت خاک میں ہے ایک وقت وہ تھا جب کہ میں عاجز تھی، اس نے میری دستگیری کی۔ اب جب کہ وہ عاجز ہے، اس پر تو اپنا فضل و کرم فرما۔ اس بندے نے اپنے مخلوق ہونے کی عاجزی کے ہوتے ہوئے بھی مجھ پر مہربانی کی تھی۔ اب تو وہ پوری طرح لاچار اور بے بس ہے۔ تو اپنی خالقیت کی قوت ہوتے ہوئے اس پر

مہربانی فرما کر اوراس کی نجات فرما دے۔

اس کے چند دنوں بعد ایک بزرگ نے ملک شاہ سلجوقی کو خواب میں دیکھا اوراس سے پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا۔ بادشاہ نے کہا: اگراس مظلوم ضعیفہ کی دعا نہیں پہنچتی تو میں عذاب و عتاب کے چنگل سے خلاصی نہیں پاتا۔

ظلم کی نیت سے بھی خلقِ خدا کو تکلیف پہنچتی ہے

عدل کی ضد ظلم ہے عدل سے جس طرح بے شمار فوائد و برکات حاصل ہوتے ہیں اسی طرح ظلم سے بھی بے شمار مفاسد و نقصانات پہنچتے ہیں۔ ان میں سے ایک نقصان یہ بھی ہے کہ صرف ظلم کی نیت کی وجہ سے خلق خدا کی روزی میں کمی اور قلت واقع ہوجاتی ہے اور برکت ختم ہوجاتی ہے۔

ملا کاشفی سے منقول ایک ایسی ہی حکایت یہاں نقل کی جاتی ہے۔ جو بادشاہ کے ظلم کی صرف نیت ہی سے رعایا کی روزی پر اثر پڑتا ہے۔ اس سے یہ بات سچ ثابت ہوتی ہے کہ عادل بادشاہ زمین پر رحمتِ الٰہی کا سایہ ہے۔ جس کے عدل سے ساری مخلوق مستفیض اور بہرہ ور ہوتی ہے اور ظالم بادشاہ عذابِ الٰہی کا سایہ ہے جس کے ظلم سے ساری مخلوق مبتلائے عذاب رہتی ہے۔

اس روشنی میں حکومتوں اور حکمرانوں کی نیتوں اور اعمال کا تجزیہ کیا جائے تو عوام کی خوش حالی و بدحالی اور وسائل و مسائل کا راز خود بخود کھل سکتا ہے۔

ایک دن ملک قباد شکار کو نکلا اور اپنے لشکر سے بچھڑ گیا۔ تیز دھوپ اور گرم ہوا اور بھوک و پیاس کی وجہ سے مضمحل ہوگیا اور پانی کی تلاش میں نکل پڑا۔ کچھ دور جانے کے بعد ایک گھنے جنگل میں ایک خیمہ دکھائی دیا۔ قریب پہنچا تو دیکھا اس میں ایک ضعیفہ اور ایک لڑکی ہے۔ ضعیفہ نے قباد کو خیمہ کے اندر بلایا اور کچھ کھانے پینے کی چیزیں دیں۔ قباد بہت تھکا ماندہ اور بھوکا پیاسا تھا۔ جو بھی سامنے آیا، سیراب ہو کر کھایا اور پیا اوراسی خیمہ میں سوگیا۔ جب اس کی آنکھیں کھلیں تو

شام ہو چکی تھی۔ ضعیفہ نے اُسے یہیں رات گزارنے کی دعوت دی۔ قباد خیمہ ہی میں رک گیا۔ نمازِ مغرب کے بعد ایک گائے جنگل کی طرف سے خیمہ کے پاس آئی۔ لڑکی نے دودھ دوہا۔ جو کافی مقدار میں نکلا۔ دودھ کی کثرت اور زیادتی دیکھ کر قباد نے دل ہی دل میں کہا: یہ لوگ ایک گائے سے اتنا زیادہ دودھ حاصل کر رہے ہیں۔ اگر ہفتہ میں ایک دن کا دودھ بادشاہ کو دے دیں تو ان کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ لیکن ہمارے خزانہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اس جنگل میں اور بھی مویشی دار افراد خیمہ زن ہوں گے۔ لہٰذا دارالسلطنت پہنچتے ہی رعایا پہ ٹیکس لگا دینا چاہیے۔

صبح نمودار ہوئی۔ اور لڑکی نے اپنے معمول کے مطابق دودھ دوہا تو روزانہ کی مقدار سے بہت کم حاصل ہوا۔ ماں کے پاس آئی اور کہنے لگی:

اے ماں! دعا فرمائیے! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بادشاہ نے ظلم کا ارادہ کیا ہے۔ ملک قباد یہ سنتا ہی تھا، حیران رہ گیا اور لڑکی سے پوچھا:

یہ بات تمہیں کیوں کر معلوم ہوئی؟

لڑکی نے جواب دیا:

بادشاہ جب کبھی ظلم کی نیت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ برکت اٹھا لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہماری گائے سے روزانہ کی مقدار سے دودھ بہت کم نکلا۔

ملک قباد نے کہا:

تم سچ کہتی ہو! اس کے بعد بادشاہ نے اپنے دل سے ٹیکس لگانے کا ارادہ نکال دیا۔ اور کچھ دیر گزرنے کے بعد لڑکی سے کہا:

جاؤ! اور تھوڑا ہی سہی دوبارہ دودھ دوھ لاؤ۔

لڑکی گئی اور اس مرتبہ دودھ دوہا تو کافی مقدار میں نکلا اور خوشی خوشی اپنی ماں کے پاس آئی اور کہنے لگی:

اے ماں! معلوم ہوتا ہے ہمارے بادشاہ نے ظلم کا ارادہ چھوڑ دیا ہے۔

اس کے بعد قباد وہاں سے روانہ ہو گیا۔ ضعیفہ اور اس کی لڑکی کو یہ پتہ بھی نہ چلا کہ اجنبی مسافر ہی ان کا بادشاہ تھا۔

مفسر قرآن امام فخرالدین رازی نے "تفسیر کبیر" میں ایک واقعہ لکھا ہے:

ایک مرتبہ نوشیرواں اپنے ساتھیوں کے ساتھ

شکار کھیلنے گیا۔ شکار کھیلتے کھیلتے وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا۔ اس وقت وہ شاہانہ لباس میں ملبوس نہ تھا۔ کہ لوگ دیکھ کر پہچان سکیں کہ یہ بادشاہ وقت ہے۔

اُسے بڑی شدّت کی پیاس لگی تو ایک باغ میں چلا گیا۔ وہاں دیکھا تو ایک نوعمر لڑکا ہے۔ نوشیرواں نے کہا:

بھائی! تمہارے پاس کوئی پینے کا سامان ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ کو پانی چاہیے یا جوس؟ نوشیرواں نے دریافت کیا کون سا جوس مل سکتا ہے؟ لڑکے نے کہا انار کا جوس۔ نوشیرواں نے کہا: ٹھیک ہے وہ لڑکا نوشیرواں کے سامنے انار توڑ لایا۔ نوشیرواں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس نے اپنی زندگی میں ایسے عمدہ اور اعلیٰ قسم کے انار دیکھے ہی نہیں تھے۔ نوشیرواں نے جب جوس پیا تو اس قدر عمدہ اور لذیذ و شیریں تھا کہ اس نے کبھی پیا ہی نہیں۔

اب نوشیرواں نے اپنے دل میں سوچا میں تو اس ملک کا بادشاہ ہوں۔ اس باغ کو سرکاری تحویل میں لے لینا چاہیے۔

تھوڑی دیر گزرنے کے بعد جب وہ چلنے لگا تو مالی سے کہا: ایک دو انار توڑ لاؤ۔ مالی باغ میں گیا اور انار لے آیا اور جوس نکالا تو بہت تھوڑا نکلا۔ نوشیرواں نے پیا تو مزہ میں کافی فرق تھا۔

مالی سے پوچھا: کس درخت کے انار توڑ لائے ہو؟ جوس بالکل بے مزہ اور پھیکا ہے۔

مالی نے جواب دیا: جناب! یہ تو اسی درخت کے انار تھے جو پہلی مرتبہ آپ پی چکے ہیں۔

نوشیرواں نے حیرت سے کہا:

اسی درخت کے انار تھے تو پھر اس مرتبہ کے جوس میں یہ حیرت انگیز تبدیلی کیسی؟

مالی نے جواب دیا:

معلوم ہوتا ہے اس ملک کے بادشاہ نے ظلم کا ارادہ کیا ہے۔

یہ بات سُننا ہی تھا نوشیرواں حیران رہ گیا۔ اور اپنے دل میں کہا: گناہ اور ظلم کے ارادہ سے بھی خلقِ خدا کی روزی میں تنگی واقع ہو جاتی ہے تو میں توبہ کرتا ہوں کہ اس غریب کے باغ پہ قبضہ نہیں کروں گا۔

تھوڑی دیر گزرنے کے بعد نوشیرواں

نے کہا: پتہ نہیں مالی! پھر اس باغ کی طرف آنے کا موقعہ ملے نہ ملے۔ ایک مرتبہ انار کا جوس پلادو۔ مالی باغ میں گیا اور انار لایا اور جوس نکال کر نوشیروان کی خدمت میں پیش کیا۔ اس مرتبہ جوس سے گلاس بھرا ہوا تھا۔ نوشیرواں نے پیا تو پہلی مرتبہ کے جوس سے بھی زیادہ لذیذ اور مزہ دار تھا۔ پوچھا:

مالی یہ کس درخت کے انار تھے۔ مالی نے جواب دیا:

جناب! یہ اسی درخت کے انار ہیں جو اس سے پہلے آپ کو دو مرتبہ پیش کیا تھا۔

نوشیرواں حد درجہ متحیر رہ گیا اور مالی سے کہنے لگا: کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ یہ جوس پہلی مرتبہ کے جوس سے بھی لذت و مٹھاس میں زیادہ ہے۔

مالی نے کہا: جناب! معلوم ہوتا ہے ظالم نے اپنے ظلم سے توبہ کرلی اور یہ سارا ذائقہ اور کثرت اسی توبہ کی برکت ہے۔

نوشیرواں کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ واقعی انسان کے گناہ اور ظلم کی وجہ سے خلق خدا کی روزی میں تنگی الواقع ہوتی ہے اور تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

ایک حدیث نبویؐ سے بھی ان واقعات کی تصدیق ہوتی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ جب کوئی آدمی گناہ اور معصیت اور ظلم و ستم کرتا ہے تو بے زبان جانور بھی اللہ تعالٰی سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ تعالٰی اس آدمی کو گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ اس کے گناہوں کی وجہ سے ہماری روزی پر اثر پڑ رہا ہے۔

اس حدیث کی ترجمانی بعض مفسرین کرام کی ان تصریحات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے عہد میں یہ زمین ہر طرف سرسبز اور شاداب تھی۔ درخت پھول اور پھل دار تھے۔ سمندروں کا پانی میٹھا اور شیریں تھا۔ اس کے بعد زمین کا بڑا حصہ بنجر اور خاردار ہوتا گیا۔ درخت پھل اور پھول سے خالی ہوتے چلے گئے اور سمندروں کا پانی کھاری بن گیا۔ آدم علیہ السلام کی زمین جنت نشان میں یہ ساری تبدیلیاں اور تغیرات انسانوں کے گناہ و معصیت اور ظلم و ستم کی وجہ سے رونما ہوئی ہیں۔ جو کہ نقطۂ آغاز ہابیل اور قابیل کے درمیان پیش آنے والا واقعہ تھا

حاصلِ تحریر!

انسانی زندگی کے لیے عدل ایک ایسا ضابطہ اور قانون ہے جس کی پیروی اور پابندی، انفرادی و اجتماعی اور حکومتی سطح پر ہونی چاہیے۔ تاریخ شاہد ہے جب کبھی عدل سے بے نیازی اور بے اعتنائی برتی گئی تو شخصی خاندانی، ملّی، قومی سیاسی اور بین الاقوامی زندگی میں فتنہ و فساد اور انتشار و انارکی کا لاوا ابل پڑا۔ اسی لیے اسلام نے سارے لوگوں کو حقوق میں مساوات عطا کیا اور عدل کی بالا دستی قائم کی اور زندگی کے دھارے کو صحیح رخ پر موڑ دیا۔ تاکہ لوگوں کی زندگی میں افراط و تفریط اور ظلم و تعدی کی فضا پیدا نہ ہو جائے۔ اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے انبیاء اور مرسلین کی بعثت ہوتی رہی۔ ولقد ارسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم الکتٰب والمیزان لیقوم الناس بالقسط: ہم نے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔

آج دنیا بھر میں مظلوموں، مزدوروں، کمزوروں اور عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں اور اس کے لیے مختلف تجاویز اور قوانین اور اصول بنائے جا رہے ہیں۔ لیکن کمزور طبقات نت نئے مظالم اور بے انصافیوں کے شکار ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا میں حق و انصاف اور عدل و مساوات کا سورج اسی وقت طلوع ہوگا جب کہ اسلام کا قانون عدل شخصی و اجتماعی اور حکومتی سطح پر زندگی میں نافذ نہیں ہوگا۔

نعت شریف

علیم صبا نویدی

نعتِ نورِ محمّدی لکھنا
روحِ احساسِ زندگی لکھنا

دونوں عالم پہ ہے مسلّط آج
رحمتِ شمعِ انوری لکھنا

تھام کر دامنِ شکیبائی
دل پہ درسِ پیمبری لکھنا

ذکرِ محبوبِ کبریا کے بعد
جسم و جاں خاتم النبیؐ لکھنا

سجدہ زن آنکھ ہے مگر مشکل
منظرِ دیدِ احمدیؐ لکھنا

میرے افکار کے کفن پہ صبا
مصطفائیؐ درود ہی لکھنا

☆ مولانا مولوی حافظ ابو النعمان بشیر الحق قادری لطیفی ایم اے ☆

اسلام کی لغت میں صدقہ کا لفظ بہت معروف اور مشہور ہے۔ اس کے معنی و مفہوم میں بڑی وسعت و تنوع اور گہرائی و گیرائی ہے۔ اور اس کا اطلاق خیر و بھلائی اور فلاح کی ساری انواع و اقسام پر ہوتا ہے۔

صدقہ دنیا کی زندگی میں خیر و برکت، عزت و رفعت، محبوبیت و مقبولیت، صحت و سلامتی، عمر کی درازی، گناہوں کی صفائی، اور سوءِ خاتمہ سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اور قبر کی زندگی میں عذاب و عقاب سے تحفظ اور اجر و ثواب کا باعث ہے اور میدانِ حشر میں آدمی کے سر پر سایہ بن کر نمودار ہوگا اور آخرت کی دائمی زندگی میں قربِ الٰہی، رضائے الٰہی اور جنت کی لازوال نعمتوں کے حصول و یافت کا سبب ہوگا۔

قرآن اور احادیث میں صدقہ کی ترغیب و تحریص اور اس کے گوناگوں فوائد و برکات اور فضائل و تاثیرات کو مختلف انداز اور اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ صدقہ کا لفظ قرآن میں زکوٰۃ کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ توبہ میں یہ تفصیل پیش کی گئی ہے کہ زکوٰۃ کن کن لوگوں میں تقسیم کرنی چاہیے اور اس حدیث میں بھی زکوٰۃ پر صدقہ کا اطلاق ہوا جس میں ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اِنَّ رسولك زعم ان علینا صدقۃ من اموالنا قال له صلی اللہ علیہ وسلم صدق۔

صدقہ و زکوٰۃ میں فرق ہے۔ زکوٰۃ واجب

کے لیے بقدر نصاب مال کا موجود ہونا ضروری ہے اور اس پر حولان حول یعنی ایک سال کا مکمل ہونا ضروری ہے لیکن صدقہ کیلئے اس قسم کی کوئی قید اور شرط نہیں ہے۔ صدقہ سے مراد ایسی چیز ہے جو اللہ کی راہ میں اللہ کے حکم سے دی جاتی ہے۔ صدقہ واجب بھی ہوتا ہے اور نفل و تطوع بھی ہوتا ہے۔ صدقۂ نافلہ میں تعینات بھی ہیں اور یہ تعینات شریعت مطہرہ کے موافق بھی ہوتے ہیں اور موافق نہیں بھی ہوتے ہیں۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

صدقہ کا لفظ "رمح صدق" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنے ہیں "سخت نیزہ" اس میں معنوی مناسبت یہ ہے کہ دوسروں کو مال و دولت اور اشیاء کا دینا۔ آدمی کے نفس پر سخت گراں ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو صدقہ کہتے ہیں۔ ایک اور قول یہ ہے کہ صدقہ صدق سے ماخوذ ہے اور یہ دعویٰ صحت ایمان میں آدمی کے صدق پر دلالت کرتا ہے اور اس لیے اس کو صدقہ کہتے ہیں۔

صدقہ کے اندر تطہیر اور نماء برکت کا معنی و مفہوم بھی موجود ہے۔ کیوں کہ وہ آدمی کے گناہوں کو پاک و صاف کرتا ہے اور اس کے اموال میں برکت اور ترقی عطا کرتا ہے۔

صدقہ کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ اموات کے لیے بھی نفع بخش ہوتا ہے اور یہ اہلِ سنّت و جماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ زندوں کے صدقات اور اُن کی دعاؤں سے وفات یافتگان مستفیض ہوتے ہیں۔ چناں چہ علّامہ تفتازانی "شرح عقائد نسفی" میں لکھتے ہیں:

"زندوں کی دعاؤں اور صدقات و خیرات میں اموات کے لیے اجر و ثواب ہے۔ اس مسئلہ میں فرقۂ معتزلہ کا اختلاف ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ قضا و قدر میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اور ہر شخص اپنے کسب اور عمل کا مرہون ہے اور ہر ایک کو صرف اسی کے عمل کی جزا دی جائے گی۔ نہ کہ دوسرے شخص کے عمل کا بدلہ۔ لیکن ہم اہلِ سنت و جماعت کا استدلال یہ ہے کہ صحیح احادیث میں اموات کے لیے دعا کرنے کا حکم موجود ہے اور بالخصوص نماز جنازہ میں میّت کے حق میں دُعا کرنے کی تاکید آئی ہوئی ہے۔ اور اس پر سلف کا عمل توارث اختیار کر گیا ہے اگر اس عمل میں اموات کے لیے کوئی نفع نہ ہوتا تو یہ حکم اپنے اندر کیا معنی رکھتا ہے۔؟

ایک شخص کے عمل کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچنے کے مسئلہ میں جن حضرات نے

منفی موقف اختیار کر رکھا ہے اس کی اصلاح اور تردید کے لیے استاذِ محترم حضرت مولانا سید حمید اشرف کچھوچھوی نور اللہ مرقدہٗ خواہر زادہٗ حضور محدّثِ اعظم ہند علیہ الرحمہ کا یہ بیان یہاں نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ غیر کے اعمال کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں پہنچتا کیوں کہ قرآن میں آیا ہے: لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت یعنی ہر نفس کے لیے نفع مند وہی اعمال خیر ہیں جو اس نے خود کیا ہے۔ کسی کے لیے ضرر رساں بھی وہی اعمالِ بد ہیں جس کا ارتکاب اس نے خود کیا ہے۔ کسی غیر کے اعمالِ خیر اور اعمالِ بد کی جزا اور سزا کسی دوسرے کو پہنچنا خلافِ عقل بھی ہے اور خلاف عدل بھی۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب احادیث سے ایصال ثواب کا ثبوت ہے تو عقل کا فیصلہ کوئی چیز نہیں۔ مومن کی شان یہی ہے کہ جب شرع کا فیصلہ ان پر ظاہر ہو جائے تو وہ سرِ تسلیم خم کردیں اور کہیں سمعنا واطعنا۔

عقل کا حکم وہاں معتبر ہے جہاں شرع کی مخالفت نہ ہو، ورنہ وہ حکم لائق التفات و اعتبار نہیں بلکہ مردود اور باطل ہے مخالفین کی پیش کردہ آیات کی معانی و مطالب کے بیان میں مفسرین کرام نے مختلف توجیہیں پیش کی ہیں۔

اوّل یہ کہ ان آیات میں لام تملیک کا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے لیے قابلِ بھروسہ اور اس کی ملکیت صرف اپنے ہی اعمال ہیں۔ دوسرے کا عمل قابلِ بھروسہ نہیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ آیاتِ مذکورہ میں بدنی اعمال میں نیابت کی نفی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز اور روزہ ادا کرے تو اس دوسرے شخص کے ذمہ سے نماز اور روزہ ساقط نہ ہوگا بلکہ اس کے ذمہ بدستور واجب الادا رہے گا۔ لیکن (نفل) نماز و روزہ کا ثواب دوسرے کو بخشا جاسکتا ہے۔ البتہ عبادت بدنی (فرض) میں نیابت جائز نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص بذاتِ خود ادا کرنے ہی سے اس کا فریضہ ادا ہوگا یہی وجہ ہے کہ آیت میں سعی و کسب کا ذکر ہے جس کا تعلق ہر شخص کی اپنی اپنی ذات سے ہے۔ ہبہ یا ایصال ثواب ذکر نہیں ہے کہ

اس کی نفی لازم آئے گی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کے عدل کا بیان ہے کہ عدل وانصاف کا مقتضا تو یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنے اپنے اعمال ہی کی جزا ملے۔ لیکن دوستوں کے اعمال کا جو اسے فائدہ پہنچتا ہے، یہ اللہ جل شانہٗ کا فضل وکرم ہے۔ ظلم نہیں۔ وہ مالک ہے جس طرح چاہے اپنے بندہ کو نوازے اس میں کسی کو چون وچرا کرنے یا دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی سفارش سے میدانِ حشر میں بہت سے گنہ گار بندوں کی بخشش ہوگی۔

اس مسئلہ کی تشریحات اور توضیحات

مختلف زاویۂ فکر سے ان علمائے کرام مثلاً امام ربانی مجدد الف ثانی، امام نووی رح، حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی، مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی، مولانا شاہ اسحاق محدث دہلوی، مجدد جنوب حضرت قطب ویلور رحمہم اللہ تعالےٰ کی تحریروں میں موجود ہیں جن کا ترجمہ اور خلاصہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ جس کے مطالعہ سے عوام وخواص میں پائے جانے والے افراط وتفریط اور غلو و تعصب کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

مولانا شاہ اسحاق دہلوی "مسائلِ اربعین" کے **تیسویں۳۰ مسئلہ** میں فرماتے ہیں:۔

"حنفی علماء کے نزدیک عبادتِ بدنی اور عبادتِ مالی دونوں کا اجر وثواب اموات کو پہنچتا ہے۔ چناں چہ "ہدایہ" میں مرقوم ہے "اہل سنّت وجماعت کے نزدیک جائز ہے کہ ایک شخص اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے شخص کو پہنچا دے۔ جیسے نماز وروزہ، صدقہ خیرات وغیرہ....""

امام نووی رح "شرح مسلم" میں فرماتے ہیں:

"صدقہ کا ثواب میّت کو پہنچنے میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور یہ موقف صحیح ودرست ہے۔ بعض لوگوں نے یہ جو کچھ کہا ہے کہ میّت کو صدقہ کا ثواب نہیں پہنچتا یہ بالکل غلط ہے اور یہ موقف قرآن وحدیث اور اجماعِ امّت کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس قول پر ہرگز اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔"

امامِ ربانی مجدد الف ثانی رح مکتوبات کی پہلی جلد کے ۱۰۴ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں:

"مصیبت کسی شخص کے انتقال پہ نہیں ہے بلکہ انتقال کرنے والے کی حالت پہ

ہے کہ اب اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ دعا واستغفار اور صدقہ کے ذریعہ اس کی مدد کرنی چاہیے۔ کیوں کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا

"قبر میں میّت کی حالت ایک ڈوبنے والے شخص کی طرح رہتی ہے۔ جو ہر لمحہ کسی کی مدد کا طلب گار رہتا ہے۔ اسی طرح مُردہ بھی والدین بھائی، دوست و اقارب کی دُعا کا منتظر رہتا ہے۔ جب اُس کو دُعا پہنچتی ہے تو یہ چیز اس کے نزدیک دُنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور اللہ تعالےٰ اہلِ زمین کی دُعا سے اہلِ قبور پہ پہاڑوں کے مانند رحمت نازل فرماتا ہے بے شک زندوں کی جانب سے اموات کے لیے بہترین ہدیہ یہ ہے کہ اُن کی مغفرت کے لیے دعا کی جائے۔

مجدّدِ جنوب حضرت قطبؒ ویلور فصل الخطاب فرماتے ہیں:

"اس مقام پہ یہ حقیقت جان لینی چاہیے کہ صدقہ سے مراد ایسی چیز ہے جو اللہ کی راہ میں اللہ کے حکم سے دی گئی ہوتی ہے بعض لوگ اس مسئلہ میں بہت غلو کرتے ہیں اور فرقۂ معتزلہ کی طرح بطورِ اعتراض یہ کہتے ہیں کہ مُردوں کے لیے ایصالِ ثواب تو کرتے ہو، ایصالِ عذاب کیوں نہیں کرتے۔ یہ بھی عجیب تماشا ہے کہ بعض لوگ معتزلہ کی طرح مردوں کے لیے ایصالِ ثواب کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اہل سنّت وجماعت سے ہونے کا دعویٰ بھی ترک نہیں کرتے۔ کبھی یہ حکم دیتے ہیں کہ مُردوں کو عبادتِ بدنی کا ثواب نہیں پہنچتا اور اس اجتہاد کے باوجود اپنے مقلد ہونے اور حنفی ہونے کا دعویٰ بھی ترک نہیں کرتے۔"

صدقات میں تعیّنات مشروع بھی ہیں اور غیر مشروع بھی ہیں۔ (مشروع جائز امر جو موافق شرع شریف کے ہو۔) مستحب یہ ہے کہ کسی شخص کے انتقال کے بعد سات روز تک اس کی جانب سے صدقہ کرنے سے میّت کو اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور اس مسئلہ میں اہلِ علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مصنف "زاد الآخرت"، "شرح برزخ اور "کنز العباد" کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"مومن کے لیے قبر کی آزمائش اور فتنہ سات دن تک ہے اور گناہ گار کے لیے چالیس روز تک ہے۔ اگر میّت کے

گھر والے صاحبِ مال اور صاحبِ استطاعت ہوں تو چالیس روز تک ایصالِ ثواب کی نیت سے میت کے حق میں صدقہ کرتے رہیں اور اگر صاحبِ استطاعت نہ ہوں تو سات دن تک صدقہ کرتے رہیں ورنہ کم از کم تین دن تک ضرور صدقہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔"

مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی "صراطِ مستقیم" کے دوسرے باب میں فرماتے ہیں:

"ہر وہ عبادت جو مسلمان سے ادا ہو اور اس کا ثواب وفات یافتہ اشخاص میں سے کسی کی روح پہ پہنچائیں تو یہ فعل خود اپنی جگہ معتبر اور مستحسن ہے اور ایصالِ ثواب کا طریقہ بارگاہِ الٰہی میں دعائے مغفرت ہے اور وہ شخص جس کی روح پر ایصالِ ثواب کیا جا رہا ہے اگر وہ اہلِ حقوق میں شامل ہے تو اس کے حق کی مقدار میں اس ثواب کا پہنچانا مستحسن اور ثواب کی زیادتی کا باعث ہو گا۔ لہٰذا عرس و فاتحہ اور اموات کی نذر و نیاز کے مراسم کا اس قدر درست اور ٹھیک ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اوقات کا تعین اور کھانے کی قسم اور اس کی وضع اور کھانے والے یہ تمام امور قباحت سے خالی نہیں ہیں۔"

حضرت قطبِ ویلور "فصل الخطاب" میں تعینِ صدقات کی مشروعیت اور غیر مشروعیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"سالانہ صدقہ کی تعین میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے یاتی قبور الشھداء علی راس کل حول کی حدیث کی رُو سے روزِ وفات کی تخصیص کو مستحسن قرار دیتے ہوئے سالانہ صدقہ کی تعین کو جائز قرار دیا ہے۔ چناں چہ شیخ الہند مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی ما ثبت بالسنۃ فی الایام والسنۃ میں ماہِ ربیع الثانی کے بیان میں فرماتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ہمارے شہروں میں جو عرفِ عام ہے کہ مشائخ کرام کی وفات کے ایام میں عرس مناتے ہیں اس کی کوئی شرعی بنیاد ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے اپنے شیخ امام عبدالوہاب المتقی المکی سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے یہ جواب دیا۔

یہ چیز مشائخ کرام کے طریقوں اور اُن کی عادات و اطوار سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کے اندر ان کی نیتیں اصل ہیں۔

پھر میں نے سوال کیا کہ تمام ایام کو چھوڑ کر وفات ہی کے دن کی تخصیص کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے؟

اس پر انھوں نے جواب دیا: ضیافت تو علی الاطلاق سنّت ہے۔ لہٰذا یوم کی تخصیص سے قطع نظر کر لیجیے۔ اس کے لیے اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ جیسے نمازوں کے بعد بعض مشائخ کرام کا مصافحہ کرنا۔ بے شک مصافحہ سنّت ہے لیکن تخصیص کی وجہ سے بدعت ہے۔ اس قسم کی چیزیں سلف صالحین کے زمانہ میں نہیں تھیں، بلکہ یہ متاخرین کے مستحسنات ہیں۔ اگر یوم کی تخصیص و تعیّن وقتِ دعا کی یادداشت کے لیے ہے تو مکروہ نہیں ہے۔ لیکن اسی کو لازم کر لینا بدعت ہے۔ چناں چہ مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی ایک سائل کے جواب میں فرماتے ہیں:

زیارتِ قبور کے لیے دنِ معیّن اور مخصوص کرنا بدعت ہے اور اصل زیارت جائز ہے وقت کی تعیّن اور تخصیص اگر آسانی کے واسطے ہو یا یادداشت کی خاطر ہو یا تعیّن سے قطع نظر ہو اور اس میں موجب ثواب یا ثواب میں زیادتی کا اعتقاد نہ ہو تو تعیّن اور تخصیص میں کراہت نہیں۔

صدقہ آدمی کو تفکرات، غموں، بلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھتا ہے اور بیماریوں سے شفاء دیتا ہے اور ناگہانی موت اور سوء خاتمہ سے بچاتا ہے اور عمر میں اضافہ کرتا ہے۔ چناں چہ ترغیب وترہیب" "کنز العمال، احیاء العلوم، مشکوٰۃ شریف میں وارد احادیث کا ترجمہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے جن سے صدقہ کے یہ متعدد گوشے نمایاں ہو سکتے ہیں۔

۱۔ اپنے اموال کو زکوٰۃ ادا کر کے پاک وصاف کرو اور اپنے مریضوں کا علاج صدقہ سے کرو اور بلاؤں و مصیبتوں کو صدقہ سے دور کرو۔

2۔ اپنے رنج وغم اور فکر و پریشانی کو صدقہ سے دُور کرو۔ علی الصباح صدقہ دیا کرو۔ اس لیے کہ صدقہ بلا کو قریب آنے نہیں دیتا۔

3۔ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور بُری موت سے بچا لیتا ہے۔

4۔ صدقہ خطاؤں کو ایسا بجھاتا ہے جیسا پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔

5۔ مریضوں کا علاج صدقہ سے

کرو کیوں کہ صدقہ بیماریوں کو دور کر دیتا ہے اور آبروریزیوں کو ختم کرتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے اور عمر بڑھاتا ہے۔

عبداللہ بن مبارک کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کرنے لگا کہ میرے گھٹنے میں ایک زخم ہے۔ سات سال سے ہر قسم کا علاج کروا رہا ہوں، کسی سے فائدہ نہیں ہوا۔ عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: جس علاقہ میں پانی کی قلت اور تکلیف ہو وہاں ایک کنواں بنوا دو۔ انشاء اللہ تمہارے گھٹنے کا زخم اچھا ہو جائے گا۔ چناں چہ اس آدمی نے حکم کی تعمیل کی اور اس کا زخم چنگا ہو گیا۔

حضرت ابوعبداللہ حاکم کے چہرہ پر ایک زخم ہو گیا تھا۔ ایک سال تک علاج کروایا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ایک روز حضرت ابوعثمان صابونی سے صحت کے لیے دعا کی درخواست کی۔ انھوں نے بہت دیر تک دعا فرمائی۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ دوسری جمعہ میں ایک خاتون آئی اور مجلس میں ایک پرزہ پیش کیا جس میں لکھا تھا میں اپنے گھر میں حاکم کے لیے بہت دیر دعا کرتی رہی۔ اس اثنا میں آنکھ لگ گئی خواب میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے اور فرمایا۔ حاکم سے کہہ دو کہ اللہ کی مخلوق پر پانی کی وسعت کرے۔ چناں چہ انھوں نے پانی کی سبیل قائم کر دی۔ اس کے بعد خود بخود ان کا زخم اچھا ہو گیا۔

صدقہ سے بیماریوں کے زائل ہونے والی مثالیں بکثرت موجود ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ صدقہ سے آدمی کو صحت و شفا ملتی ہے۔ مذکورہ واقعات میں پانی کی وسعت اور کنواں کھدوانے کی بات ہے۔ اس سے پانی کا صدقہ کرنا ہی مراد نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جو اللہ کی مخلوق کو ضرورت ہے اس کا صدقہ دینا چاہیے۔

مذکورہ حدیثوں میں صدقہ کا ایک پہلو یہ واضح ہو رہا ہے کہ وہ آدمی کی عمر کو بڑھا دیتا ہے حالاں کہ قرآن میں آدمی کی موت کا وقت مقرر ہے جس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی تو پھر اس حدیث کی تشریح اور تطبیق کیا ہو سکتی ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ انسان کی موت کا وقت اس کی لکھی گئی تقدیر کے ساتھ منسلک ہے۔ لہٰذا یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ آیا کسی

شخص کی تقدیر میں تبدیلی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کی تقدیر بدل سکتے ہیں یا نہیں؟

اس کا حل قرآنِ کریم کی آیت طیبہ پیش کر رہی ہے: یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب: اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے باقی رکھتا ہے۔ اصل کتاب اسی کے پاس ہے۔ ام الکتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ جس میں ہر انسان کی زندگی میں پیش آنے والے احوال و واقعات کو اللہ تعالیٰ نے ایک مناسب شکل و صورت اور قدر کے ساتھ موجود رکھا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:
ہر انسان کی عمر اور اس کا رزق متعین و مقرر ہے اور اس کے سعادت مند ہونے یا بدبخت ہونے کا فیصلہ بھی ہو چکا ہے تاہم اللہ تعالیٰ نوشتۂ تقدیر (لوحِ محفوظ) میں سے جو چاہیں مٹا سکتے ہیں اور جو چاہیں باقی رکھ سکتے ہیں۔

حضرت ابنِ عباسؓ کی اس تفسیر کی تائید ان آیات مثلاً ان اللہ یحکم مایرید وانہ علی مایشاء قدیر سے ہوتی ہے اور یہ احادیث بھی وضاحت کر رہی ہیں: لا یرد القضاء الا الدعا ولا یزید العمر الا فی برالوالدین یعنی قضا و قدر کو کوئی چیز بدل نہیں سکتی لیکن دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے۔ عمر میں اضافہ نہیں ہوگا۔ لیکن والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی وجہ سے عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ومن احب ان یبسط لہ فی رزقہ وینسأ فی اثرہ فلیصل رحمہ: جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی اور وسعت ہو اور اس کے قدم کے نشان زمین پر پڑتے رہیں تو اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔

یہ حقیقت ہے کہ جس آدمی کی عمر جتنی زیادہ ہوگی اسی قدر زیادہ زمانے تک اس کے قدموں کے نشان زمین پر پڑتے رہیں گے اور اس کے مرنے کے بعد نشاناتِ قدم بھی مٹ جاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ قدموں کے نشانات میں تاخیر کئے جانے سے مراد عمر کی درازی ہے۔

بعض اہلِ قلم کے نزدیک عمر کی درازی

سے خیر و برکت مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ صلۂ رحمی کرنے والے شخص کی عمر میں اس قدر برکت عطا فرماتا ہے کہ جو کام دوسرے لوگ سالوں اور مہینوں میں کرتے ہیں وہ کچھ ہی دنوں میں کرلیتا ہے اور اس کے تمام امور و معاملات میں خیر و برکت اور بھلائی عطا فرماتا ہے۔ چناں چہ بعض اہلِ دل علماء کے تصنیفی کارنامے اور دیگر امور کی انجام دہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک فردِ واحد کا کام ایک بڑی جماعت بھی انجام نہیں دے سکتی

بعض اہلِ علم نے درازیٔ عمر سے ذکرِ خیر مراد لیا ہے کہ اس شخص کے دُنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی اس کا ذکرِ خیر لوگوں کی زبانوں پہ جاری و ساری رہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کے ولی اور نبی کا ذکر۔

بعض اہلِ علم نے درازیٔ عمر سے اصل عمر ہی میں زیادتی مراد لی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور فضل و کرم کا نتیجہ ہے چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ملک الموت عزرائیل علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نوجوان آیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس خوب صورت و نیک سیرت نوجوان کی بڑی تعریف و توصیف کی۔ یہ سُن کر حضرت عزرائیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ کا یہ ارشاد درست ہے لیکن اب نوجوان کی عمر پُوری ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا ہے کہ سات دن گزرنے کے بعد اس کی روح قبض کرلی جائے گی۔ اس نوجوان کی موت کی خبر سُن کر داؤد علیہ السلام کو بڑا صدمہ اور رنج ہوا۔ ایک ہفتہ گزرنے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے دیکھا کہ وہی نوجوان زندہ اور صحیح و سلامت ان کے پاس آرہا ہے تو انھیں بڑا تعجب ہوا۔ پھر دل ہی دل میں سوچا کہ شاید مجھے سننے میں غلطی ہوی ہوگی۔ حضرت عزرائیل نے سات ماہ یا سات سال کہا ہوگا۔

پھر جب حضرت عزرائیل سے حضرت داؤد علیہ السلام کی ملاقات ہوی۔ ملک الموت نے داؤد علیہ السلام کو بتلایا کہ اس نوجوان کی عمر فی الواقع ایک ہفتہ ہی تھی۔ لیکن اس نے موت سے ایک دن قبل فقراء اور مساکین پر صدقہ کیا۔ فقراء نے اس کے لیے دُعا کی جس کی برکت سے اللہ نے اس کی سات دن کی عمر کو سات سال

سے بدل دیا۔ ان اللہ یحکم ما یرید: اللہ تعالیٰ جو ارادہ فرماتے ہیں حکم صادر فرماتے ہیں۔ وھو علی کل شیئ قدیر: وہ ہر شئے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہے کہ صدقہ دعا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وجہ سے آدمی کی عمر میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ آدمی کی تقدیر بعض اعمال کی وجہ سے بدل سکتی ہے۔ اور رہ گئی یہ بات قلم تو سو کھ چکا ہے اور تقدیر میں کوئی تبدیلی نہیں۔

اس کی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ تقدیر دو طرح کی ہے۔ ایک تقدیر معلق اور دوسری تقدیر مُبرَم۔ تقدیر معلق کے اعتبار سے تبدیلی ممکن ہے اور تقدیر مُبرم کے اعتبار سے تبدیلی نہیں ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ فرشتوں کے علم کے اعتبار سے تبدیلی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں عمل کی وجہ سے بندہ کی عمر میں اضافہ ہو گیا۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی سے اس کی عمر مشروط تھی کہ اگر بندے نے فلاں عمل کیا تو اس کی مقررہ عمر میں اضافہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقدیر میں کوئی حکم کسی خاص شرط کے ساتھ معلق ہوتا ہے جب وہ شرط نہ پائی جائے تو یہ حکم بھی نہیں رہتا۔ اور پھر یہ شرط تحریر میں لکھی ہوئی فرشتوں کے علم میں ہوتی ہے اور نہیں لکھی ہوئی بھی ہوتی ہے۔ اس لیے جب کسی حکم یا واقعہ میں تبدیلی ہوتی ہے تو حیران رہ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو یہ بھی علم ہے کہ بندہ وہ عمل کرے گا یا نہیں کرے گا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے علم کے لحاظ سے کوئی تبدیلی نہیں اور یہی تقدیر مُبرم ہے۔ اور فرشتوں کے علم کے اعتبار سے تبدیلی ہوگی اور یہی تقدیر معلق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب:

تقدیر کا مسئلہ انتہائی دقیق اور بہت ہی نازک ہے لہذا ہمیں یہ ایمان اور اعتقاد رکھنا چاہیے کہ جو بھی ہماری زندگی میں پیش آچکا ہے اور پیش آنے والا ہے وہ قضا و قدر کی وجہ سے ہے اور اس مسئلہ پر غور و فکر اور بحث و گفتگو سے اجتناب کرنا چاہیے 'امنت بالقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ۔

صدقہ ایک ایسا عنوان ہے جس کے

تحت ایسے ایسے مسائل اور احکام بیان کئے گئے ہیں جو مومنانہ زندگی کا ایک حصہ اور ضروری جز ہے ۔ ذیل کی یہ حدیث ملاحظہ کیجیے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ ومن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یوذ جارہ ومن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیرا اولیصمت وفی روایۃ فلیصل رحمہ : (مشکوٰۃ)

نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالے پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ مہمان کا اکرام اور احترام کرے اور اپنے پڑوسی کو ایذا نہ پہنچائے اور اپنی زبان سے بھلی اور مفید بات نکالے ورنہ خاموشی اختیار کرے اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

مذکورہ حدیث میں چار احکام ہیں،

پہلا حکم مہمان سے متعلق ہے ۔ اس باب میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بڑی ہدایتیں اور تاکیدیں ہیں ۔ حتیٰ کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں جن باتوں کی وصیت فرمائی ان میں سے ایک وصیت یہ بھی شامل تھی کہ باہر سے آنے والے مہمانوں کا اکرام اسی طرح کیا جائے جس طرح کہ معمول نبویؐ رہا ہے ۔ موجودہ زمانے میں معاشی مسائل اور معاشرتی ضروریات اور بڑی ہوئی مشغولیات و مصروفیات کے باعث مہمان داری و مہمان نوازی کے جذبات سرد ہوتے چلے جارہے ہیں ۔ حالاں کہ مہمان نوازی ایمانیات سے جڑی ہوئی چیز ہے جس سے پہلوتہی کرنا غیر ایمانی کیفیت اور علامت ہے ۔ مہمان اپنے ساتھ دو چیزیں لے آتا ہے ۔ ایک قسمت اور دوسری برکت ۔ قسمت یعنی اپنا مقسوم تو کھا لیتا ہے اور میزبان کے لیے برکت چھوڑ جاتا ہے

شرح الکعبی فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

مومن کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے ۔ مہمان کا جائزہ ایک دن رات ہے اور مہمان نوازی تین دن ہے اور اگر اس سے بڑھ کر مہمان نوازی کی گئی تو یہ کارِ ثواب اور صدقہ ہے اور مہمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن سے بڑھ کر قیام

اور میزبان کو مشقت میں ڈال دے۔

اس حدیث میں جائزہ کا لفظ ہے جس کے تعلق سے امام مالکؒ کی وضاحت یہ ہے کہ مہمان کے اعزاز و اکرام میں ایک دن کے لیے کھانے پینے کی چیزوں کا خصوصی انتظام کرے اور کوئی تحفہ بھی پیش کرے اور باقی دو دنوں میں اپنی عادت اور اپنے گھریلو معمول کے مطابق کھانے پینے کی چیزیں پیش کرے۔

مہمان اور میزبان دونوں سے متعلق کچھ آداب اور تقاضے ہیں جن کا پاس ولحاظ رکھنا اخلاق اور شرافت ہے۔ مثلاً مہمان کا استقبال کشادہ روئی اور خندہ جبینی کے ساتھ کرنا چاہیے سلام اور خیریت پرسی کے بعد کچھ دیر کے لیے اپنے مہمان سے علاحدہ ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنی ضروریات سے فارغ ہو سکے اور آرام کر سکے۔ اور اس کے کھانے پینے کی چیزوں کا اہتمام اور انتظام مخفی طور پر کرنا چاہیے اور اپنی استطاعت کے مطابق جہاں تک ہو سکے اس کے کھانے پینے رہنے سہنے کا انتظام کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ کھانے میں اُسے دسترخوان پر شریک رہنا چاہیے اور اس کے کھانے کا حکم اور بے جا اصرار نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کے ذوق ومزاج اور عادت پر چھوڑ دینا چاہیے اور اس کے سیراب ہو کر کھانے سے خوش اور مسرور ہونا چاہیے اور اس کے نہ کھانے پر مغموم ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ تھوڑی دیر دل لبھانے والی مفید گفتگو کرنا چاہیے اور اس احوال و کوائف ہمدردی کے ساتھ سننا چاہیے۔ اور اگر اتفاقاً اس کے ساتھ کوئی اہانت آمیز واقعہ پیش آجائے تو مہمان کی جانب سے مدافعت کرنا چاہیے اور اس پر آنے والی مصیبت کو دور کرنا چاہیے۔

مہمان کا فریضہ ہے کہ وہ تین دن سے بڑھ کر قیام نہ کرے۔ اور میزبان سے کھانے پینے کی چیزوں میں بے جا اور بے ضرورت فرمائش نہ کرے اور اس کے لیے تکلیف دہ مسائل پیدا نہ کرے اور اس کی میزبانی و مہمان داری کا شکریہ ادا کرے اور اس کے حق میں دعاے خیر کرتا ہوا رخصت ہو جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے۔ اور عموماً مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ قرآنِ کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے مہمانوں اور آپ کی مہمان نوازی کی اداؤں

کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے:

هل اتٰك حديث ضيف ابراهيم المكرمين. اذ دخلوا عليه فقالوا سلامًا قال سلٰم قوم منكرون فراغ الى اهله فجاء بعجل سمين فقربه اليهم قال الا تاكلون. فاوجس منهم خيفة قالوا لا تخف وبشروه بغلام عليم. (ذاریات)

دوسرا حکم پڑوسی کے بارے میں ہے۔

ہمسایہ اور پڑوسی وہ ہیں جو ایک دوسرے کے قریب رہتے بستے ہیں۔ اس تغیر پذیر اور مسائل سے بھری دنیا میں ہر آدمی ایک دوسرے کی مدد کا محتاج رہتا ہے۔ ہر کسی کو کسی بھی وقت کسی ضرورت کا پیش آنا ایک یقینی امر ہے۔ ایسے موقعہ پر اس کی مدد کے لیے جو شخص سب سے پہلے پہنچ سکتا ہے اس کا ہمسایہ اور پڑوسی ہے۔ احادیث کے ذریعہ پڑوسی کے تعلق سے جن امور اور مسائل کی نشان دہی ہوتی ہے وہ یہ ہیں:

پڑوسیوں اور ہمسایوں کے ساتھ خوش گوار تعلقات قائم رکھنا چاہیے اور ایک دوسرے کی خوشی کی تقریبات میں شرکت کرنا چاہیے اور حاجات وضروریات میں ایک دوسرے کا تعاون کرنا چاہیے۔ کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرنی چاہیے۔ ایک دوسرے کے مال واسباب اور عزت وآبرو کی حفاظت کرنی چاہیے۔ اور آپس میں لین دین اور تحفہ وتحائف کا سلسلہ قائم رکھنا چاہیے۔ کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ میں شریک ہونا چاہیے۔

نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات ملاحظہ ہو:

حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں اس قدر تاکید وہدایت فرماتے تھے کہ میں یہ گمان کرنے لگا کہ پڑوسی کو جائیداد میں وارث بنا دیا جائے گا۔ خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں اور تکلیفوں سے محفوظ و مامون نہیں۔

- جو شخص خدا اور آخرت پر ایمان و یقین رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی تعظیم وتکریم کرے اور اسے کوئی ایذا وتکلیف نہ پہنچائے۔
- وہ شخص مومن نہیں جو خود سیر ہو اور

اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا اور پیاسا رہے۔

• چوری حرام ہے۔ لیکن دس گھروں میں چوری کرنے سے بڑھ کر یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے پڑوسی کے گھر میں چوری کرے۔ زنا حرام ہے لیکن دس بدکاریوں سے بڑھ کر بدکاری یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

• نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پابندِ صوم وصلوٰۃ خاتون کا یہ حال بیان کیا گیا کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا وہ دوزخ میں داخل ہوگی۔

• عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! ہمارے دو پڑوسی ہوں ان میں سے کس کو ہدیہ بھیجنا چاہیے؟ فرمایا: تمہارے دروازے سے جو قریب ہے۔

پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک اور ایذا رسانی سے اجتناب کرنے کے بارے میں شریعت میں مسلمان اور غیر مسلمان کا کوئی فرق وامتیاز نہیں ہے۔ سب کے ساتھ اخلاقِ کریمانہ سے پیش آنے کی ہدایت موجود ہے اور خود نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلم ہمسایوں کے ساتھ شریفانہ سلوک فرماتے تھے اور ان کی عبادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور حضرات صحابہ بھی اسی روش پر گامزن تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مرتبہ بکری ذبح کی اور اس کا گوشت وسالن اپنے پڑوسیوں میں تقسیم کیا تو اس موقعہ پر گھر والوں سے دریافت کیا کہ ہمارے یہودی پڑوسی کے گھر بھی بھیج دیا گیا ہے۔

پڑوسی کے ساتھ نیکی اور حسنِ سلوک کی ترغیب وتحریص دلانے کے ساتھ ساتھ اس پہلو کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ اگر کوئی پڑوسی ایذا رسانی وتکلیف دہی اور بداخلاقی وبدسلوکی کا مظاہرہ کرے تو بھی اس کے ساتھ بدسلوکی نہ کرنا چاہیے بلکہ جہاں تک ہوسکے صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے اس کی ایذا اور تکلیف اور شر سے تحفظ کی راہ ہموار کرنی چاہیے۔ نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پیکرِ خلقِ عظیم بھی بُرے پڑوسیوں کی شرارتوں اور تکلیفوں سے محفوظ نہ رہ سکی لیکن آپؐ نے ہمیشہ بدسلوکی کا جواب

خوش اخلاقی کے ساتھ دیا اور یہی تعلیم اپنے اصحاب
اور پوری اُمت کو دی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا بیان ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنے پڑوسی کی شکایت
کرنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: واپس جاؤ اور صبر
سے کام لو۔

پھر دوبارہ جب وہ شخص آیا اور اپنے
پڑوسی کی شکایت کرنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا:
جاؤ! اپنے گھر کے سامان واسباب سڑک پر ڈال
دو۔ چناں چہ اس نے ایسا ہی کیا۔ لوگ اُدھر
سے گزرتے اور سبب پوچھتے اور معلوم ہونے پر
اس کے پڑوسی کی مذمت کرتے۔ آخر وہ پڑوسی اس
کے پاس آیا اور منت وسماجت کرتے ہوئے
کہنے لگا: خدا کے واسطے واپس چلو۔ مجھ سے
اب تمھیں کوئی شکایت اور تکلیف نہ ہوگی۔

اس ضمن میں امام اعظم ابوحنیفہ النعمان
کا کردارساز واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے۔

آپ کے پڑوس میں ایک موچی رہا
کرتا تھا۔ اس کی ہر رات بڑی رنگین ہوا کرتی
تھی۔ شام ہوتے ہی اس کے گھر میں دوستوں
کی محفل سجتی اور رات گئے تک شراب وکباب
اور گانے بجانے کا بازار گرم رہا کرتا تھا۔ اس
شور وشغف اور ہنگامہ کی وجہ سے امام صاحب
کے علمی مشاغل اور اذکار و عبادات میں
خلل اور حرج واقع ہوتا تھا۔ لیکن آپ
صبر وضبط سے کام لیتے تھے اور اپنے پڑوسی
کے خلاف کوئی اقدام نہیں فرماتے تھے۔

ایک روز امام صاحب نے اپنے ملاقاتیوں
سے پوچھا: کیا بات ہے کل کی شب ہمارے
پڑوسی کے گھر میں بڑی خاموشی چھائی رہی۔

لوگوں نے بتلایا: پولس نے اُسے
گرفتار کرلیا ہے اور وہ اس وقت قید
میں پڑا ہوا ہے۔ یہ سن کر امام صاحب محکمہ
پولیس تشریف لے گئے اور اپنی ضمانت
پر پڑوسی کو رہا کروا لیا۔ جب وہ اپنے گھر
پہنچا تو آپ بھی اس کے گھر تشریف لے گئے
اور مسکراتے ہوئے فرمایا:

کیوں صاحب ہم نے تو آپ کو ضائع
نہیں کیا! یہ جملہ امام صاحب نے اس لیے
فرمایا کہ وہ ہمیشہ نشہ کی حالت میں اشعار
پڑھا کرتا تھا کہ میں بڑے کام کا آدمی ہوں
لوگوں نے میری قدر نہیں کی اور مجھے ضائع
کردیا۔

امام صاحب کے حسن سلوک اور خیر خواہی کی وجہ سے اس شخص کے مزاج و منہاج اور کردار میں تبدیلی ہوتی چلی گئی اور وہ کچھ ہی عرصہ میں فسق و فجور اور گناہ و معصیت کی دنیا سے باہر نکل آیا۔

اس واقعہ کا نصیحت خیز پہلو یہ ہے کہ کوئی شخص مال و دولت، عزت و وجاہت عہدہ و منصب اور علم و فضل کی کتنی ہی بلندی پر پہنچ جائے وہ اپنے اُن ہمسایوں اور پڑوسیوں کے ساتھ جو حقیر پیشہ، بدکردار اور بے زر ہیں تعلقات قائم رکھنے کو اپنی کسرِ شان نہیں تصوّر کرنا چاہیے۔ اور اُن کے بُرے وقتوں میں اُن کا تعاون کرنے سے پہلو تہی نہیں کرنا چاہیے۔

موجودہ زمانے میں امام عالی مقام کے کردار کا نمونہ خال خال ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔

تیسرا حکم زبان سے متعلق ہے۔

انسان کو اللہ تعالےٰ کی جانب سے ملنے والی عظیم ترین نعمتوں میں ایک نعمت زبان ہے۔ یہ آدمی کے عیب و ہنر اور نقص و کمال کی ترجمان ہے۔ حضرت سعدی نے سچ کہا ہے۔

تا مرد سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

زبان کے خیر و شر کا دائرہ بے پایاں وسیع ہے اور اس کے اثرات بھی بڑے دُور رس اور اس کے نتائج بھی بڑے عمیق ہوتے ہیں۔ اس کی ایک جنبش سے ہزاروں فتنے اٹھ سکتے ہیں تو ایک خفیف اشارہ سے امن و سلامتی کی لہر دوڑ جاسکتی ہے۔ اس کے صحیح استعمال سے آدمی اللہ کی رحمت کا مستحق قرار پاتا ہے تو اس کے غلط استعمال سے عذاب الٰہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی یہی وہ غیر معمولی قوت و طاقت اور تاثیر تھی جس کی وجہ سے ہادیٔ عالم نے ارشاد فرمایا:

❁ مومن اپنی زبان سے صرف خیر و بھلائی کی بات کرے ورنہ سکوت اختیار کرے۔

❁ جس نے خاموشی اختیار کی وہ نجات پا گیا۔

❁ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آپہنچا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے ایسا عمل بتلایئے جس پر عمل کرکے جنّت میں جا سکوں۔

ارشاد فرمایا: بھوکے کو کھانا کھلاؤ، پیاسے کو پانی پلاؤ، لوگوں کو بھلائی کا حکم دو اور بری باتوں سے منع کرو۔ اگر یہ نہ کر سکو تو اپنی زبان کو بھلی باتوں کے علاوہ بولنے سے روکے رکھو۔

پ معاذ بن جبل رضؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا: آپ مجھے ایسے عمل کی ہدایت فرمائیے جو مجھے جنّت میں داخل کرے اور جہنم سے بچائے۔

آپ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اے معاذ! تم نے ایک امرِ عظیم کا سوال کیا ہے، یہ ان لوگوں کے لیے آسان ہے، جن کے لیے اللہ تعالےٰ یہ امر آسان کردے۔

آپ نے فرمایا:

- صرف اللہ تعالےٰ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ
- نماز ادا کرو۔
- زکوٰۃ دو۔
- رمضان کے روزے رکھو۔
- حج کرو۔

پھر آپؐ نے فرمایا: اے معاذ! کیا میں تمہیں ابوابِ خیر کی نشان دہی کروں۔

معاذؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ضرور فرمائیے!

ارشاد فرمایا:

- روزہ ڈھال ہے۔
- صدقہ گناہوں کو اس طرح ختم کردیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔
- آدھی رات کو بندہ کا نماز پڑھنا جب کہ ساری دنیا سو رہی ہو۔

اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی:

تتجافیٰ جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا ومما رزقنٰھم ینفقون۔ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعلمون۔

ان کے پہلو اپنے بستروں سے کنارہ کر لیتے ہیں۔ امید و بیم اور خوف و رجاء کے عالم میں اپنے رب کو پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔ کسی آدمی کو یہ علم نہیں ہے کہ اس کے اعمال کی جزا میں اس کے لیے کیا آنکھوں

کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے۔

پھر ارشاد فرمایا:

اے معاذ! کیا میں تم کو رأس الامر وعمودہ وذروۃ سنامہ نہ بتاؤں!

معاذ نے کہا: یارسول اللہ۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

رأس الامر اسلام یعنی خود کو اللہ کے سپرد کرنا۔

∴ اس کا ستون نماز ہے۔

∴ اور اس کی انتہائی بلندی جہاد ہے۔

پھر اس کے بعد نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے معاذ سے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ اصل اور بنیاد بتلاؤں جس پر یہ سب کچھ قائم ہے۔

معاذ نے عرض کیا: ہاں! یارسول اللہ

تو آپؐ نے اپنی زبانِ مبارک پکڑی اور فرمایا

کَفَّ علیکَ ھذا

اس کے ضرر سے خود کو بچاؤ

معاذ پوچھ بیٹھے: یارسول اللہ! کیا ہماری گفتگو اور کلام پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا

تو ارشاد فرمایا:

ثکلتک امک[1]: تیری ماں تجھ پر روے کیا لوگوں کو جہنم کی آگ میں ان کے منہ کے ڈھکیل دینے والی چیز ان کی زبان کے سوا اور کیا چیز ہے۔

معاذ بن جبل کی حدیث سے ایک بات یہ واضح ہوی کہ لوگ دوزخ میں زبان سے صادر ہونے والے گناہوں کی وجہ سے داخل ہوں گے۔ زبان سے صادر ہونے والی درجِ ذیل باتوں کو عموماً گناہ تصوّر نہیں کیا جاتا حالانکہ ان کے حرام ہونے کا ثبوت قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔ اور ان چیزوں میں ملوث ہونے پر آخرت میں مواخذہ اور سزا ہے۔

۱۔ جھوٹ۔	۲۔ جھوٹی گواہی۔
۳۔ غیبت۔	۴۔ چغلی۔
۵۔ گالی گلوچ۔	۶۔ سب وشتم۔

---

[1] عربی زبان کا یہ محاورہ ہے اگرچہ کہ لفظاً بددعا ہے لیکن اس سے مقصود بددعا نہیں بلکہ یہ جملہ عموماً اس وقت عربوں کی زبان نکل جاتا ہے جب کسی کو کوئی بات ناپسند ہو۔ یا اس کے ذریعہ یہ کہنا ہوتا ہے کہ تم کو ایسی بات نہیں کرنی چاہیے۔

۷۔ لعن طعن اور لعنت۔ ۸۔ نفاق یعنی دو رخی باتیں

۹۔ لا یعنی گفتگو۔ ۹۔ قول بے عمل۔

۱۰۔ بہتان و افتراء ۱۱۔ کسی بے گناہ پر تہمت باندھنا۔ ۱۲۔ لوگوں کو ایسے الفاظ اور ناموں سے پکارنا جن سے ان کو رنج و تکلیف پہنچے۔

۱۳۔ دو اشخاص اور لوگوں کے درمیان غلط فہمیاں اور شکوک و شبہات پیدا کرنا اور ان کے درمیان باہمی عداوت ڈالنا۔ ۱۴۔ لوگوں کے عیب بیان کرنا۔ ۱۵۔ کسی کا ذکر تحقیر و تذلیل سے کرنا۔

۱۶۔ غرور اور تکبّر کی باتیں کرنا اور جھوٹی شان ظاہر کرنا۔ ۱۷۔ کسی کا راز فاش کرنا۔

۱۸۔ استہزاء و تمسخر اور ٹھٹھول و مذاق کرنا جس سے کسی کے دل کو تکلیف پہنچے۔

۱۹۔ فریب دینا اور مغالطہ آمیز بات کرنا۔

۲۰۔ کلماتِ شرک کہنا۔ ۲۱۔ اللہ تعالیٰ پر تہمت باندھنا۔ ۲۲۔ رسولوں اور نبیوں کی شان میں گستاخانہ کلمات کہنا اور ان کی تکذیب اور انکار کرنا۔ ۲۳۔ سحر اور جادو کرنے کے لیے کلمات پڑھنا۔

زبان کو بے موقعہ اور بے محل اور بکثرت چلانے سے احتراز کرنے پر کمالِ ایمان کی علامت اور دخولِ جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

- من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ: جس آدمی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا اسلام صفتِ حسن سے متصف ہو تو اس کو چاہیے کہ لا یعنی گفتگو چھوڑ دے۔
- من حفظ لسانہ ستر اللہ عورتہ: جس آدمی نے اپنی زبان کی حفاظت کی اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی۔
- لا یبلغ المؤمن حقیقۃ الایمان حتی یخزن من لسانہ: آدمی اس وقت تک ایمان کی چاشنی اور حلاوت نہیں پاتا جب تک کہ وہ اپنی زبان پر قابو نہ رکھے۔
- اکثر الناس ذنوبًا اکثرھم کلامًا فیما لا یعنی: سب سے زیادہ گناہ گار شخص وہ ہے جو لا یعنی امور میں بہت باتیں کرتا ہے۔
- آدمی اپنی زبان سے ایک ایسا جملہ کہہ دیتا ہے جس میں وہ بظاہر کوئی گناہ نہیں پاتا، لیکن وہ اس جملہ کی وجہ سے دوزخ میں

چلا جاتا ہے۔

• عبداللہ بن عمر بن عاص کا بیان ہے کہ ایک شخص بارگاہِ نبوی ؐ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آدمی کو جنّت میں لے جانے والا عمل کون سا ہے؟ حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: سچ بولنا۔ کیوں کہ جب آدمی سچ بولتا ہے تو نیکی کے کام کرتا ہے اور جب نیک کام کرتا ہے تو وہ ایمان سے بھرپور ہو جاتا ہے اور جو ایمان سے بھرپور رہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

سائل نے پھر پوچھا: یا رسول اللہ! آدمی کو دوزخ میں لے جانے والا عمل کون سا ہے؟ ارشاد فرمایا: جھوٹ بولنا۔ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو گناہ کے کام کرنے لگتا ہے۔ جو گناہ کرے گا تو کفر کے دلدل میں پھنس جائے گا۔ اور جو کفر میں گرفتار ہوا وہ دوزخ میں جائے گا۔

• آدمی کو جہنم میں داخل کرنے والی چیز اس کی زبان اور شرم گاہ ہے۔

• حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں: من کثر کلامہ کثر سقطہ ومن کثر سقطہ کثرت ذنوبہ ومن کثرت ذنوبہ کانت النار اولیٰ بہ: لوگوں میں جو شخص بہت زیادہ باتیں کرتا ہے اس سے زیادہ لغزشیں اور خطائیں صادر ہوتی ہیں اور جس سے لغزشیں زیادہ ہوتی ہیں اس سے گناہ بھی زیادہ صادر ہوں گے اور جس سے گناہ زیادہ صادر ہوں گے وہ جہنم کا زیادہ مستحق ہے۔

• حضرت لقمان حکیم جو اپنی حکمت و دانائی اور فہم و ادراک کی وجہ سے انسانی تاریخ میں معروف شخصیت کے مالک ہیں کسی نے اُن سے پوچھا آپ کو علم و حکمت کی غیر معمولی قوت کیسے حاصل ہوی اور آپ کو یہ مرتبۂ بلند کیسے حاصل ہوا؟ تو انھوں نے فرمایا: چار چیزوں کی وجہ سے!

۱۔ خوفِ خدا۔
۲۔ گفتگو میں سچائی اور صفائی۔
۳۔ امانت کی ادائیگی
۴۔ بے فائدہ اور لایعنی کلام سے سکوت و خاموشی۔

چوتھا حکم صلۂ رحمی سے متعلق ہے۔

احادیث میں دو لفظ یا دو محاورے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ایک صلۂ رحم، دوسرا قطع رحم۔ قرابت داروں کے حقوق ادا

کرنے کو صلۂ رحم اور ان کے حقوق ادا نہ کرنے کو قطع رحم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ ہر صاحب ایمان کی اخلاقی اور مذہبی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنی بیوی بچّوں اور اپنے والدین کے حقوق کی ادائیگی کے بعد اپنی قوت و طاقت کے مطابق قرابت داروں کی امداد کرے۔ نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے اُن رشتہ داروں کے ساتھ بھی تعلق قائم رکھنے اور حسنِ سلوک کی تلقین فرمائی جو ہمارے سے تعلق منقطع کرلیے ہوں اوصل من قطعك حتّٰی کہ ان رشتہ داروں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کی ہدایت فرمائی جو دائرۂ اسلام سے خارج ہیں چناں چہ عہدِ نبوت میں عموماً اس قسم کے حالات پیدا ہوئے کہ ایک خاندان کے بعض افراد مشرف باسلام ہو چکے تھے تو بعض افراد کفر ہی کی حالت میں قائم تھے اور مسلم دشمنی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ نفرت و دوری اور دشمنی کی اس مکدر فضا میں بھی رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اجازت دی کہ وہ اپنے مشرک والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی کریں۔ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دو یہودی رشتہ داروں کو صدقہ کی تیس ۳۰ ہزار کی رقم دے دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے اپنے مشرک بھائی کو تحفہ بھیجا۔ امام مجاہد نے مشرک رشتہ دار کا قرض معاف کرنے کو بڑے ثواب کا کام قرار دیا۔

ان نظائر سے واضح ہے کہ اگر کسی مسلمان کے رشتہ دار غیر مسلم بھی کیوں نہ ہوں ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے۔

اہلِ قرابت کے ساتھ تعلق قائم کرنے اور صلۂ رحمی کرنے پر نبئ کریم صلّے اللہ علیہ وسلم نے جنّت کی بشارت سنائی اور ان کے ساتھ تعلق توڑنے پر دوزخ کی وعید سنائی ہے۔

- ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: خدا کے رسول! مجھے ایسا عمل بتلائیے جو مجھے جنّت لے جائے۔ ارشاد فرمایا: اللہ کی عبادت کرو، شرک سے بچو، نماز اچھی طرح پڑھو، زکوٰۃ دو، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرو۔

- نیز ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے رشتہ داروں کا حق ادا نہیں کرے گا وہ جنّت میں داخل نہ ہوگا۔

• نیز ارشاد فرمایا: جس شخص کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور عمر میں اضافہ ہو تو اس کو چاہیے کہ صلۂ رحمی کرے۔

• نیز فرمایا: صدقہ کسی مسکین کو دینے میں صرف صدقہ کا ثواب ہے۔ لیکن یہی صدقہ اپنے رشتہ دار کو دیا جائے تو دو اجر ہیں، ایک صدقہ کا ثواب اور دوسرا صلۂ رحمی کا اجر۔

• نیز فرمایا: جس قوم میں قاطع رحم ہو اس پر اللہ کا فضل نہیں ہو گا۔

• نیز فرمایا: اے آدم کے بیٹے! تیرے لیے یہی خیر اور بہتر ہے کہ اپنی ضروریات و حاجات کی تکمیل کے بعد زاید مال کو صدقہ کر دے اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات پوری کرنے کی نیت سے مال کو محفوظ رکھنا قابلِ ملامت نہیں ہے لیکن اپنی ضروریات پوری ہونے کے بعد زاید مال کو اپنے پاس جمع کرتا رہے گا تو یہ تیرے لیے شر اور فتنہ ہے اور خرچ کرنے میں ان لوگوں سے ابتدا کرو جن کی کفالت تیرے ذمّہ ہے۔

• عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپؐ کی خدمت میں جا پہنچا۔ چہرۂ انور پر جب نظر پڑی تو میں نے پہچان لیا کہ یہ کسی جھوٹے انسان کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ اس موقعہ پر آپؐ نے پہلی بات جو کہی تھی وہ یہ ہے:

لوگو! سلامتی پھیلاؤ، لوگوں کو کھلاؤ رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔ جب لوگ سو جائیں تو اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ ان اعمال کی برکت سے جنّت میں داخل ہو جاؤ گے۔

حاصلِ کلام!

صلۂ رحمی ایک ایسا زرّین اصول ہے کہ اگر ہر شخص اپنے اپنے رشتہ داروں کی معاشرتی، تعلیمی اور معاشی ضروریات کی تکمیل کی طرف توجّہ دینے لگے تو ملّت کی زندگی میں نئی بہار آجائے گی اور ایک خوشحال اور انسانیت سے بھرپور مثالی معاشرہ وجود میں آجائے گا۔

اس مقام پر صدقہ سے متعلق سید الکونین والثقلین کے چند ارشادات ملاحظہ کیجیے جن سے صدقہ کی مختلف و متعدد اور متنوع جہات کی نشان دہی ہو رہی ہے:

⁂ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما نقصت صدقۃ من مال ما زاد اللہ عبدا بعفو الا عزا وما تواضع احد للہ الا رفعہ اللہ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں ہوتی یعفو درگزر اور معاف کرنے سے آدمی کی عزت اور بڑھ جاتی ہے اور جو شخص اللہ کی رضا اور خوشنودی کے خاطر تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کی قدر و منزلت میں اضافہ کرتا ہے۔

⁂ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اصبح منکم الیوم صائما قال ابوبکر انا قال فمن تبع منکم الیوم جنازۃ قال ابوبکر انا، قال فمن اطعم منکم الیوم مسکینا قال ابوبکر انا، قال فمن عاد منکم الیوم مریضا قال ابوبکر انا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اجتمعن فی امر الا دخل الجنۃ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کون شخص ہے جس نے آج کے دن روزے کی حالت میں صبح کی ہو؟ ابوبکر نے کہا: میں ہوں۔ پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کون شخص ہے جس نے آج کے دن نماز جنازہ میں شرکت کی ہو؟ ابوبکر نے کہا: میں ہوں۔ پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: تم میں کون شخص ہے جس نے آج کے دن مسکین کو کھانا کھلایا ہو؟ ابوبکر نے کہا: میں ہوں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کون شخص ہے جس نے آج کے دن مریض کی عیادت کی ہو؟ ابوبکر نے کہا: میں ہوں۔

اس پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جس آدمی کے اندر یہ باتیں موجود ہوں وہ جنّت میں داخل ہو جائے گا۔

⁂ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل سلامی من الناس علیہ صدقۃ، کل یوم تطلع علیہ الشمس یعدل بین الاثنین صدقۃ ویعین الرجل علی دابتہ فیحمل علیھا او یرفع علیھا متاعہ صدقۃ الکلمۃ الطیبۃ صدقۃ وکل خطوۃ یخطوھا الی الصلوٰۃ صدقۃ ویمیط الاذیٰ عن الطریق صدقۃ۔ (بخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دن جب سورج طلوع ہوتا ہے تو لوگوں کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے یعنی آدمی کے ہر عضو سے صادر ہونے والا عمل صدقہ ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان عدل و انصاف کرنا صدقہ ہے۔ مسافر کا سامان اٹھانا اور اس کی ضرورت پوری کرنا صدقہ ہے۔ کلمۂ طیبہ لاالٰہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے یا مفید یا خیر سے بھری بات کہنا بھی صدقہ ہے۔ ہر قدم جو نماز کے لیے اٹھے وہ بھی صدقہ ہے، راستہ میں تکلیف دینے والی چیزوں کو ہٹانا بھی صدقہ ہے۔

☆ عن جابر و حذیفة قالا قال رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم کل معروف صدقة: (بخاری)

جابر اور حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں کی فلاح و بہبودی کے لیے جو بھی نیک قدم اٹھایا جائے وہ صدقہ ہے۔

☆ عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان لکل تسبیحة صدقة وکل تکبیرة صدقة وکل تحمیدة صدقة وکل تھلیلة صدقة وامر بالمعروف صدقة ونھی عن المنکر صدقة ویضع احدکم صدقة قالوا یا رسول اللہ ایاتی احدنا شھوته و یکون له فیھا اجر قال ارایتم لو وضعھا فی حرام اکان علیه فیه وزر فکذلك اذا وضعھا فی الحلال کان له اجر (مسلم)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر تسبیح و تکبیر اور تحمید و تہلیل صدقہ ہے۔ بھلی بات کا حکم دینا صدقہ ہے بری بات سے منع کرنا صدقہ ہے بیوی کے ساتھ صحبت کرنا صدقہ ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی شخص اپنی شہوت کی تکمیل کرے تو بھی اجر و ثواب ہے؟

اس تعجب خیز سوال پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا کوئی شخص اپنی شہوت اور جذبہ کی تسکین حرام راستہ (زنا وغیرہ) سے کر لیتا تو اس پر عذاب و عقاب لازم نہیں آیا؟ اسی طرح جب وہ اپنی شہوت کی تکمیل حلال راستہ (نکاح) سے کر لے رہا

ہے تو اس کو ضرور اجر و ثواب دیا جائے گا۔

❁ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن مسلم یغرس غرسًا او یزرع زرعًا فیاکل منہ انسان اوطیراو بھیمۃ الا کانت لہ صدقۃ.
(مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو مسلمان پودا لگائے یا زراعت کرے اور اس سے انسان، پرند اور جانور کھائیں تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔

❁ عن ابی ھریرۃ قال قلت یانبی اللہ علّمنی شیئًا انتفع بہ قال اعزل الاذی عن طریق المسلمین

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے ایک ایسی چیز کی تعلیم دیجیے جس سے نفع اٹھا سکوں۔
ارشاد فرمایا:
مسلمانوں کے راستے سے ہر تکلیف دینے والی چیز کو دُور کر دو۔

❁ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الصدقۃ لتطفیٔ غضب الرب و تدفع میتۃ السوء
(ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
بے شک صدقہ اللہ کے غیض و غضب کو دور کرتا ہے اور آدمی کو بُری موت سے بچا لیتا ہے۔

❁ عن سعد بن عبادۃ قال: یارسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال الماء فحفر بئرًا وقال ھٰذہ لام سعد (نسائی)

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: میری والدہ انتقال کر گئیں، کون سا صدقہ افضل ہے! ارشاد فرمایا: پانی! سعد نے کنواں کھدوایا اور فرمایا: یہ سعد کی ماں کے لیے ایصالِ ثواب ہے۔

❁ عن ابی ھریرۃ وحکیم بن حزام قالا قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم خیر الصدقۃ ما کان عن ظھر غنی وابدأ بمن تعول (بخاری)

ابوہریرہ اور حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کی ضروریات کی تکمیل کے لیے روپیہ بچاے رکھتے ہوے زائد رقم کو تقسیم کیا جاے اور اس تقسیم میں اُن افراد کو مقدم رکھا جاے جو اپنے رشتہ دار، اور دوست احباب ہیں۔

؎ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دینار انفقتہ فی سبیل اللہ ودینار انفقتہ فی رقبۃ ودینار تصدقت بہ علی مسکین و دینار انفقتہ علی اھلك اعظمھا اجرا الذی انفقتہ علی اھلك (مسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو روپیہ تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جو روپیہ کسی آدمی کو آزاد کرنے میں خرچ کیا اور جو روپیہ کسی فقیر پہ صدقہ کیا اور جو روپیہ اہل وعیال اور خاندان والوں پہ خرچ کیا ان سب روپیوں میں وہ روپیہ زیادہ اجر و ثواب کا حامل ہوگا، جو تم نے اپنے اہل وعیال پہ صرف کیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ میں تقسیم کن اشخاص سے کرنی چاہیے اور کسے مقدّم اور مؤخر رکھنا چاہیے۔

؎ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رجلاً قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان امی افتلتت نفسھا۔ واُراھا لو تکلمت تصدقت فھل لھا من اجران تصدقت عنھا؟ قال نعم! (بخاری)

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک آدمی نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری ماں اچانک انتقال کر گئی۔ میرا خیال ہے کہ اگر اس کو بات چیت کا موقعہ ملتا تو ضرور صدقہ کرتی۔ کیا میں اپنی ماں کے لیے صدقہ کروں تو اس کا ثواب اس کو مل جائے گا آپؐ نے فرمایا: ہاں!

؎ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلث صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ (مسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدمی انتقال کرجاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ بھی منقطع ہوجاتا ہے لیکن تین صورتوں سے اُسے ثواب پہنچتا رہتا ہے ایک صدقۂ جاریہ مثلاً مسجد، مدرسہ خانقاہ، پُل، مسافرخانہ، کنواں، رہائشی مکان (جو مفت غریبوں کو دیے جائیں) اسکول کالج، ہسپتال وغیرہ غرض یہ کہ ہر وہ چیز صدقۂ جاریہ میں شامل ہے (جس سے خلقِ خدا فائدہ اٹھاتی رہے) دوسری علم وفن اور ہنر، تیسری نیک اولاد جو اپنے والدین کے لیے دعاے مغفرت کرتی رہے۔

عن ابی ھریرۃ قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عندی دینار قال انفقہ علی نفسک قال عندی اٰخر قال انفقہ علی ولدک قال عندی اٰخر انفقہ علی اھلک قال عندی اٰخر انفقہ علی خادمک قال عندی اٰخر قال انت اعلم۔ (نسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور صدقہ و خرچ کرنے کی نیت سے عرض کیا کہ میرے نزدیک روپیہ ہے آپؐ نے فرمایا اپنی ذات پر، اپنی اولاد پر، اپنی بیوی پر اور اپنے خادم پر خرچ کرو۔ اس نے مزید کہا میرے پاس اور بھی رقم ہے، ارشاد فرمایا تمہارے قرابت دار و رشتہ دار و دوست و احباب اور پڑوسیوں پر خرچ کرو۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم مامن یوم یصبح العباد فیہ الا ملکان ینزلان فیقول احدھما اللّٰھم اعط منفقا خلفا ویقول الاٰخر اعط ممسکا تلفا

(مسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کوئی صبح ایسی نہیں ہوتی جس میں دو فرشتے نازل نہ ہوتے ہوں ایک فرشتہ یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! صدقہ دینے والے کے مال میں برکت عطا فرما اور دوسرا فرشتہ یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ صدقہ نہ دینے والے کے مال سے برکت چھین لے اور ختم کردے۔

∴ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال سبعۃ یظلھم اللہ فی ظلہ یوم لاظل الاظلہ الامام العادل وشاب نشأ بعبادۃ اللہ ورجل قلبہ معلق فی المسجد ورجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علیہ وتفرقا علیہ ورجل دعتہ امراۃ ذات منصب وجمال فقال انی اخاف اللہ ورجل تصدق بصدقۃ فاخفاھا حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ ورجل ذکراللہ خالیا ففاضت عیناہ

(مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

قیامت کے روز سات اشخاص اللہ تعالےٰ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے۔ جس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ اور سایہ نہ ہوگا۔

۱۔ امام عادل۔ (خلیفہ اور امام کے علاوہ ہر وہ شخص جو اپنی حیثیت اور اپنے دائرہ میں عدل وانصاف کرے۔)

۲۔ عبادت گزار نوجوان۔

۳۔ وہ شخص جس کا قلب مسجد میں گھرا رہتا ہے۔

۴۔ وہ دو اشخاص جو محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کریں اور علاحدگی اختیار کریں۔

۵۔ وہ شخص جس کو حسب ونسب والی پیکر حسن وجمال عورت اپنی جانب مائل کرنا چاہے اور وہ یہ کہہ کر بدکاری سے دور رہ جائے کہ میں اللہ سے خوف کرتا ہوں۔

۶۔ وہ شخص جو اس طرح صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ سیدھے ہاتھ نے کیا صدقہ دیا ہے۔

۷۔ وہ شخص جس کی آنکھیں اللہ کے ذکر سے اشکبار ہو جائیں۔

∴ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خصلتان لا تجتمعان فی مؤمن البخل وسوء الخلق (ترمذی)

ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مومن میں بداخلاقی اور بخل کی خصلت نہیں ہوتی۔

∴ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم السخی قریب

من اللہ وقریب من الجنّۃ وقریب من الناس۔ بعید من النار والبخیل بعید من اللہ وبعید من الجنّۃ وبعید من الناس وقریب من النار وجاھل سخی احب الی اللہ من عابد بخیل

(ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: سخی آدمی اللہ سے قریب، جنّت سے قریب اور لوگوں سے قریب ہے اور دوزخ سے دُور ہے۔ بخیل آدمی اللہ سے دُور، جنّت سے دُور اور لوگوں سے دُور اور دوزخ سے قریب ہے اور بے علم سخی اللہ تعالےٰ کے نزدیک عبادت گزار بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔

امام غزالی سے منقول ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ شیطان سے پوچھا کہ تجھے سب سے زیادہ محبت کس کے ساتھ ہے؟ اور سب سے زیادہ نفرت کس سے ہے؟ اس نے کہا: مجھے سب سے زیادہ محبت مومن بخیل سے ہے اور سب سے زیادہ نفرت فاسق سخی سے ہے۔ یحییٰ علیہ السلام نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو شیطان نے کہا کہ بخیل اپنے بخل کی وجہ مجھے بے فکر رکھتا ہے یعنی اس کا بخل ہی اُسے جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ لیکن فاسق سخی کے لیے مجھے ہر وقت فکر رہتی ہے کہ کہیں اس کی سخاوت کی وجہ سے اللہ تعالےٰ اس کی بخشش نہ کر دے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

ایک شخص جنگل میں جا رہا تھا کہ اس نے بادل میں سے یہ آواز سُنی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دو۔ وہ آدمی یہ سُن کر بادل کی طرف چلا۔ کیا دیکھا کہ ایک پتھریلی زمین میں خوب پانی برسا اور وہ سارا پانی جمع ہو کر بہنے لگا اور یہ شخص پانی کے پیچھے چلا۔ وہ پانی ایک جگہ پہنچا۔ جہاں ایک آدمی کھڑا ہوا بیلچہ سے اپنے باغ میں پانی پھیر رہا تھا۔ اس نے باغ والے سے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل میں سُنا تھا۔ باغ والے نے پوچھا: تم میرا نام کیوں پوچھ رہے ہو؟ اس نے بتلایا:

میں نے اس بادل میں جس کا یہ پانی آرہا ہے' یہ آواز سُنی تھی کہ فلاں کے باغ کو پانی دو اور تمہارا نام بادل میں سُنا تھا۔ تم اس باغ میں ایسا کیا کام کرتے ہو کہ بادل کو یہ حکم دیا گیا کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دو۔؟ باغ والے نے کہا: جب تم نے یہ سب کہا ہے تو میں بھی تمہیں بتلا دیتا ہوں ۔میں باغ کی پیداوار کو تین حصّوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ ایک حصّہ اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور دوسرا حصّہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہوں اور تیسرا حصّہ اس باغ کے اخراجات اور مصارف میں لگا دیتا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ کرنے سے منجانب اللہ بندہ کی تائید ہوتی ہے۔

۵۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

بنی اسرائیل کے ایک شخص نے اپنے دِل میں ارادہ کیا کہ آج رات کو چپکے سے مخفی طور پہ صدقہ کروں گا۔ چناں چہ رات کو چپکے سے ایک آدمی کے ہاتھ میں مال دے کر چلا آیا۔ صبح لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ رات کوئی شخص ایک چور کو صدقہ دے گیا۔ صدقہ کرنے والے نے جب یہ بات سُنی تو کہا یا اللہ! چور پہ صدقہ کرنے میں بھی تیرے ہی لیے تعریف ہے۔

پھر اس نے دوبارہ ارادہ کرلیا کہ آج رات کو پھر صدقہ کروں گا۔ چناں چہ رات کو صدقہ کا مال لے کر باہر نکلا اور ایک عورت کے ہاتھ میں مال دے کر چلا آیا صبح لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ رات کو کوئی شخص ایک فاحشہ کو صدقہ دے گیا۔ صدقہ کرنے والے نے جب یہ بات سُنی تو کہا: یا اللہ! زانیہ پر صدقہ کرنے میں بھی تیرے ہی لیے تعریف ہے۔

پھر اس نے تیسری مرتبہ ارادہ کیا کہ آج رات کو صدقہ کروں گا۔ چناں چہ رات کو صدقہ لے کر نکلا اور ایک آدمی کے ہاتھ میں دے کر چلا آیا۔ صبح لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ رات کوئی شخص ایک مالدار کو صدقہ دے گیا۔ صدقہ کرنے والے کو جب اس بات کا علم ہوا تو کہا: یا اللہ! تیرے ہی لیے تعریف ہے۔ چور پر بھی، زانیہ پہ بھی اور غنی پہ بھی صدقہ کرنے میں۔

صدقہ کرنے والے شخص نے اپنے دل میں سوچا کہ اس کا صدقہ مستحق لوگوں کے ہاتھ میں نہیں پہنچا۔ خواب میں دیکھا کہ اس کو خوش خبری سنائی جا رہی ہے کہ اس کا صدقہ قبول کر لیا گیا ہے۔ اور یہ وجہ بھی بتلائی جا رہی ہے کہ چور کو صدقہ اس لیے دلایا گیا کہ شاید وہ چوری سے پرہیز کرے اور زانیہ کو صدقہ اس لیے دلایا گیا کہ شاید وہ زنا سے اجتناب کرے اور مال دار کو صدقہ اس لیے دلایا گیا کہ شاید وہ سخاوت کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ خالصتاً لوجہ اللہ کیا گیا ہو تو وہ عند اللہ ضرور مقبول ہو جاتا ہے۔

حاصل کلام!

صدقہ کے موضوع پر مختلف احادیث نقل کی گئی ہیں۔ جن کے مطالعہ سے آدمی پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ کسی غریب کے ہاتھ میں چند روپیے اور پیسے تھما دینے کا نام ہی صدقہ نہیں ہے بلکہ صدقہ زندگی کے متعدد مختلف اور مفید پہلوؤں اور گوشوں پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور اس کے ساتھ دین، دُنیا اور آخرت کی بھلائیاں وابستہ ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین ●●●

صفحہ 125 کا بقیہ: "جواہر الحقائق"

نفسِ رحمانی نفس کلیہ

آگے مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ بے شک وہ وجود جس کا چشمہ اور منبع (مختلف) موجودات کی شکلوں، صورتوں پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ یا تو نفس رحمانی ہے یا نفسِ کلیہ۔ اسے جو چاہے کہو مگر یاد رکھو کہ یہ ذات الٰہی سے ہی صادر ہوتا ہے اور پیش آتا ہے۔ انتہیٰ (مکتوب مدنی)

(غرض یہ موجود) وہاں ماہیات کے اندر فرق و تمیز کرتا ہے۔ اور وہاں وجود میں مشترک ہوتا ہے اور شریک رہتا ہے۔ یعنے خاص وجودات کے دیکھنے اور معائنہ کرنے سے کھینچ کر نکالنے والے وجود میں واقع اور صادر ہوتا ہے۔ ●●●

فتوے

قدوۃ السالکین حضرت العلّامہ سید شاہ عبد اللطیف قادری المعروف قطب ویلور قدس سرّہ العزیز نے امام الدین خان صاحب مہکری میر منصف (جج) میسور کے استفسار پر ذیل کا فتویٰ تحریر کیا تھا۔ جس کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔ اس فتویٰ میں مسئلہ وصیّت کا علمی و تحقیقی اور شرعی جائزہ لیا گیا ہے۔ اور اس کے ضمن میں احکام اجتہادیہ اور مجتہدین کے مقام و مرتبہ سے متعلق بھی بڑی عمدہ و نفیس علمی گفتگو کی گئی ہے موجودہ دور میں خود سری و خود بینی، خود رائی و بے راہ روی اور ہوا و ہوس کی پیروی کی فضا میں یہ فتوے اُن افراد کے لیے روشنی فراہم کرتا ہے، جو ائمۂ مجتہدین کی پیروی سے بے نیاز رہنا چاہتے ہیں۔

مترجم: ابوالنعمان عفی لہ والوالدیہ

آپ نے وصیّت سے متعلق دریافت کیا تھا۔ آپ کے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وصیّت کو بندوں پر فرض قرار دیا ہے اور وصیّت کے اندر کسی طرح کی تبدیلی اور کمی و بیشی سے منع فرمایا اور اس کو من وعن پورے کرنے کا حکم دیا ہے اور آیت کریمہ میں لفظ "غیر مضار" یہ وصی (وصیّت کرنے والا) کے حق میں تاکید ہے کہ وصیت اور قرض کے معاملہ میں کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔ اگر "غیر مُضار" کی نسبت موصی (یعنی ولی، مالک) کی طرف کی جائے تو یہ حکمِ قرآنی کے خلاف ہے۔ نیز موصی یعنی مالک اپنے مال میں تصرف کرتا ہے اور جو شخص اپنے مال میں کرتا ہے تو وہ دوسرے کے لیے نقصان و ضرر کا باعث کیسے ہوسکتا ہے؟ کیوں کہ اُسے اپنے میں جس طرح چاہے تصرف

کرنے کا حق واختیار ہے۔ اس سے صاف ظاہر
ہے کہ "غیر مضار" کا تعلق وصی سے ہے نہ
کہ مُوصیٰ سے (وہ شخص جس کو وصیت کی ہو۔)
لہذا وصیت کو ثلث مال یعنی ایک تہائی سے
نافذ کرنا قرآنِ حکیم اور عقل کے خلاف ہے۔ یہ مسئلہ
اگر قرآن کریم میں موجود ہے تو اس کا ثبوت کہاں
ہے؟ اور اگر یہ مسئلہ ائمۂ مجتہدینؒ کے اجتہاد
اور مفسرینؒ کی تفسیر اور جمہور کی رائے سے ثابت
ہے تو قرآن کے خلاف، مجتہدین کے اجتہاد
مفسرین کی تفسیر اور جمہور کی رائے کا کیا اعتبار!

کرم اطوار و محبِ محترم!

اصل مسئلہ کو سمجھنے سے قبل بطورِ مبادیات چند
اُمور کا جان لینا ضروری ہے۔

دلائل شرعیہ چار ہیں: کتابُ اللہ[1]،
سنتِ رسولؐ[2]، اجماع[3] اور مجتہد[4] کا قیاس
جو قرآن وحدیث اور اجماع سے مستنبط ہو۔
قرآنِ حکیم جمیع احکام شرعیہ کا جامع اور مصدر
ہے۔ لیکن اس کے بعض احکام ایسے بھی ہیں جن کے
ادراک وفہم سے انسان کی طاقت عاجز ہے اور
ان احکام کا ادراک وفہم صرف پیغمبر صلے اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ ایسے احکام کو
سنت کہتے ہیں۔

قرآن کریم کے فرمان أطیعوا اللہ
واطیعوا الرسول (اللہ اور رسولؐ کی
اطاعت کرو۔) میں سنت نبویؐ کی اتباع
وپیروی کا حکم موجود ہے۔

اور بعض احکام وہ ہیں جن کے سمجھنے
سے غیر مجتہدین کی فہم قاصر ہے اور وہ صرف
مجتہدین کے اجتہاد ہی سے ظاہر ہوتے ہیں
ان کو مجتہدات کہتے ہیں۔ فاعتبروا یا
اولی الابصار کا حکم مجتہدین کے اجتہاد
کے بارے میں ہے۔

مجتہدین کے اجتہادی مسائل اور
استنباطی احکام میں خطا وصواب کا احتمال
ہے اور یہی اللہ تعالےٰ کی مرضی ہے کہ یہ احکام
مبہم رہیں تاکہ مجتہدین اپنے اجتہاد کے
موافق سخت اور آسان احکام کا استخراج
کریں اور متورع اور غیر متورع اشخاص
اپنی اپنی طاقت کے مطابق تشدید اور تخفیف
پر عمل کریں اور اختلاف العلماء رحمۃ کے
مطابق عوام وخواص سب کے سب اللہ
کی رحمت کے سزاوار ہوں۔

حدیثِ شریف ہے: علیکم
بالسواد الاعظم، سوادِ اعظم اور جمہور

کی پیروی کرو۔

دوسری حدیث ہے:

الشیطان ذیب الانسان کذیب الغنم یاخذ الشاۃ القاصیۃ والناجیۃ ایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعۃ والعامۃ۔

جماعت کے ساتھ رہو۔ اس سے علاحدگی اختیار نہ کرو تاکہ شیطان تم پر حملہ نہ کر بیٹھے شیطان انسان کے لیے بھیڑیے کی طرح ہے جس طرح بھیڑیا بکری کو اکیلا پاتا ہے تو حملہ کر دیتا ہے۔

یہ دونوں حدیثیں سوادِ اعظم، اجماع اور جمہور کی اتباع کا حکم دیتا ہے۔ ایسی صورت میں صرف قرآن پر اکتفا کرنے کی بات کیسے درست ہو سکتی ہے اور مجتہدین کے اجتہاد، مفسرین کی تفسیر اور جمہور کی رائے کا انکار کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

آپ کی اس تحریر سے فقیر سخت حیران ہے اور اس قلب سے سکون رخصت ہو گیا ہے۔ اور اس کی رگِ حیدری پھڑک اٹھی ہے جس وجہ سے ناچار یہ چند سخت وسست کلمات لکھتے ہوئے جس کے لیے مجھے معذور نہ تصور کریں۔

سعادت آثار!

حضرت شیخ مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات جلد دوم کے ۵۵ ویں مکتوب میں لکھتے ہیں:

"قرآنِ کریم جمیع احکام شرعیہ کا جامع اور مصدر رہے۔ بلکہ سابق شریعتوں کا بھی جامع ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ بعض احکام ایسے ہیں جو عبارت الفص، دلالت النص اور اقتضاذ النص سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ جن کے فہم وادراک میں تمام اہلِ زبان ولغت برابر ہیں۔

احکام شرعیہ کی دوسری قسم وہ ہے جو اجتہاد و استنباط کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے اس قسم کی فہم وادراک ائمۂ مجتہدین کے ساتھ خاص ہے۔ پھر ان احکام اجتہادیہ کی دو قسمیں ہیں:

زمانۂ نبوت چوں کہ نزولِ وحی کا زمانہ تھا۔ جس کی وجہ سے اس زمانہ میں احکام اجتہادیہ خطا اور صواب کے درمیان دائر نہیں تھے۔ لیکن جو احکام مجتہدین کے اجتہاد سے حاصل ہوتے ہیں ان میں خطا وصواب کا احتمال موجود رہے۔ اسی لیے زمانۂ نبوت

کے احکام اجتہادیہ قطعی یقینی ہیں جو مفید عمل اور مفید اعتقاد ہیں اور زمانۂ نبوت کے بعد کے احکام اجتہادِ ظنی اور غیر یقینی ہیں، جو مفید عمل ہیں موجب اعتقاد نہیں۔

احکام شرعیہ کی تیسری قسم وہ ہے، جس کے سمجھنے سے انسان کی طاقت عاجز ہے جب تک کہ اللہ تعالے اپنی جانب سے ان احکام پر اطلاع نہ فرمائے۔ ان کا سمجھنا ممکن نہیں۔

احکام شرعیہ کی اس قسم پر اطلاع و اعلام پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ خاص ہے آپ صلے اللہ علیہ وسلّم کے سوا کسی کو ان احکام پر مطلع نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ کہ یہ احکام بھی کتاب اللہ سے ماخوذ ہیں لیکن ان احکام کو ظاہر کرنے والے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ لہذا ان کو سُنّت کی طرف منسوب کیا گیا۔ جس طرح ائمۂ مجتہدین کے احکام اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کیا گیا۔ کیوں کہ ان احکام کو ظاہر کرنے والا قیاس ہے۔

سنّت اور قیاس یہ دونوں بھی احکام کو ظاہر کرنے والے ہیں۔ لیکن ان کے درمیان عظیم فرق ہے۔ ایک رائے کی جانب منسوب ہے جس میں خطا کا احتمال ہے اور یہ ہے قیاس دوسرا اعلام حق اور اطلاع رب کی جانب منسوب ہے جس میں خطا کا احتمال نہیں ہے اور یہ ہے سُنّت۔

جو لوگ ائمۂ مجتہدین کے اجتہادات و استنباطات کی باریکیوں اور ان کے کلام کی دقتوں اور پوشیدگیوں کے سمجھنے سے قاصر ہیں وہ مجتہدین کے احکام و مسائل کو قرآن و حدیث کے خلاف سمجھتے ہیں اور ائمۂ مجتہدین کو اصحاب رائے خیال کرتے ہیں۔ یہ سب اس لیے ہے کہ ان مجتہدین کے علم و درایت اور فہم و فراست اور بصیرت سے یہ لوگ ناآشنا اور بے خبر ہیں۔ ان کوتاہ نظر اشخاص کی جرأت پر افسوس ہے کہ وہ اپنے قصور کو دوسرے کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔

؎ قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن و قصور
حاش للّٰہ برآرم بزبان این گلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ این سلسلہ اند
روبہ از حیلہ بگسلد این سلسلہ را

اگر کوئی کوتاہ نظر، کم فہم شخص ان کا پر لعن طعن کرتا ہے تو میں ہرگز زبان پر یہ شکایت نہیں لاؤں گا۔ دنیا جہاں کے اہل علم و فضل اور اصحابِ عرفان انہی مجتہدین کے اجتہادی

سلسلہ سے وابستہ ہیں ۔ مکر و فریب والا آدمی ہی کسی حیلہ اور بہانے کے ذریعہ اس سلسلہ سے الگ ہو جاتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہی ان نادانوں کو توفیق دے کہ وہ اسلام کے سردار اور دینِ متین کے ستون حضرات ائمہ مجتہدین کی شان میں گستاخی نہ کریں اور امّت کا سوادِ اعظم یعنی اہل سنّت و جماعت کی دل آزاری نہ کریں ۔ یریدون لیطفؤ نور اللہ بافواھھم

جو لوگ ائمہ مجتہدین کو اصحاب رائے خیال کرتے ہیں اگر اس خیال سے ان کا مقصود یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین قرآن و حدیث کے اتباع کی بے نیاز ہو کر فقط اپنی رائے سے حکم اور مسئلہ بیان کرتے ہیں تو اس بنیاد پر مسلمانوں کی اکثریت ان کے خیال باطل و زعمِ فاسد میں گمراہ اور بدعتی قرار پائے گی اور اہلِ اسلام کے زمرہ میں سے خارج ہو جائے گی ۔

ایسا اعتقاد تو وہی شخص رکھ سکتا ہے جو جاہل ہو ۔ جسے اپنے جہل کی خبر نہ ہو یا یہ زندیق ہی رکھ سکتا ہے ۔ جس کا مقصد احکام دینیہ کو باطل قرار دیتا ہے ۔ ان ناقص اشخاص اور بے مایہ افراد کی عقل و فہم پہ حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے چند حدیثوں سے واقفیت اور جانکاری حاصل کر لی ہے اور تمام احکام شرعیہ کو ان ہی حدیثوں میں منحصر خیال کر رہے ہیں اور جو حکم بھی ان کی جانی پہچانی حدیثوں میں نہیں مل سکا تو اس کی نفی کر رہے ہیں ۔

چون آن کرمے کہ در سنگے نہاں است
زمین و آسمان او ہمان است

جو کیڑا کہ کسی پتھر کے نیچے ہے اس کے لیے وہی آسمان و زمین ہے ۔

علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ "شفا" میں لکھتے ہیں :

سنّتِ نبوی ﷺ کا یہی وہ ذخیرہ ہے جس کے ذریعہ قرآن کریم کے مجمل اور متشابہ احکام کی گرہ کشائی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرادات واضح ہوتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ جب قرآن کے معانی و مطالب میں بحث و تمحیص اور تاویل و تشریح کرنے لگے تو امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

قرآن کے معانی اور مطالب اور مفاہیم کو سنّتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں حل کرو ۔ کیوں کہ قرآن کے معنی کی تعیّن و تخصیص اور اظہار و بیان میں سنّتِ رسول ﷺ ہی سند اور دستاویز ہے ۔

علمائے مجتہدین کا فرمان ہے کہ احکام میں تین ہزار احادیث وارد ہیں۔ گویا تین ہزار احکامِ شریعت سنّت سے ثابت ہیں خوارج روافض اور دوسرے فرقوں نے سنّت کو پس پشت ڈال دیا اور حضرات صحابہ رضوان اللہ عنہما جو کہ سنّت کے راوی اور سنّت کے پیکر ہیں، بدظن ہو گئے اور ان احکام سے محروم ہیں۔[۵]

ہست سنت رہ جماعت چوں رفیق
بے رہ و بے یار اُفتی در مضیق

جو شخص بے رہ اور بے رفیق ہے وہ گم راہ ہو جائے گا۔

جو آدمی تفاسیر کی کتابوں، احادیث کی کتابوں، شروحِ احادیث کی کتابوں، اصول کی کتابوں، اہلِ سنّت والجماعت کی مستند کتابوں اور کتاب میزان شعرانی کا مطالعہ کرے تو اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اجتہاد کے شرائط کیا ہیں۔ مجتہدین کون حضرات ہیں اور انھوں نے قرآن اور احادیث سے اللہ اور رسول کی مرادیات دریافت کرنے کے لیے کس قسم کی محنتیں کی ہیں: جزاھم اللہ خیرا الجزاء

حاصلِ تحریر!

اجماع اور اجتہاد جو کہ قرآن و حدیث کے معانی و مطالب اور مرادات کو ظاہر کرنے والے ہیں ان سے روگردانی کرتے ہوئے اگر کوئی شخص قرآن ہی سے جزئی احکام کا ثبوت طلب کرتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ کے قاصد خاص کے پیام کو ٹھکرا کر بادشاہ کے فرمان کی سند طلب کرے۔

مذکورہ تفصیل سے آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی ہو گی کہ جب بھی کوئی حکم قرآن سے معلوم نہ ہو سکے تو سنّتِ خیرالبشرؐ سے معلوم کرنا چاہیے۔ سنّتِ نبویؐ سے بھی معلوم نہ ہو سکے تو اجماع، جمہور اور ائمۂ مجتہدین کے اجتہاد سے معلوم کر لینا چاہیے اور اس کے لیے تفاسیر کی کتابوں، احادیث کی کتابوں، شروحِ احادیث کی کتابوں اصول کی کتابوں اور اہلِ سنّت و جماعت کی مستند و معتبر کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس فرقۂ ناجیہ کو جو کہ سنّت نبویہ کی اتباع اور جماعتِ صحابہ کی اتباع کرنے والا ہے۔ اہلِ سُنّت و جماعت کہتے ہیں۔ اور فرقۂ ضالہ کو بدعتی اور اہلِ ہوا کہتے ہیں۔ جو کہ سُنّتِ نبویؐ

اور جماعتِ صحابہ رضؓ کے رویہ اور روایات کو پس پشت ڈالا ہوا ہے۔ اور اجماع اور مجتہدین کے احکام کے خلاف اپنی ہوا و ہوس اور خودسری و خودرائی سے قرآنِ کریم میں تاویلات کر دیا ہے اور یہ لوگ بہتر فرقوں میں منقسم و متفرق ہو گئے اور گم راہ بن گئے۔

یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ نصاریٰ اپنی گم راہی کے باوجود اجماع اور جمہور کی متفقہ رائے اور فیصلہ کا احترام کرتے ہیں، اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کے شارحین اور علماء کے اقوال و آراء کو اپنے لیے دستاویز اور سند سمجھتے ہیں۔ اور یہ ہماری قوم کے کوتاہ نظر اور بے بصر افراد ہیں جو دین داری کا دعویٰ کرتے ہوئے اجماع، جمہور اور مجتہدین کے اقوال اور علمائے راسخین کی کتابوں سے جو کہ قرآن و حدیث سے مربوط ہیں اعراض و انکار کرتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ چند کلمات تمہید اور مبادیات کے طور پر تحریر کرنے کے بعد اب ہم اصل مسئلہ وصیت کے جواب کی جانب رجوع ہوتے ہیں:

واضح رہے کہ وصیت ایک تہائی مال سے جائز ہے۔ اس پر ورثاء راضی ہوں یا نہ ہوں۔ تفسیر معالم التنزیل میں یُوصِی بِہَا سے متعلق مرقوم ہے کہ اس میں قراءِ سبعہ کی قراءت مختلف ہے۔ علامہ ابن کثیر، علامہ ابن عامر اور علامہ ابوبکر جصاص نے اس کو صیغۂ مجہول کے ساتھ پڑھا ہے اور اسی طرح آیت میں یُوصیٰ بہا دوسرے کو بھی صیغۂ مجہول کے ساتھ پڑھا ہے۔

امام حفص نے صرف دوسرے کو صیغۂ مجہول کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی دوسرے قراء نے دونوں جگہ ص کے کسرہ کے ساتھ یعنی صیغۂ معروف کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے کہ آیاتِ سابق میں میت کا ذکر ہو چکا ہے۔ من بعد وصیۃ یوصین بہا اور من بعد وصیۃ توصون بہا۔ یہ سب صیغے معروف کے ساتھ ہیں۔ اور یہ قرینہ ہے کہ یوصی کا لفظ بھی صیغۂ معروف کے ساتھ ہو۔

نیز تفسیر معالم التنزیل میں غیر مضار کی تفسیر میں مذکور ہے کہ میت ایک

تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر کے اپنے ورثاء کو نقصان نہ پہنچائے۔

مال سے یہ بات صاف ہو چکی کہ آدمی کو اپنے مال میں سے صرف تہائی مال کی وصیت کرنے کی اجازت ہے۔ اس سے بڑھ کر نہیں۔

امام حسنؒ "غیر مضار" کی تفسیر میں فرماتے ہیں "ضرر اور نقصان کی صورت یہ ہے کہ کسی کو قرض ادا کرنے کی وصیت کرے۔ حالاں کہ وہ قرض اس کے ذمہ نہ ہو۔ اس طرح سے وہ دوسرے ورثہ کی حق تلفی نہیں کر سکتا۔"

حضرت قتادہ "غیر مضار" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ ضرار کو زندگی اور نزع دونوں حالتوں میں ناپسند کرتا ہے اور اس سے منع فرمایا ہے۔"

تفسیر مدارک میں یوصیٰ بہا اول اور دوم دونوں صادین کے فتح کے ساتھ ہے اور مکی، شامی، حماد اور یحییٰ ان تمام حضرات کی قرأت بھی اسی طرح ہے۔

امام حفص نے یوصی دوسرے کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یورث جو مجہول کا صیغہ ہے اس کی مجاورت کی وجہ سے اور پہلے یوصی ر کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یوصیکم اللہ کی مجاورت کی وجہ سے۔ امام حفص کے علاوہ دیگر قراء نے دونوں کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے[۴] یوصٰی بہا وھو غیر مضار لورثته وذلك ان یوصی زیادۃ علی الثلث اولوارث: اور اگر یہ اشکال پیش کیا جائے کہ صیغۂ مجہول کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں غیر مضار کو حال مانا جائے تو ذوالحال کہاں ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک اور یوصی معروف کے ساتھ مقدر ہوگا اور اس کی ضمیر سے غیر مضار کا حال ہوگا۔

[illegible] تفسیر مدارک [illegible] غیر مضار ترکیب میں حال ہے اور عبارت [illegible] کی تقدیر [illegible] ہوگی۔

تفسیر جواہر اور تفسیر حسینی میں مرقوم ہے کہ:

میّت اپنے وارثین کو وصیت اور قرض میں نقصان نہ پہنچائے۔ وصیت کے اندر نقصان کی صورت یہ ہے کہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرے اور قرض کے اندر نقصان کی صورت یہ ہے کہ میّت اپنے ذمہ کسی کے قرض کا اقرار کرے جو درحقیقت اس کے ذمہ نہ تھا۔

حاصل تحریر!

لفظِ یوصیٰ میں حضراتِ قراء کا اختلاف

ہے۔ اکثر قاری معروف پڑھتے ہیں اور بعض مجہول پڑھتے ہیں لیکن اس اختلاف کے باوجود سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ غیر مضار موصٰی سے حال ہے نہ کہ وصی سے۔

نیز آیاتِ سابق میں "یوصیکم اللّٰہ الخ : ولکم نصف ما ترک ازواجکم الخ ولھن الربع الخ اور لفظ یوصیکم اللّٰہ، یوحین، توصون اور یوصی کی قراءت اکثر قراء کے نزدیک معروف کے صیغوں کے ساتھ ہے اور ان تمام جگہوں میں موصٰی اور میت کے سوا کوئی دوسرا فاعل نہیں ہے۔ لہٰذا سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آیتِ زیرِ بحث میں یوصٰی کا فاعل میّت ہی ہے۔

لفظ غیر مضار کو وصی سے حال بنانا جیسا کہ آپ (مستفتی) نے اپنی تحریر میں بیان کیا ہے۔ اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی بلکہ یہ آیات کے سیاق اور سباق کے خلاف بھی ہے۔

نیز مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ حضرت سعد بن وقاص نے بیان فرمایا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنے سے منع فرمایا۔

لہٰذا مذکورہ حدیث بھی لفظ غیر مضار کے لیے تفسیر ہے۔

نیز ہبہ اور وصیت میں فرق ہے ہبہ کے اندر زندگی میں چیز پر قبضہ ہو جاتا ہے اور وصیت کے اندر موت کے بعد چیز پر قبضہ ہوتا ہے۔ اور اس مسئلہ میں تمام فقہا متفق ہیں کہ ہبہ، عتق، وقف اور مرض الموت کی حالت میں دیے گئے تمام عطیات ایک تہائی کے ساتھ معتبر ہیں۔ تو پھر وصیت کیسے ایک تہائی کے ساتھ معتبر نہ ہوگی۔

اگرچہ کہ آپ کی اتنی بات اپنی جگہ درست ہے کہ موصی (وصیت کرنے والا) اپنے مملوک میں وصیت کرتا ہے۔ لیکن آپ کو یہ حقیقت جان لینی چاہیے کہ محض مملوکیت نفاذِ حکم کا موجب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نابالغ بچّہ کا حکم اور مجنون کا حکم اپنے مملوک میں نافذ نہیں ہوتا۔ اور دانش مند حکّام قاتر العقل افراد اور نادان و نابالغ بچّوں کے احکام کو ان کے مملوک

(مال واسباب) میں نافذ نہیں ہونے دیتے۔ بلکہ مالک کو اس میں تصرف سے بھی باز رکھتے ہیں اور اس کے زندہ رہنے کے باوجود اس کے مملوک کو کسی ذمہ دار اور سمجھ دار سرپرست شخص کے حوالہ کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر مالک حقیقی موصی (وصیت کرنے والا) کے حکم کو ایک تہائی مال سے زائد میں نافذ ہونے سے روک دے اور اپنی رحمت و شفقت سے ورثاء کو اس کے نقصان سے باز رکھے تو اس میں آپ کو تعجب کی بات کیا ہے۔ انہ الحاکم العلیم والمالک الحکیم۔

آپ کو یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ وصیت اجماع کی رُو سے مستحب ہے۔ واجب نہیں۔ میراث کی آیت نازل ہونے سے پہلے وصیت کرنا، واجب تھا۔ جب آیت میراث نازل ہوئی تو وجوب وصیت کا حکم منسوخ ہوگیا۔ اسی لیے ورثاء کے لیے وصیت صحیح نہیں ہے۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان اللہ قد اعطیٰ عل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث۔ اللہ تعالےٰ نے میراث اور ترکہ میں ہر صاحب حق کا حصّہ متعین اور مقرّر کر دیا ہے۔ لہٰذا اب وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: لاوصیۃ لوارث الاان یشاء الوارثۃ: وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ ترکہ اور میراث میں منجانب اللہ مقرر کردہ حصہ کا حق دار بن چکا ہے البتہ اگر باقی ورثہ کسی ایک کو زیادہ حصّہ دیے جانے پہ راضی ہو جائے تو وارث کے لیے وصیت کرنا جائز ہے۔ ورنہ نہیں۔ کیوں کہ باقی ورثہ شرکاء ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں وصیت کی فرضیت کا حکم جس کی جانب آپ نے اپنے سوال میں اشارہ کیا تھا کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ اگر کسی آدمی پہ قرض ہو یا کسی کی امانت اس کی تحویل میں ہو تو ایسی صورت میں اس آدمی پہ وصیت کرنا واجب ہے۔

وقت کی قلّت اور مشغولیات کی کثرت مسئلہ وصیت کی مزید تفصیلات بیان کرنے میں مانع ہے۔ اللہ معکم اینما کنتم

●●●

مکتوبات
حضرت قطبِ ویلور علیہ الرحمہ
مجددِ جنوب حضرت قطبِ ویلور علیہ الرحمہ نے اپنے مریدین و معتقدین اور تلامذہ و خلفاء کے نام فارسی میں خطوط تحریر فرمایا ہے۔ جن میں کئی ایک مختلف موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔
بعض مکتوبات کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے۔
مترجم۔ مولوی حافظ ابو النعمان بشیر الحق قریشی قادری لطیفی ایم، اے
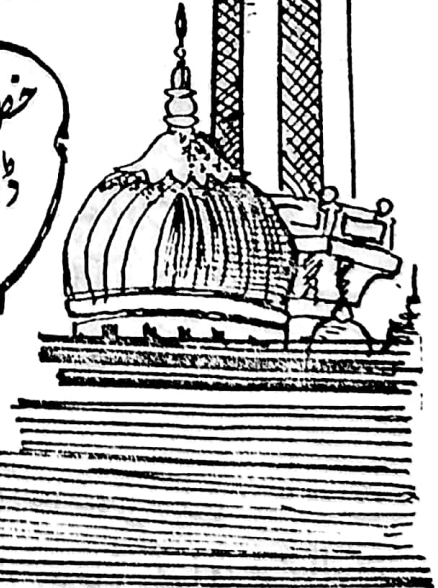
مکتوب بنام مخدومی معین الدّین فخری۔ ناگپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد خدمتِ شریف میں عرض ہے کہ ۷ اربیع الاول سنہ ۱۲۶۸ھ کا تحریر کردہ مکتوب باصرہ نواز ہوا۔ دُنیائے بے اساس کی یاس و نا امیدی کے باب میں چند فقرے اور کلمات جو حسنِ نشاۃ اور علو فطرت کی وجہ سے مکتوب کی زیب و زینت تھے۔ فقیر ان کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

مخدوم من!

نا قابلِ اعتماد اور پست و کمینی دُنیا دیکھنے میں تو ہری بھری اور سرسبز و شاداب نظر آتی ہے اور لذّت و مزہ میں بہت ہی شیریں معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں وہ ایک متاعِ باطل، ظلِ زائل اور سمِ قاتل ہے۔ اس کی مثال ایک ایسی نجاست کی طرح ہے جس میں سونا موجود ہے اور اس کا حکم ایک۔ ایسے زہر کی طرح ہے جس میں شکر موجود ہے اور اس کی عمر کا قافلہ ساٹھ ستّر سال تک ہی چلتا رہے گا۔ اور وہ بھی ہزاروں محنت و تکلیف اور رنج و کدورت کے ساتھ۔ اور آخر ایک ایسا دن آہی جائے گا کہ یہ ساری عزت و وجاہت، شان و شوکت، قدر و منزلت اور چرب و شیریں غذاؤں اور رنگین و منقش لباسوں اور دیگر راحتوں اور مختلف رابطوں کو بادِ فنا ختم کر دے گی۔ لہٰذا دُنیا اور دُنیا میں موجود ساری چیزوں کو زوال و فنا کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے اور موت کے دِن ذلّت و مسکنت اور عاجزی و لاچاری اور بے بسی و درماندگی کے سوا کوئی چیز نقد وقت نہ ہوگی اور ململ و مخمل اور سیخ و مرغ کی بجائے منہ پر اور بدن پر مٹی کے سوا کوئی لباس اور کوئی خوراک نہ ہوگی۔

حدیثِ شریف میں ہے کما تعیشون تموتون وکما تموتون تبعثون تم زندگی کو جن حالتوں اور کیفیتوں میں گزارو گے ان ہی حالتوں میں مرجاؤ گے اور جن حالتوں میں تمہیں موت آئے گی ان ہی حالتوں میں دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔

چنانچہ لوگ زراعت و تجارت، دکانداری و معماری اور آہنگری و نجّاری میں

میں دن بھر مشغول رہتے ہیں اور یہاں تک کہ رات آجاتی ہے تو سوجاتے ہیں اور جب نیند سے بیدار ہوتے ہیں تو پھر اپنے کام میں مشغول اور منہمک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح صاحب شہود شہودِ حق میں فوت ہو جاتا ہے تو قیامت کے روز جب وہ اٹھے گا تو شہودِ حق میں مشغول رہے گا۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے۔ وہ عظیم ترین فضل کا مالک ہے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم : ۵

عارفِ حق شناس را باید کہ بہر سو کہ دیدہ بکشاید

ترجمہ : حق شناس عارف کو چاہیے کہ وہ جدھر دیکھے ۵

بیند آن جا جمالِ حق پیدا نگسلد از جمالِ حق قطعاً

ترجمہ : اُدھر اُسے حق کا جلوہ نظر آئے اور اس جلوہ یا جمال سے ہرگز وہ منقطع نہ ہو۔ (یعنی اس مشاہدہ میں ہمیشہ غرق رہے) ۵

رو بہر چیز کا ورد ہر دم در قضائے حوائج عالم

ترجمہ : جب وہ اپنی دنیاوی ضرورتوں کے پورا کرنے میں مصروف ہو۔ ۵

ہیچ شغلی حجاب او نشود پردۂ آفتاب او نشود !

ترجمہ : تو اس کی یہ اس کی مشغولیت حق کا حجاب نہ بننے پائے اور اس آفتاب کا پردہ نہ بننے پائے۔ (اسی بات کو کسی نے اس طرح کہا ہے کہ "دل بیار دست بکار" یعنی ہاتھ کام میں لگے ہوں لیکن دل خدا کی یاد میں لگا ہو۔) ۵

در حوائج خدائے را بیند جز شہود خدائے نگزیند

ترجمہ : اپنی مصروفیتوں اور مشاغل کے دوران صرف خدا ہی کو دیکھے اور اس کی توجہ کسی اور کی طرف نہ ہو یعنی غیر کا خیال دل میں نہ آئے۔ (اس شعر میں بھی اوپر والے شعر کی بات کہی گئی ہے) ۵

زانکہ معلوم بندہ نیست کہ کی بسر آید حیاتِ فانی وی

ترجمہ : کیوں کہ یہ معلوم نہیں کہ بندہ کی زندگی کب اختتام تک پہنچ جائے۔ ۵

دمِ آخر کسے کز اہلِ جہان داد ہر ہیأت مشاہدہ جان،

ترجمہ : دنیا میں جس بندہ نے ہر مشکل میں صرف صفاتِ حق کا مشاہدہ کیا تو آخر وقت میں۔ ۵

چوں بر آرد سر از نشیمن خاک چشمِ جانش بود بحضرت پاک

ترجمہ: جب اس خاکی جسم سے جان پرواز کر جائے گی تو اس کی جان کی آنکھ کو خدا کا قرب اور دیدار نصیب ہوگا۔ ھ

وان کزین منزلِ خراب گذشت لیک با ظلمتِ حجاب گذشت

ترجمہ: اور وہ جو اس خراب منزل یعنی دنیا سے اس طرح گیا کہ حجاب کی تاریکی اس کے ساتھ تھی۔ ھ

خیزد از قبر تیرہ، خوار و خجل پشت بر آفتاب ورو در ظل

ترجمہ: تو قبر سے وہ روسیاہ اور ذلیل و شرمندہ ہو کر اٹھے گا۔ اس کے چہرے کے سامنے سیاہی اور تاریکی ہوگی۔ اور وہ خدا کے دیدار سے محروم رہے گا۔ ھ

تا ابد مائلِ ہوا و ہوس ناکس الراس مانَد آن ناکس

ترجمہ: ابد تک یہ ہوا و ہوس میں مبتلا رہا اور دوسرے لوگوں میں اس کی حیثیت بالکل ناکس کی طرح ہوگی، گویا انسان نہیں بالکل حیوان سے بھی بدتر۔ ھ

ہست دیدارِ حق اجلّ نعم وجہ انتہی الکلام و تمّ

ترجمہ: حق کا دیدار تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہاں کلام اپنی انتہا کو پہنچا اور بات تمام ہوگئی۔

اس مکتوب کے ذیل میں مراقبہ تحریر کیا گیا ہے۔ آں مخدوم ابتداء میں چند روز تک کم از کم آدھا گھنٹہ تک اسی مراقبہ کے مراقب رہیں پھر روز بروز اپنے مراقبہ میں اضافہ کی کوشش کرتے رہیں۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھیں اور ہمت و کوشش سے کام لیں کہ معین وقت تک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خیال (مثلاً زر و زیور، زن و فرزند، کنواں و حویلی، زمین و باغ وغیرہ) دل میں گزرنے نہ پائے۔ اور اگر غیر اللہ کا خیال آ ہی جائے تو نفس کو امیدوار بنانا چاہیے کہ وقت معین گزر جانے کے بعد متوجہ مقصود ہو جائے گا۔

باقی احوال و کوائف جناب اکبر صاحب کے مکتوب سے واضح ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے امید رکھیں کہ ابدی و اخروی لذتوں سے سرشار ہو جائیں اور دنیا و ما فیہا سے جو خدا کی ملعون ہے فریب نہ کھائیں۔ مکتوب کی تلفیف سے رجسٹر کے وزن کا اندیشہ مانع ہے زیادہ کیا تحریر کروں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں رہو۔

مکتوب بنام محی الدین صاحب دیلوری

حمد و صلوٰۃ اور سلام و دعا کے بعد، واضح ہو کہ آپ کا التفات نامہ موصول ہوا اور سرور کا باعث بنا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

ان شاء اللہ یہ مسکین عید الاضحیٰ کے بعد وہاں پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر ہو سکے تو اس وقت تک وہاں توقف کریں۔ سعادت آثار!

عافیت اور فرصت کو غنیمت خیال کیجیے۔ ہر جگہ اور ہر وقت حزبِ الٰہی کی تکثیر اور حزبِ شیطانی تکسیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیجیے۔ یہ خدمت قبر اور آخرت میں ذخیرہ ہوگی اور درجات کی بلندی کا باعث ہوگی۔

ہر چند کہ عسرت اور تنگی میں بڑی تکلیفیں اور اذیتیں پیش آتی ہیں، لیکن اس میں فضیلت و ثواب کی امید ہے۔ اس شکر پارہ کو رقیق غلاف اور تلخ دوا میں رکھ کر دیا گیا ہے اور اس حیلہ سے ابتلاء و آزمائش کی راہ کھول دی گئی ہے۔

حدیثِ شریف میں ہے: جو شخص سوال کا ایک دروازہ کھول دیتا ہے تو اس کے لیے افلاس کے ستر دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

مجھے خوف ہے کہ آپ لوگوں سے اور بالخصوص کافروں اور فاسقوں سے نوکری طلب کرنے اور مزدوری کی التجا کرنے سے کہیں آپ پر بھی فقر و افلاس کے ستر دروازے نہ کھل جائیں اور دوا کی تلخی و غلاف شکر پارہ کی لذت کے حصول میں مانع نہ بن جائے۔ اور یہ چیز باطنی علتوں کے لیے دافع نہ ہوگی۔ تلخ دوا ہی سے بیماری کا انسداد ہوتا ہے۔

علمائے سلف سے منقول ہے جب کوئی مفلس اور بیمار آدمی ان کی صحبت میں رہنے لگتا ہے تو پھر وہ دولت اور صحت کی تمنا نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہوں کہ وہ ہمیں اور تمہیں اور سارے مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم محبوب کے افعال کو پوری طرح شیریں خیال کریں۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر فعل اور فیصلہ سے راضی رہیں۔) اور عسرت و تنگی کی تلخی کو برعکس صفراوی شیریں خیال کریں اور فراغت کی حلاوت اور فراغت کی آرزو میں آخرت کی ابدی لذتوں سے محروم نہ ہو جائیں اور دُنیا وما فیہا سے جو کہ خدا کی ملعون ہے، فریب نہ کھائیں۔

اسلام کی غربت و اجنبیت کے اس دور میں آپ کا وجود مسلمانوں کے لیے غنیمت ہے

مکتوب بنام جناب امین علی خان صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام سنتِ خیر البریہ اور دعاؤں کے تحفہ کے بعد! خاطر سعادت ذخائر پر واضح ہو کہ آپ کا محبت نامہ جو انتہائی لطف و کرم کے ساتھ اس مسکین کے نام تحریر کیا گیا تھا باصرہ نواز ہوا۔ حسنِ خیریت و کیفیت سے آگاہی بخشنے کی وجہ سے بہجت و مسرت کا باعث بنا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک

اللہ تعالےٰ کی نذر کی ترسیل کے باب میں تحریر کیا گیا تھا۔ اس مسئلہ کو دریافت کرنے سے قلب کو بڑی خوشی حاصل ہوی۔

یہ کتنی عظیم سعادت ہے کہ آدمی عنفوانِ شباب میں امراء و اغنیاء کی مصاحبت کے باوجود حق کی جانب مائل رہے۔ اور فراغت و جمعیت کے باوجود عالمِ جوانی میں راہِ حق کا راہ گیر بن جائے۔ اور خالق کی رضا کا طلب گار بن جائے۔ حقیقی بدلہ اور عوض دینے والا اپنے فضل و کرم سے اس نیتِ خیر کی جزائے خیر عنایت فرمائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا نام دیکھا جو اردو خط کے طور پر لفافہ کے اوپر مرقوم تھا۔ جس سے دل بے چین ہو گیا۔ ایک مسلمان کو غیر مسلم کی اقتدا کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا آپ نے کلام پاک کی یہ آیت نہیں دیکھی۔

یا ایہا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المؤمنین

اے ایمان والو! مسلمانوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

اور کیا آپ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نہیں سُنا: من تشبہ بقوم فھو منھم: جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت پیدا کرلی تو وہ اسی میں سے ہوگا۔

اللہ تعالےٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ آن سعادت آثار کو گمراہیوں کی اقتداء سے چھٹکارا دلائے گا۔ اور آپ کی ذات کو ایک جہاں کی ہدایت کا مرجع بنائے گا۔ انہٗ قریبٌ مجیب۔

آپ کے والدِ مغفور کی محبت و الفت اور آن سعادت آثار کی نیک نہادی نے یہ چند کلمات تحریر کرنے پر آمادہ کیا ہے اور ہرگز خاموش رہنے نہیں دیا۔

زیادہ کیا لکھوں۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں رہو۔

مکتوب بنام مخدومی مولوی شرف الملک مدار الامراء بہادر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد معلوم ہو کہ ۲۷ صفر المظفر ۱۲۶۷ھ کا تحریر کردہ صحیفۂ شریفہ موصول ہوا۔ خیریت وکیفیت سے مطلع اور آگاہ اور شاداں وفرحاں کیا۔ الحمد للہ علی ذالک۔

شاہ زادہ معز الدین صاحب مغفور کے محل کی بڑی امید تھی کہ اپنے خاندان کے حالات کی کتاب آپ کے کتب خانہ میں ہوگی نیز ایک اور کتاب بھی مخدومی قاضی الملک بہادر کے کتب خانہ میں ہوگی۔ لیکن یہاں بغیر وساطت کے فقیر کو کوئی دخل نہیں۔ بہرحال شاہ زادے کے محل اور فقیر مہجور دونوں بھی منظوری کے ممنون ہیں۔ جواب کی تکلیف کا اندیشہ پیام کا باعث بنا اور مستقل خط تحریر کرنے میں مانع ہوا۔

پھول پانی کے اوپر ہوتا ہے اور وہ پانی کے لیے کسی طرح کی مزاحمت اور تکلیف کا سبب نہیں بنتا۔ اسی طرح یہ فقیر بھی اللہ تعالے سے امید رکھتا ہے، دو روزہ دنیا میں پھول کے مانند زندگی گزار دے گا اور اپنی ذات سے کسی شخص کو کوئی تکلیف اور اذیت نہیں پہنچائے گا۔ ہماری پرورش ہی اسی روشِ بے ضرر ومنہاجِ بے نقصان پر ہوی ہے۔ اور ہم اسی مسلک پر گامزن ہیں۔

حدیثِ نبویؐ ہے: من احب اخاہ فلیعلم ایاہ: جو شخص اپنے بھائی سے محبت کرتا ہے تو اس کو چاہیے کہ اپنی الفت ومحبت سے اس کو آگاہ اور مطلع کرے۔

اسلام کی اجنبیت وغربت کے اس زمانہ میں جب کہ تباہی وپریشانی کی بارش بہ کثرت آسمان سے نازل ہو رہی ہے اور آں مخدوم کے وجودِ شریف سے ایک کثیر جماعت جمعیت و طمانیت سے بہرہ ور ہے۔ فقیر آپ کی ذات کو اسلام کے لیے غنیمت جانتا ہے۔

آں مخدوم کے ساتھ فقیر کو خاص قلبی تعلق رہنے اور دعا کی قبولیت کے احتمال کی وجہ سے آپ کے حق میں دعائے خیر سے غافل نہیں ہے۔ آں مخدوم کے لیے دعا کرنا ایک جماعتِ خیر کے لیے دعا کرنا ہے۔ اللہ تعالے آپ کو صحت وسلامتی کے ساتھ قائم رکھے اور آپ کے وجود سے اسلام کو تقویت عطا فرمائے۔

مکتوب بنام مولانا شاہ عبدالحی صاحب قادری بنگلوری

بسم الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ اور سلام و دعا کے بعد واضح ہو کہ ۲ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کا تحریر کردہ التفات نامہ نور چشم رکن الدین سید محمد مدعمرہٗ کی پیدائش کے باب میں تصنیف کردہ ابیات، تواریخ ثلاثہ اور استفسار کردہ مسائل کے ساتھ موصول ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

آپ کے استفسار کردہ دو مسئلوں کے جواب کا کاغذ اس مکتوب کے ساتھ منسلک ہے۔ آپ کی لکھی ہوئی تاریخیں اور ابیات پسند آئے۔ سابقہ تواریخ کے ساتھ بیاض میں نقل کر دیے گئے ہیں اللہ عزوجل بحرمتِ سید البشر المطہر آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور آپ کی قدر و منزلت میں اضافہ فرمائے اور آپ کو شرح صدر کی نعمت عطا فرمائے۔

میرے شیخ محترم وجدّ مکرم سید عبداللطیف المعروف محی الدّین ذوقی قدس اللہ روحہ افاض علینا فتوحہٗ نے ۸۶ سال پہلے اپنے خاص خط سے بیاض میں لکھا ہے کہ:

۲۸ ربیع الثانی ۱۱۸۳ھ کی شب کو فقیر نے خواب دیکھا کہ وہ خانقاہ کے عقب میں کھڑے ہوئے عسرت و تنگی دور ہونے کے لیے فریاد کر رہا ہے۔ اچانک دیکھتا کیا ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم اس فقیر کے گھر کی جانب متوجہ ہیں۔ یہاں تک کہ فقیر کے قریب تک پہنچ گئے۔ گھر کی طرف توجّہ اور قصد کرنے کے دوران ایک دوسرے شخص کے گھر کو اس کمترین کا گھر تصوّر فرماتے ہوئے اس جانب مائل ہوئے اور پھر پوچھا کہ فلاں شخص کا مکان کدھر ہے۔ کسی نے جواب دیا: حضورؐ! فلاں جگہ ہے۔ اس کے بعد فقیر کے گھر میں داخل ہوئے۔ جب یہ گنہ گار حضورِ پُر نور سلطان الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلّم کی ملاقات سے مشرف ہوا تو دیکھتا کیا ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نہیں ہیں بلکہ فقیر کے فرزند سیّد محمد ہیں۔ اور بڑھاپے کی انتہا پر پہنچے ہیں اور اس کم ترین کے گھر آ پہنچے ہیں۔

اس سے اشارہ یہ ملا کہ سیّد محمد عمر دراز کے مالک ہو جائیں گے۔

اس واقعہ کو میرے جدّ امجد حضرت ذوقی نے ایک اور بیاض میں بھی عربی میں تحریر کیا ہے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ یہ عربی عبارت اپنے والدِ ماجد حضرت قربی علیہ الرحمہ کی نگاہِ اکسیر سے گذری تو آپ نے اس پشت پر لکھا:

الحمد للہ والمنۃ مبارک است وتبارک خدا ت خیر باد۔

نیز فقیر ۱۲۶۰ھ میں مکۃ المکرمہ میں حالت غیبت میں دیکھا کہ قرآن کریم کی آیت کریمہ رب ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث ال یعقوب واجعلہ رب رضیا

کو طواف کو حالت میں الِ یعقوب کی بجائے الِ محمدؐ پڑھ رہا ہے۔

نیز اسی سال مکہ مکرمہ میں محمد حسین حیدر آبادی نے خواب دیکھا کہ فقیر سطح کعبہ پر علم نصب کر رہا ہے اور اس کے سیدھے جانب ایک فاتون کھڑی مسکرا رہی ہے۔

اس خواب کو سُن کر مولانا شاہ اسحٰق مہاجر دہلوی نے فرمایا ان (سید محمد) سے اور ان کی اولاد سے دینِ متین کو تقویت پہنچے گی۔

قرآن کریم کے معانی سے فال نکالنا امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اس لیے ۵ر شوال ۱۲۶۹ھ کہ جس میں نورِ چشم سیّد محمد حالتِ حمل میں تھے۔ لڑکا ہے لڑکی؟ اور اس کی صلاحیت اور عدمِ صلاحیت سے متعلق فقیر نے قرآن مجید میں دیکھا تو یہ آیت کریمہ برآمد ہوی علیك رطبا جنیاً فکلی واشربی وقری عینا الی آخر الایۃ

جب کسی چیز پر حاملہ عورت کی کامل توجہ مرکوز رہتی ہے تو متوجہ الیہ (جس کی جانب خیال و توجہ ہو) کی شبیہہ بچّہ میں واقع ہوتی۔ چناں چہ اس حقیقت کی تائید اور سند "فتوحاتِ مکیۃ" سے بھی ملتی ہے۔ اس لیے گھر والے حالت حمل کے آٹھویں مہینہ میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کی تشکل وصورت کے تصوّر میں غرق تھے۔ اس کے ماسوا بھی دیگر علامات اور بشارتیں ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات کے ۱۸۸ ویں باب میں لکھتے ہیں:

جب خواب کسی بچّہ کے وجود پر دلالت کرے تو وہ بچّہ عین خواب کا مظہر اور مخلوق ہے جو خواب سے اس کے باپ کے صلب میں نطفہ پیدا کیا گیا اور اگر وہ نطفہ رحم میں نازل ہوا تو وہی خواب نطفہ میں بچّہ کی صورت اختیار کر گیا۔ اور وہ خواب کا بچّہ ہے۔

اور اگر اس کے لیے خواب متقدم نہیں ہوا تو بس وہ اپنی اصل پیدائش اور خلقت پر ہے جیسا کہ ساری اولاد ہے۔ جان لیجیے یہ ایک عجیب راز اور صحیح کشف ہے۔

اور ہر وہ بچّہ جو خواب کے مطابق ہے تم اس کو دوسرے بچوں سے ممتاز پاؤگے اور

وہ دوسرے بچوں کے مقابلہ میں ارواح سے زیادہ قریب ہوگا۔ اگر تمہارا دل اس بات کی طرف
توجہ نہ کرے تو اس طرح دیکھو گے اور ہر مخلوق حالت یا عرض یا ولایت کی نسبت وغیرہ
جو خواب سے ہوگی اس کے لیے ایک خصوصیت ہوگی جو خواب سے نہیں ہے۔
اس حقیقت کو اُمِّ رسولؐ حضرت آمنہ کے خواب میں تلاش کیجیے تو آپ یہ ہمارے
اس بیان کی صحت و صداقت واضح اور نمایاں ہوجائے گی۔
پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدۂ ماجدہ کے خواب سے اپنے والدِ ماجد کے نطفۂ
مبارکہ میں اسی شکل و صورت میں جلوہ گر ہوئے، جس کو آپؐ کی والدہ نے اپنے خواب میں
دیکھا تھا۔
اسی لیے آپؐ کے بارے میں کثرتِ رویا کا ظہور ہوا۔ لہذا آپؐ دوسروں سے ممتاز
ہوگئے۔ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے، اس کو اہلِ کشف ہی سمجھ سکتے ہیں اور یہ آپؐ کی تخلیق میں
اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں۔
اگر تم ہمارے اس بیان کردہ مسئلہ کو دوسرے پہلو سے جاننا چاہتے ہو تو علمِ
طبیعت میں غور و فکر کرو۔ چناں چہ جب کوئی حاملہ عورت کسی چیز پر اپنی کامل توجہ مبذول
کردیتی ہے تو بچہ بھی اس چیز کی مشابہت اختیار کرلیتا ہے اور عورت جماع کے وقت کسی تصویر
کو دیکھے یا مرد جماع اور انزال کے وقت کسی صورت کو اپنے ذہن میں قائم کرلے تو بچہ اسی صورتِ
متخیلہ کی مشابہت لیے ہوئے پیدا ہوتا ہے۔
اسی لیے حکماء گھروں میں اکابر فضلاء و حکماء کی تصویر آویزاں کرنے کا حکم دیتے ہیں تاکہ
اس پر نظر پڑتی رہے اور جماع کے وقت میاں اور بیوی کے ذہن میں وہ تصویر قائم ہوسکے تو یہ
تصویر طبیعت میں اثر انداز ہوتی ہے۔ اور جو بچہ نطفہ میں ہوتا ہے اس کے اندر تصویر کا عکس
قائم ہوجاتا ہے۔ یہ علمِ طبیعت میں عجیب پوشیدہ راز ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش پر غور کرو۔ حضرت مریم علیہ السلام نے
حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بشر کی صورت میں مشاہدہ کیا۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام
کے اندر مردہ کی احیاء کرنے والی روح اور بشریت جسم کے درمیان کس طرح جمع کیا ہے۔ جب کہ روح
سے طبیعی اجسام زندگی پاتے ہیں۔
اس سے بھی زیادہ قوی ترین مثال وہ ہے جو سامری کے فعل سے ثابت ہے کہ اس نے جبرئیل

کے قدم کی مٹی سے کیا تھا۔ جب کہ اس کو یہ علم ہوا کہ جہاں وہ مٹی رہتی ہے وہاں زندگی رہے گی تو اس نے بچھڑے کے اندر وہ مٹی (قبضۃ) کو شامل اور داخل کر دیا جس کی وجہ سے بچھڑا آواز کرنے لگا۔

اگر وہ قبضہ کو گھوڑے کی شکل میں ڈال دیتا تو وہ ہنہناتا اور اگر وہ انسان کی شکل میں ڈال دیتا تو وہ بات چیت کرنے لگ جاتا۔ بے شک استعداد جب زندگی میں ظاہر ہو جائے تو وہ قابل کے لیے ہو جاتی ہے۔ اسی جگہ مظاہر کے اندر ظاہر کی صورت پہچانی جاتی ہے۔

بے شک مظاہر اپنی استعداد کے مطابق ظاہر کے اندر اپنا اثر دکھاتا ہے اور حاملہ اور محمولہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس حکمت کو **ماھو الامر** پر موقوف رکھا ہے۔

نیز شیخ عربی نے 'فتوحات' کے ۱۸۸ ویں باب میں فرماتے ہیں:

جب آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم اپنے اصحاب میں صبح کے وقت سوال فرماتے کہ تم میں کسی شخص نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اس لیے کہ خواب نبوت کا حصہ ہے اور آپؐ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ اپنی امّت میں اس خواب کا مشاہدہ کریں۔

آج لوگ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے اس مرتبہ (یعنی ہر روز خواب کے بارے میں سوال کرنا) سے متعلق انتہائی جہالت میں گرفتار ہیں۔

اس زمانے کے جہلا جب کوئی ایسی بات سنتے ہیں جو خواب میں وقوع پذیر ہوی تو اس کی جانب توجّہ ہی نہیں کرتے اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو خواب کی بات ہے اور یہ لایعنی چیز ہے اور خواب کا استہزا اور تمسخر کرتے ہیں جب کہ اس پر اعتماد کرنا چاہیے۔

یہ ساری باتیں ان مقامات اور احوال سے لاعلمی اور جہل کا نتیجہ ہے فقیر ان ہی امور پر نظر کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ سے امید رکھا ہے کہ مبشّر اور موعود یہی نور چشم مولود ہوگا۔ اللہ ہر شئے پر قادر ہے۔ عالم مثال سے متعلق دل میں بہت سی باتیں ہیں جن کے اظہار سے وقت مانع ہے۔ اگر آپ مذکورہ تحریر میں غور و فکر کریں تو اس کے اندر ہی عجائب و غرائب کی ملی جلی مثالیں واضح ہو جائیں گی۔

عمر بگذشت و حدیث درد من آخر نشد ٭ شب بآخر شد کنون کوتہ کنم افسانہ را

عمر کٹ گئی لیکن میری درد بھری بات پوری نہ ہو سکی رات ختم ہو رہی ہے لہذا میں اپنا افسانہ ختم کئے دیتا ہوں۔

وہاں تمام کو سلام مسنون پہنچائیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اللہ کی نصرت تمہارے ساتھ رہے۔ تم جہاں کہیں رہو۔ ••

مکتوب بنام مکرمی صوفی شاہ صاحب قطبی قادری ساکن بمبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پس از سلام مسنون! واضح ہو کہ مدّت دراز کے بعد فقیر کے نام تحریر کردہ صحیفہ شریفہ بتاریخ ۱۶ / جمادی الاول ۱۴۱۷ھ دستیاب ہوا۔ خیریت و کیفیت سے آگاہ کیا اور سکینت و طمانیت کا باعث بنا۔ الحمد للہ علےٰ ذالک۔

آپ نے غلام حسین صاحب جاگیردار طوطی پیٹ کے ساتھ التفات نامہ روانہ کرنے اور اس کا جواب موصول نہ ہونے کے بارے میں لکھا تھا۔

مخدوم من! مذکورہ التفات نامہ کا جواب مخلص حکیم باقر صاحب اور حیدر صاحب حیدرآبادی کے نام روانہ کردہ خطوط کے ساتھ صاحب موصوف کا اجازت نامہ وغیرہ بھی مولوی عبدالحلیم صاحب کے خط کے ساتھ ہی فوراً بھیج دیا گیا۔ لیکن فقیر کو اس کے وصول اور عدم وصول کی کوئی خبر نہیں ملی اور دوسرے خطوط بھی نہیں پہنچے تو ناچار سکوت کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

آپ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب "تحفۃ الموحدین" کے بارے میں استفسار کیا تھا۔

مکرم من! شبہ کے مقام سے متعلق کسی طرح کی کوئی صراحت و وضاحت نہ مل سکی۔ اس لیے ناچار جواب تحریر کرنے سے قاصر رہا۔ نیز فقیر قلیل الفرصت ہے اور ایک انار سو بیمار اور ایک سر ہزار سودا کا حکم رکھتا ہے۔ اس وقت ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ چکا ہے اور لب گور بیٹھا ہے۔ اور ملّا جامی کے یہ ابیات اس کے پیش نظر ہیں:-

موت کے آخری لمحوں میں دنیا والوں میں سے کوئی شخص اپنی جان جانِ آفریں کے مشاہدہ کی حالت میں دے دے تو جب وہ قیامت کے روز اپنی قبر سے اٹھے گا تو بارگاہِ خداوندی میں جسم اور جان کے ساتھ اس کو حضوری حاصل ہوگی۔

ایک عرصہ سے کتابوں کے مطالعہ سے بھی محروم ہوں اور اس جانب دل رجوع نہیں کر رہا ہے کیا کہا جائے۔ زندگی اسی روش پر چل رہی ہے۔

امام شافعی مطلبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:-

اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے: ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً

کثیرًا۔ اگر قرآن غیر اللہ کے پاس سے ہوتا تو لوگ اس کے اندر کثیر اختلاف پاتے اور کہا گیا ہے کہ لوگوں میں سب سے بہتر وہی ہیں جن کو سابقیت اور اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔ لہذا میرے کلام میں خطا و لغزش ضروری ہے۔

امام عالی مقام حضرت شافعی علیہ الرحمہ کا جب یہ حال ہے تو شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کا حال کیا ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جب امام مجتہدین خطا سے محفوظ نہیں تو عالم مقلد خطا سے کیسے بچ سکتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان موازنہ کرنا چاہیے۔ ایسی صورت میں "تحفۃ الموحدین" میں جو خیالات بیان کئے گئے ہیں ان کو شریعت کی کسوٹی پر جانچنا چاہیے اگر وہ پوری طرح معیار پر اُتر آئے تو قبول کریں ورنہ رد کردیں۔

نیز بزرگوں کے کلام میں اگر کوئی بات خلاف شریعت نظر آئے تو جہاں تک ہوسکے قواعد وضوابط کے دائرے میں رہتے ہوئے تاویل کریں۔ اگر کوئی تاویل نظر نہ آئے تو قبول نہ کریں اور نہ ہی ان پر اعتراض کریں بلکہ قائل کے حال پر چھوڑ دیں۔ جیسا کہ علامہ سیوطی اور مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی نے تصریح کی ہے۔

نیز آپ نے علوی اور صفوی کے بارے میں دریافت کیا تھا:

سعادت آثار! ابوالاولیاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کو علوی کہتے ہیں خواہ وہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوں یا غیر فاطمہ کے بطن سے ہوں اور اگر کوئی شخص علی سے موسوم ہے اور آپ کے ساتھ منسلک رکھنے والا خود کو علوی کہے تو گنجائش موجود ہے۔

نیز شاہ صفی قادری چشتی بڑے بزرگ ہیں۔ ان کے سلسلہ سے تعلق رکھنے والے خود کو صفوی کہتے ہیں۔ چنانچہ مولوی ارتضاء علی خان صاحب سلّمہٗ اللہ تعالیٰ بھی اسی معنی میں خود کو صفوی کہتے ہیں۔

نیز شاہ صفی ایران کا ایک بادشاہ تھا جس کی اولاد کو سلاطین صفویہ کہتے ہیں۔ یہ سب شیعہ ہیں اور ان کی سلطنت تیمور کے زمانہ سے لے کر نادر کے زمانہ تک پھیلی ہوئی ہے۔

نیز آپ نے ورثاء کو میراث نہ دینے کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

کرم اطوار! میراث کا حکم قرآنِ مجید سے ثابت ہے۔ لہذا جو شخص بھی تاویل کے بغیر اس کا انکار کردے تو کافر ہے اور ترکِ عمل سے گنہ گار رہے۔ عقیدہ ایک چیز ہے اور عمل دوسری چیز ہے۔ ترکِ عمل سے کافر نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

فقیر کے نزدیک مخزن السلاسل ناقص اور نا تمام ہے ۔ اس کو مکمل نقل کرنے کے لیے مدراس سے نسخہ منگوایا ہوں ۔ وہاں سے حاصل ہونے کے بعد اس کی ایک نقل آں مکرم کی خدمت میں بھیج دوں گا ۔ واللہ علی کل شیئ قدیر ۔

قاضی صاحب ، مولوی عنایت اللہ صاحب ، اشرف علی صاحب ، چاند محمد صاحب اور شیخ بلند صاحب اور تمام بزرگوں اور دوستوں کو اشتیاق بھرا سلام سنائیں اور کہیں کہ فقیر مہجور کو اپنا خدمت گزار سمجھیں ۔ دعا کی قبولیت کی امید پر آپ حضرات کے لیے دارین کی فلاح و خوبی کی دُعا کرنے سے فارغ اور غافل نہ تصوّر کریں ۔

فقیر ذات شریف کو اطراف و اکناف کے لیے غنیمت خیال کرتا ہے ۔ اللہ تعالے آپ کو باقی رکھے اور آپ کے افعال و امور میں خیر و برکت عطا فرمائے ۔ اسی ذاتِ عزّ و اعلیٰ سے آپ کی سلامتی اور عافیت کا طلب گار ہے ۔

دل ! آپ اور دیگر اشخاص کی خیریتوں کی دریافت کا منتظر رہتا ہے ۔ اللہ تعالے سے التجا ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کے ظاہر کو شریعتِ غرّا کے ارکان اور حلّتِ زہرا کے احکام سے آراستہ فرمائے اور باطن کو دُنیا و ما فیہا سے جو کہ خدا کی ملعون ہے خلاصی عطا فرمائے کس صاحب دولت کو ان دو کرامتوں اور عزتوں سے مشرف فرمائے ۔

دل میں بہت ساری باتیں ہیں جس کی ترجمانی سے زبانِ قلم قاصر ہے ۔ ؎

عمر بگذشت حدیث در دمن آخر شد   شب بآخر شد اکنوں کوتہ کنم افسانہ را

عمر گزر گئی لیکن میری درد بھری داستان ختم نہیں ہوگی رات ختم ہوگئی اب میں اپنا افسانہ ختم کئے دیتے ہیں ۔

زیادہ کیا عرض کروں ۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں رہو ۔

میر جعفر علی خان صاحب داماد نواب صاحب سورت کو سلام مسنون اور دنیا و آخرت کی خوبی کی دُعا پہنچائیں ۔۔ ••

جواہر السلوک
مجدد جنوب حضرت قطب ویلور
حضرت قطب ویلور علیہ الرحمہ کی
معرکۃ الآرا فارسی تصنیف جواہر السلوک
کا مفہوم خیز ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے
فائدہ نمبر ۲۰
پروفیسر سید وحید اشرف کچھوچھوی
سابق صدر شعبۂ عربی فارسی و
اردو مدراس یونیورسٹی۔
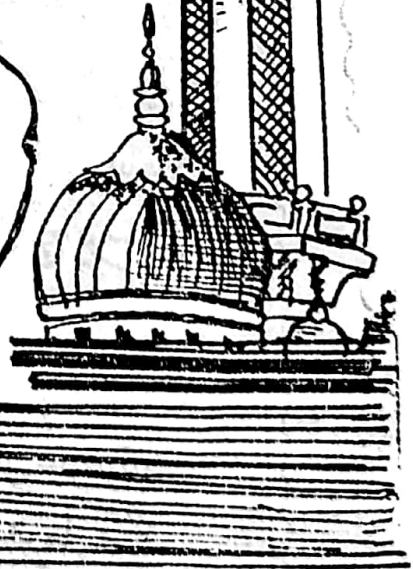
فائدہ ۲۰

اس فائدہ میں بہت دقیق مسائل ہیں۔ حضرت قطب ویلور نے بعض جگہوں پر خود ہی کہہ دیا ہے کہ اسے اہل اللہ میں سے بھی جو خاص الخاص ہیں وہی سمجھ سکتے ہیں۔ ترجمہ سے بھی دقائق نہیں کھلتے جو بیانات سمجھ میں آتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے اس آیت کا مفہوم واضح ہوتا ہے کہ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم اور اس حدیث کی وضاحت ملتی ہے کہ تخلق با خلاق اللہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول بھی یاد آجاتا ہے کہ ما رأیت شیاءً الا رأیت اللہ فیہ اور مولانا روم کے اس قول کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ: اتصال بے تکیّف بے قیاس ٭ ہست ربّ النّاس را باجانِ ناس اور عقیدۂ وحدت الوجود کے ثمرات ونتائج پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

اس میں چند مقامات پر حضرت قطب ویلور نے اپنے بعض احوال ظاہر کردیے ہیں جس سے آپ کے روحانی علو مرتبت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ ترجمہ پڑھنے سے ظاہر ہو جائے گا۔ ترجمہ میں قوسین میں جہاں کہیں کوئی جملہ یا لفظ ہے وہ مترجم کی طرف سے ہے۔

فائدہ: ۲۰

تجلّیاتِ صفاتی کی بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ صاحبِ انسانِ کامل نے ان میں سے نو اقسام کا ذکر اپنی کتاب کے چودھویں باب میں کیا ہے۔ اس باب کا خلاصہ یہ ہے: کہ

جب حق سبحانہٗ تعالیٰ کی صفات میں سے کوئی صفت بندہ پر ظاہر ہوتی ہے تو بندہ اس صفت کے آسمان کی سیر کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی حد کو پہنچ جاتا ہے۔ اجمالی طریقہ سے، نہ کہ تفصیلی طور پر۔ کیوں کہ صفات کی تفصیل ممکن نہیں ہے۔ سوائے اجمال کے، تو بندہ نے جب کسی صفت کے آسمان میں سیر کی اور اجمالی طور پر اس کی تکمیل کرنا چاہا تو وہ اس صفت کے عرش پر مستول ہو گیا اور وہ اس صفت کے ساتھ موصوف ہو گیا۔ اس کے وہ دوسرے صفت کے حصول کے لیے کوشاں ہوتا ہے اور یہ ترقی اس کی جاری رہتی ہے تاکہ وہ جمیع صفات کی تکمیل کرلے۔ اے بھائی! تمہیں یہاں اشکال نہ ہونا چاہیے کیوں کہ جب حق سبحانہٗ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ بندہ پر اپنے کسی اسم یا صفت کی تجلّی ظاہر کرے تو بندہ کو فنا کر دیتا ہے اور اس کے وجود سے اس کو معدوم (بے خبر) کر دیتا ہے اور اس کا وجود سلب کر لیتا ہے۔ تو جب سے نورِ عبدیت زایل ہو گیا۔ اور روحِ خلقی فنا ہو گئی تو بندہ کے ہیکل میں حق سبحانہٗ تعالیٰ قایم ہو گیا۔ بغیر کسی حلول کے، کہ نہ وہ اس سے منفصل ہے اور نہ متصل اس کے وجود کے سلب کر لینے کے عوض میں کیوں کہ جب اس نے اپنے بندہ پر تجلّی ظاہر کی اپنے فضل و وجود کی، اور اس کو فنا کر دیا اور اس کے عوض میں اس کو کچھ نہ دیا تو یہ بات حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی غیرت کے خلاف ہے کہ ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا۔

اس لطیفہ کو روح القدس کہتے ہیں۔

جب ذاتِ حق کا کوئی لطیفہ عبد کے عوض قائم ہو گیا تو اُسی لطیفہ پر تجلّی ظاہر ہوی اور وہ تجلّی اس کی ذات ہی پر ظاہر ہوی مگر ہم اس لطیفہ کو اللطیفۃ الالٰہیۃ عبداً کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ عبد کے عوض میں ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نہ عبد ہوتا اور نہ رب، کیوں کہ مربوب کے فنا ہونے سے اسمِ رب بھی باقی نہ رہتا۔ جیسا کہ اس وقت ہو گا جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ، لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، جو ذاتِ احد ہے۔

جان لو کہ تجلّیاتِ صفاتی عبارت ہے بندہ کی ذات کا رب کی صفات کے قبول کرنے سے متصف ہونا حکمی، اصلی، قطعی طور پر جیسا کہ ہم موصوف کو کسی صفت کے اتصاف سے

موصوف کہتے ہیں۔ وذالك لما سبق بے شک۔ لطیفۂ الٰہیہ جو بندہ سے قایم ہوا وہ عبدیت ہی کا پیکر ہے اور اسی کے عوض میں ہے اور یہ ہے اوصاف الٰہیہ سے اتصاف جو اتصاف اصلی و حکمی اور قطعی ہے۔ تو نہیں متصف ہوا سوائے حق کے۔ اس مقام پر بندہ کچھ نہیں رہتا۔

تجلیات صفاتی میں قبول کرنے کی استعداد اور علم کی زیادتی اور قوتِ عزم کے لحاظ سے لوگوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔

ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ حیات کی تجلی ظاہر کی تو وہ بندہ عالم کے لیے حیات ہو گیا۔ موجوداتِ میں اس کی حیات کا جاری ہونا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے جسم یا روح کی صورت میں اور اس کے معانی کی ایسی شکلیں ظاہر ہوتی ہیں کہ جس سے حیات قایم ہے۔ یہ حیات معنی کے طور پر نہیں ہے مثل اقوال اور اعمال کے اور نہ لطیفہ کی صورت میں ہے مثل ارواح کے اور نہ کثیفہ کی شکل میں ہے مثل اجسام کے۔ اس بندے پر (یعنی حضرت قطبِ رح ویلور) صفتِ حیات کی تجلی ظاہر ہوی کہ اس سے موجودات استمدادِ حیات کرتے تھے۔ اور یہ بندہ (یعنی قطبِ رح ویلور) اسے بنفسِ نفیس جانتا ہے بغیر کسی واسطہ کے بلکہ اپنے ذوقِ الٰہیہ، کشفیہ، غیبیہ، عینیہ سے اور اس مقامِ تجلی پر میں (یعنی قطبِ رح ویلور) مدتوں رہا۔ میں موجودات کی حیات کو اپنے ساتھ دیکھتا تھا، جیسا کہ اس کی ذات کا اقتضا تھا اور میں اُس موجو میں حیات کے اعتبار سے اس طرح موجود تھا کہ اس سے بالکل غیر منقسم تھا۔ یہاں تک کہ عنایت کے ہاتھ نے مجھے دوسری تجلی کی طرف منتقل کیا۔

اور ان میں سے وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ علمیت کی تجلی ظاہر کی جو کہ تمام عالمِ موجودات میں جاری و ساری ہے۔ اور بندے نے قوتِ احدیت سے اس حیات کا مشاہدہ کیا، جو تمام ممکنات میں ہے۔ تو اس وقت ذات کی صفت علم اس پر ظاہر ہوی۔ تو اس نے عالم کو جان لیا ان تمام چیزوں کے ساتھ جو اُن میں ہیں۔ مبدار سے معاد تک، اور تمام چیزوں کی کیفیتوں کو جان لیا اور اُن کیفیتوں کو بھی جان لیا جو آیندہ ہونے والی ہیں۔ اور اُن کو بھی جان لیا جو نہیں ہوں گی اور جو نہیں ہونے والی ہیں وہ کیسے ہوں گی اُن سب کو اس نے جان لیا بطور علم کے اصلیت کے ساتھ، ان کے صحیح حکم کے ساتھ۔ کشف کے طور پر اور ذوق کے طور پر، اپنی ذات سے جو علوم چیزوں میں بطور علم و اجمال و تفصیل و کُلّی و جزئی کے جاری و ساری ہے۔ سوا اس کے جو اُس کے غیب کے غیب میں ہے۔

اور اس کی کیفیت ؎

تجلّیٔ ذاتی اور تجلّیٔ صفاتی میں یہ فرق ہے کہ صفاتی میں اجمال میں تفصیل ظاہر ہوتی ہے سوائے غیب الغیب کے اور تجلّیٔ ذاتی میں غیب الغیب شہادت تک تفصیل کے ساتھ تنزل کرتا ہے اور اس کے اجمال کی تفصیل غیب میں ظاہر ہوتی ہے اور وہ اجمال کو کُلّی طور پر غیب الغیب میں جانتا ہے اور صفاتی میں اس کا علم نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ غیب الغیب میں اس پر اس کا وقوع ہوتا ہے اور یہ وہ کلام ہے جس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا سوائے غُربا کے اور اس کا ذوق کوئی نہیں رکھتا سوائے اُمنا کے اور اُدبا کے (یعنی مخصوص اہل اللہ کے)۔

اور اُن میں سے وہ بندے ہیں، جن پر اللہ تعالےٰ نے صفتِ بصر کی تجلّی ظاہر کی یعلم الاحاطیہ والکشفیہ کے ساتھ تو اس پر اس کی صفتِ بصر تجلّی ظاہر ہوی تو اس بندے کی بصارت اس کے علم کے ساتھ ہوی تو نہ اس بندے کا علم حق کی طرف راجع ہوا اور نہ وہ بندہ مخلوق کی طرف راجع ہوا بلکہ یہ اس بندے کی بصارت تھی جو اس پر واقع ہوی اور یہ اس طرح ہے کہ جب حق تعالےٰ نے بندہ پر صفت علمیتہ الاحاطیہ و الکشفیہ کی تجلّی ظاہر کی تو اس پر صفتِ بصر کی تجلّی ظاہر ہوی تو اس بندے کی بصارت اس پر واقع ہوی۔ اب وہ موجودات کو اُسی طرح دیکھتا ہے، جیسا کہ وہ واقعی میں ہیں۔ اور وہ غیب الغیب میں دیکھتا ہے۔ یہ سب سے عجیب بات ہے کہ عالمِ شہادت میں بھی وہ شہادت سے بے خبر ہے۔ اب دیکھو اس بلند مشہد اور روشن منظر کو کہ اُسے کس قدر حیرت میں ڈال دیتا ہے اور یہ نہیں ہے سوائے اس کے عبد صفاتی کے ہاتھ میں حق سے کچھ نہیں آیا تو اب یہاں دوئی نہیں رہی یعنی اُسے شہادت اور غیب میں کوئی فرق نہیں نظر آتا سوائے بعض اشیاء میں حکم ندور کے طور پر۔ پس اس کے لیے اکرام کے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ بخلاف عبد ذاتی کے کہ شہادت اس کے لیے غیب ہے اور غیب شہادت ہے۔ اب اس پر غور کرو۔

اور اُن میں سے وہ ہیں جن پر اللہ تعالےٰ نے صفتِ سمع کے ساتھ تجلّی ظاہر کی تو اس نے جمادات، نباتات، حیوانات کی باتیں سُن لیں اور ملائکہ کے کلام کو سُن لیا اور زبانوں کے اختلاف کو سُن لیا اور بعید اس کے لیے قریب ہو گیا اور یہ اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے اپنی صفتِ سمع کی تجلّی بندہ پر ظاہر کی تو وہ ذاتِ باری کی اس صفت واحدیت سے زبانوں کے اختلاف کو اس نے سُنا اور جمادات و نباتات کی آواز کو سُنا اور اس تجلّی میں خود بھی نے رحمٰن سے علم

رحمانیہ کو سُنا تو میں نے قرآن کی تعلیم حاصل کی اور میں رَطَل تھا اور میزان تھا اور اس کلام کو کوئی نہیں سمجھ سکتا سوائے اُن کے جو اہل اللہ میں خاص ہیں۔

اور ان میں سے وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے صفتِ تکلّم کی تجلّی ظاہر کی تو موجودات موجودات اس بندے کا کلام ہو گئے اور یہ اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے صفتِ حیات کی تجلّی ظاہر کی تو اس نے صفتِ علمیہ سے یہ جان لیا کہ اس میں حیات سرایت کر گئی، اس کے بعد بصارت اور سماعت بھی ظاہر ہوی۔ پھر اس کی حیاتِ احدیت کی قوت سے کلام کیا تو موجودات اس کے کلام کا مظہر ہو گئے اور اس وقت اس کو کلام کرتے ہوئے دیکھا۔ ازل سے ابد تک، اس کے کلام کا کوئی آخر نہیں ہے۔

اور اس تجلّی سے اللہ اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے۔ اسماء کے حجاب سے، تو بندہ سُنتا ہے۔ اس کا خطاب بغیر کسی جہت کے، تو اُس وقت کہتا ہے تو میرا حبیب ہے۔ تو میرا محبوب ہے، تو میری مراد ہے تو میرا چہرہ ہے، مخلوق میں، تو ہی بہترین مقصد ہے۔ تو ہی اعلیٰ مطلب ہے۔ تو اسرار میں میرا سِرّ ہے۔ تو انوار میں میرا نور ہے۔ تو میرا عین ہے تو میرا زَین ہے۔ تو میرا جمال ہے، تو میرا کمال ہے، تو میرا اسم ہے، تو میری ذات ہے، تو میری زبان ہے، تو میری صفات ہے۔ میں تیرا اسم ہوں میں تیرا اسم ہوں، میں تیری علامت ہوں، میرا تیرا وسم ہوں، اے میرے حبیب تو خلاصۂ اکوان ہے اور وجوب وحدثان کا مقصود ہے۔ میرے شہود کے لیے تو قریب ہو جا، میرے تیرے قریب ہوا اپنے وجود سے تو دُور مت ہو کیوں کہ میں ہوں جس نے کہا کہ: نحن اقرب من حبل الورید

اگر رب نہ ہوتا تو بندہ بھی نہ ہوتا، تو نے مجھ کو ظاہر کیا جیسے میں نے تم کو ظاہر کیا۔ اگر عبودیت نہ ہوتی تو میری ربوبیت ظاہر نہ ہوتی۔ تو نے مجھ کو پایا جیسے میں نے تجھ کو پایا۔ اگر تیرا وجود نہ ہوتا تو میں تیرے پاس موجود نہ ہوتا۔ تو میرا دوست ہے بلند سے بلند تر۔ اے میرے حبیب میں نے چاہا کہ تیرے اندر میرا وصف پیدا ہو جائے تو میں نے تجھے اپنے لیے منتخب کیا ہے۔ تو اپنی ذات کے لیے میرے غیر کو مقصود نہ بنا۔ اے میرے حبیب! ہر خوشبو میں میں ہوں، ہر محسوس میں میں ہوں، ہر طعام میں میں ہوں، ہر تخیّل میں میں ہوں، ہر معلوم میں میں ہوں، ہر محسوس میں میں ہوں، وہ متکلمین جن کی زبان پر حق بولتا ہے اس کلام کو سنتے ہیں ایک جہت سے لیکن علمی طور پر یہ بغیر جہت کے اور وہ ظاہر ہوتا

ہے خلق سے لیکن وہ اسے سنتے ہیں حق سے۔

شعر ؎

"ایک رات میں اس کے غیر میں مشغول
ہوا اور میں نے جماد سے اس کی زبان میں خطاب
کیا"

"اگر میں نے اس کے غیر جماد سے
خطاب کیا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ،
تعجب کی بات تو اس کا جواب دینا ہے۔"

اور مکلمین میں وہ ہیں کہ حق انھیں
عالم اجسام سے عالم ارواح کی طرف لے جاتا
ہے اور یہ اُن کے مراتب کے مطابق ہوتا ہے
ان میں سے کچھ وہ ہیں کہ حق ان کے قلب میں
خطاب کرتا ہے۔

اور ان میں سے وہ ہیں جن کی روح
آسمان دنیا پہ چڑھتی ہے۔ ان میں سے کچھ دوسرے
آسمان تک پہنچتے ہیں اور کچھ تیسرے آسمان
تک اپنے مرتبہ کے مطابق اور ان میں سے کوئی
وہ ہے جو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتا ہے اور اسی
طرح سے مکلمین میں ہر ایک کا حال ہے کہ حقایق
میں جس کا جتنا دخل ہے اس کے مطابق حق کا
فیضان اس کے ساتھ ہے۔ کیوں حق سبحانہٗ و تعالیٰ
ہر شئے کو اس کے مقام پہ ہی رکھتا ہے، جو اس
کے مناسب ہے۔

اور ان میں سے کوئی وہ ہے کہ کلام کے
کے وقت اس کے لیے انوار کے سرادقات کھل
دیے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی وہ ہے جس
کے لیے نور منبر تیار کیا جاتا ہے اور ان میں سے
کوئی وہ ہے جو اپنے باطن میں نور کو دیکھتا ہے
تو وہ اسی نور کی جہت سے خطاب سنتا ہے اور
کثرت سے نور کو دیکھتا ہے۔ ان میں کوئی وہ ہے
جو روحانی صورت دیکھتا ہے، اس کو خطاب
نہیں کہتے سوا اس کے کہ اللہ تعالےٰ اسے بتادے
کہ وہی خطاب کر رہا ہے۔ اور اس امر میں کسی
دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیوں اللہ تعالےٰ
کے کلام کی خاصیت یہ ہے کہ وہ مخفی نہیں رہتا
اور اگر کوئی بھی یہ جان جاے کہ وہ جو سن رہا ہے
یہ اللہ تعالےٰ کا کلام ہے تو اس کے لیے اس
میں کسی دلیل یا بیان کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ
خطاب کو سنتے ہی بندہ جان لیتا ہے کہ یہ اللہ
تعالےٰ کا کلام ہے۔ ان میں سے کوئی ہے کہ
سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا جس کے لیے کہا گیا حبیبی
حبیبی ھی ھویتی فانت عین ھو وما
ھو الا انا۔

جیسی تیری بساط میری ترکیب سے ہے
تیری کثرت میں میری واحدیت ہے۔ بلکہ
تیری ترکیب سے میری بساط ہے۔ میں تیری
مراد ہوں، میں تیرا موتی ہوں بلکہ تو میری مراد
ہے اور تو میرا موتی ہے۔ حبیبی تو ایک نقطہ
جس پہ وجود کا دائرہ قائم ہے، اس سے تو عابد
ہوا اور معبود ہوا، تو نور ہے، تو ظہور ہے، تو

حُسن اور زینت ہے، جیسے آدمی کے لیے آنکھ اور آنکھ کے لیے آدمی۔

اور مکلمین میں ایسے ہیں کہ اگر تم غیب سے آواز دو تو وہ تمھیں اس بات کی خبر دیں گے جو ابھی واقع نہیں ہوی ہے۔

اور مکلمین میں سے ایسے ہیں جو حق تعالےٰ سے کرامات طلب کرتے ہیں تو اللہ تعالےٰ انھیں کرامات سے نوازتا ہے اور یہ کرامات دلیل بن جاتی ہیں اس پر کہ اس کا اللہ تعالےٰ کے نزدیک کیا مقام ہے۔ اور مکلمین کے بارے میں اس قدر بیان کافی ہے۔

اب ہم تجلّیاتِ صفاتی کے دوسرے اقسام کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ اہلِ تجلّیاتِ صفاتی میں سے بعض وہ ہیں جن پر اللہ تعالےٰ صفتِ ارادہ کی تجلّی ظاہر فرماتا ہے تو مخلوقات اس کے ارادہ کے مطابق ہوجاتی ہیں۔ اور یہ اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے صفتِ تکلّم کی تجلّی ظاہر کی تو اپنے صفتِ تکلّم کی احدیت کے ساتھ ارادہ کیا مخلوقات پر، تو اشیا اس کے ارادہ کے مطابق ہوگئیں اور واصلین میں بہت سے ایسے ہیں کہ اس تجلّی میں انھیں رجعت ہوگئی اور انھوں نے جو دیکھا اس کے حق ہونے سے انکار کردیا۔ اور وہ اس طرح ہے کہ جب اس نے دیکھا اشیاء کو کہ وہ اس کے ارادے کے مطابق عالمِ غیب الٰہی میں مشہود ہیں اور اس نے اس کا معاینہ عالمِ غیب میں کرلیا، لیکن (بندہ اس پر راضی نہ ہوا) بلکہ اس نے خدا سے طلب کیا کہ عالمِ شہادت میں بھی ویسا ہی (تغیّر) واقع ہوجائے (جیسا کہ اس نے عالمِ غیب میں معاینہ کیا) لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کیوں کہ یہ دوئی کی خاصیت ہے تو وہ اپنے شہودِ عینی کا (جسے اس نے عالمِ غیب میں دیکھا تھا) منکر ہوگیا۔ اس کے بعد اس کو رجعت ہوگئی اور اس کے قلب کا شیشہ ٹوٹ گیا تو اس نے شہود کے بعد حق کا انکار کردیا اور اپنے وجود سے دُور ہوگیا۔

اور اہلِ تجلّیِ صفاتی میں سے بعض وہ ہیں جن پر اللہ تعالےٰ نے صفتِ قدرت کی تجلّی کو ظاہر کیا تو اس کی قدرت سے اشیا ے عالمِ عینی میں ایسی ہوگئیں جیسا کہ عالمِ غیبی میں تھیں اور جب اور ترقی ہوی تو سب پوشیدہ چیزیں اس پر ظاہر ہوگئیں۔ اور اس تجلّی میں میں نے گھنٹہ کی آواز سُنی تو میری طبیعت، رسم، اسم سب مضمحل ہوگئے اور میں ایک پرانے کپڑے کی طرح ہوگیا۔ جو کسی اونچے پیڑ سے لٹکا ہوا ہو۔ جسے تیز ہوا اِدھر اُدھر اڑا رہی ہو یہاں میں نے کچھ نہیں دیکھا سوائے بجلی کی روشنی کے اور نور کی بارش کرنے والے بادل کے اور اس سمندر کے جس میں آگ موجیں مار رہی ہو۔ پھر دیکھا کہ آسمان زمین پر ٹوٹ پڑا ہو۔ اور میں تاریکی کے پردے میں جا پڑا۔ پھر مجھ میں

نئی نئی قدرت پیدا ہوتی رہی اور میں قوی تر ہوتا گیا اور میری قدرت سے سوائے اس کی ذات کے سب پھٹتے چلے گئے، یہاں تک کہ اس نے اپنے جلال کو فعال کے پردے میں مارا اور جب کشتی جودی پہاڑ پہ آکر رک گئی (یعنی جب یہ سب واقعات ختم ہوگئے۔) تو آواز آئی: اے آسمان وزمین آجاؤ خواہ طوعًا وکرھًا۔ تو ان دونوں نے کہا ہم طائعین بن کر آئے۔

زمانے میں تُو تصرف کر جیسا تو چاہتا ہے تو مولیٰ ہے اور میں تیرا بندہ ہوں تو جس کو تو نے سعادت مند بنایا۔ اپنی قربت سے وہ تیرے قریب ہوا۔ جس کو تُو نے شقی بنایا وہ تجھ سے دُور ہوا۔ ۵

۱۔ زمانہ میں تو جس طرح چاہتا ہے تصرّف کر، کیوں کہ تو مولیٰ ہے اور ہم تیرے غلام ہیں۔

2۔ تو اپنی تلوار میان سے باہر نکال اور دشمنوں کی گردنوں پہ مار، کیوں کہ تیری تلوار دشمنوں میں بہت اثر رکھتی ہے۔

3۔ تو جو کچھ چاہتا ہے دے اور جو کچھ چاہتا ہے منع کر، کنجوسی کی وجہ سے نہیں بلکہ سخاوت کرنے کے لیے جس سے تو چاہتا ہے۔

4۔ اور تو جس کی خواہشات کا مالک بنانا چاہتا ہے بنادے اور جسے حقیر بنانا چاہتا ہے، بنادے۔ پھر وہ سردار بن نہیں سکتا۔

5۔ تو نے جو حق مُبرم کیا ہے، اس کا کوئی توڑ نہیں ہے۔ اور تو نے جس بات کو مضبوط اور مُبرم کیا ہے، اسے برقرار رکھ۔ کیوں کہ وہی اٹل ہے۔

6۔ کسی قضا پر تو عقاب کا خوف نہ کر۔ کیوں کہ تمام تیری تلوار کے نیچے ہیں اور وہ حرکت ہی نہیں کرتے۔

7۔ عالم مُلک اور عالم ملکوت دونوں تیری بادشاہت میں ہیں اور عالم جبروت اور فرشتے (کلا سعید) بھی تیرے ہیں

8۔ عرشِ مجید بھی تیرا ہے، جو عزت کا مکان ہے، کرسی پہ تو ابتداء اور اعادہ کرتا ہے۔

اور اسی تجلّی سے ہمّت والے تصرّف کرتے ہیں اور اسی تجلّی سے عالم خیال میں نئی نئی عجیب چیزوں کا تصوّر پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی تجلّی کے اثر سے جادو ہے اور اسی تجلّی کے ذریعہ اہلِ ہمّت جو چاہتے ہیں ہو جاتا ہے اور اسی تجلّی سے آدم کی طینت ہے جس کا ذکر ابنِ عربی نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اور اسی تجلّی سے سطح آب پر چلنا اور ہواؤں میں اڑنا ہے۔ اور زیادہ کا کم ہو جانا اور کم کا زیادہ ہو جانا ہے اور اسی طرح کے دوسرے خوارق

ہیں۔ اے بھائی! تعجب نہ کر کہ تمام موجودات ایک نوعِ واحد ہیں مگر اپنے وجود کی وجہ سے مختلف ہو گئیں تو اسی وجہ سے سعید سعادت مند ہوا اور اسی وجہ سے شقی شقی ہوا۔ اب سمجھ لو میں نے تمہارے لیے اس مختصر پر اکتفا کیا اور میں نے رمز اور اشارے کے طور پر بیان کر دیا۔ اگر تم واقف ہو گئے تو تم پوشیدہ تقدیر کے اسرار پر مطلع ہو جاؤ گے۔ اس وقت اگر تم کسی چیز کے بارے میں کہو گے تو اللہ تعالیٰ اپنے امر سے اس کو ویسا ہی کر دے گا۔ جیسے اُس نے کُن سے کیا۔

اور اُن میں سے وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ رحمانیت کی تجلّی ظاہر کی اور یہ اس کے بعد ہوا۔ جب اس کے لیے ربوبیت کا عرش نصیب ہوا اور اس پر وہ مستولی ہوا اور اُس کے قدم کے نیچے اقتدار کی کرسی رکھی گئی تو اُس نے موجودات کو رحمت کی نظر سے دیکھا اور وہ ذاتِ قدسی ہے۔ اس کی صفت قبولیت (یعنی موجودات اپنے وجود کے لیے اس کے محتاج ہیں اور اسی کی وجود سے قائم ہیں۔) اس کی آیات ہیں:

قل اللھم مٰلک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علیٰ کل شیء قدیر۔ تولج اللیل فی النہار وتولج النہار فی اللیل وتخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی وترزق من تشاء بغیر حساب۔

(سورہ آل عمران: ع: ۲: آیت: ۲۶: ۱/۲۷)

یہ سب عالَم غیب میں ہیں، شک سے منزّہ اور یہ سالک کے معاینہ میں آتی ہیں۔ اس کے حِسّ سے مطابق اور یہاں دو صفات اور دو ذات کا فرق نظر آتا ہے۔

اور ان میں سے وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ الوہیت کی تجلّی ظاہر کی تو یہاں تضاد جمع ہو جاتے ہیں۔ سپیدی اور سیاہی ایک ہو جاتی ہے۔ اسافل اور اعالی ایک ساتھ ہو جاتے ہیں۔ مٹی اور موتی کا فرق مٹ جاتا ہے۔ اور یہاں اسم اور وصف باہم مل جاتے ہیں۔ اور نشر و لفّ میں فرق ختم ہو جاتا ہے۔ اور امر ایک سراب کی طرح دکھائی دیتا ہے جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو وہاں کچھ نہ پایا۔ اور اپنے پاس صرف اللہ تعالیٰ کو پایا۔ اور اس سے حساب چاہا تو اس نے پیٹ دیا۔ اپنے یمین اور شمال اور کتاب کو اور اس کے بعد ظالم قوموں سے کہا گیا اور جان لیا کہ نُور تو وہی کتابِ مسطور ہے جس سے بہت سے گمراہ ہوئے اور بہت سے دوسروں نے ہدایت پائی اور جان لیا کہ اس کتاب کے سوا کوئی چارہ

نہیں اور یہی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ہے اور اسی میں ہدایت ہے اور اس کے غیر میں گمراہی ہے۔

اور اس تجلّی کے خصائص میں یہ ہے کہ بندہ تمام ملل و نحل کے عقاید و آراء کو ٹھیک ٹھیک جانتا ہے اور ان کے اصل مآخذ کو بھی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ ان میں سے کون سعید ہیں اور کس طرح سعید ہیں اور کس وجہ سے سعید ہوئے اور ان میں سے کون شقی ہیں اور کیسے شقی اور کس وجہ سے شقی ہوئے اور کہاں سے ان ملل و نحل میں داخل ہوئے۔

اور اس تجلّی کے خصائص میں ہے کہ یہاں بندے کے لیے نہ نفی ممکن ہے نہ اثبات اور بندہ اس تجلّی میں کرّوبی فرشتوں کا بھی حاجت مند نہیں ہوتا۔ میں نے اُن کے مجاہدات میں اپنے مشاہدے کے اختلاف کے مطابق عشق میں سرگشتہ پایا۔ کسی کو جمال نے حیرت میں ڈال دیا ہے اور کسی کو جلال نے۔ جو ناطق ہوا اُس کو کمال نے بیڑی پہنائی۔ جو غائب ہوا وہ اس کی ہویّت میں غائب ہے۔ جو حاضر ہے وہ اس کے حضور میں ہے۔ جو اپنی ذات سے گم ہوا وہ وجود میں ہے اور جس نے اس کو پایا وہ شہود میں ہے۔ جو حایر ہوا وہ دھشت میں ہے۔ جو دہشت میں ہے وہ حیرت میں ہے۔ جو پگھل گیا وہ فنا میں ہے۔ جو فنا سے واپس ہوا وہ بقا میں ہے۔ جو ساجد ہوا وہ عدم محض میں۔ جو عابد ہوا وہ وجود کے وجوب میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور جو وجود میں ہے مستہلک ہے اور شہود میں مستغرق ہے اور احدیت کی آگ میں محترق ہے۔ اور صمدیت کے سمندر میں غرق ہے اور جو بشریت سے باہر آگیا اُس نے اپنے کو مقام قدس میں پایا۔ جس نے بشریت کو پایا اس نے قدس کو کھویا۔ ان کے احوال کو دیکھنے والا دھشت میں ہے اور اُن کے اقوال کی تصدیق کرنے والے نے ہدایت پائی۔

———

جواہر الحقائق
نوادر الدقائق ترجمۂ جواہر الحقائق
تصنیف لطیف
ماہر علوم دین وطریقت واقف رموز معرفت وحقیقت
حافظ قرآن مجدّد جنوب حضرت شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف
نقوی قادری المعروف بہ قطب ویلور
قدس سرہٗ ـ المتوفی سنہ ۱۲۸۹ھ
ترجمہ و تشریح
ڈاکٹر حکیم مولوی سیّد افسر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللہی
شفاء ڈسپنسری ـ گڈیاتم
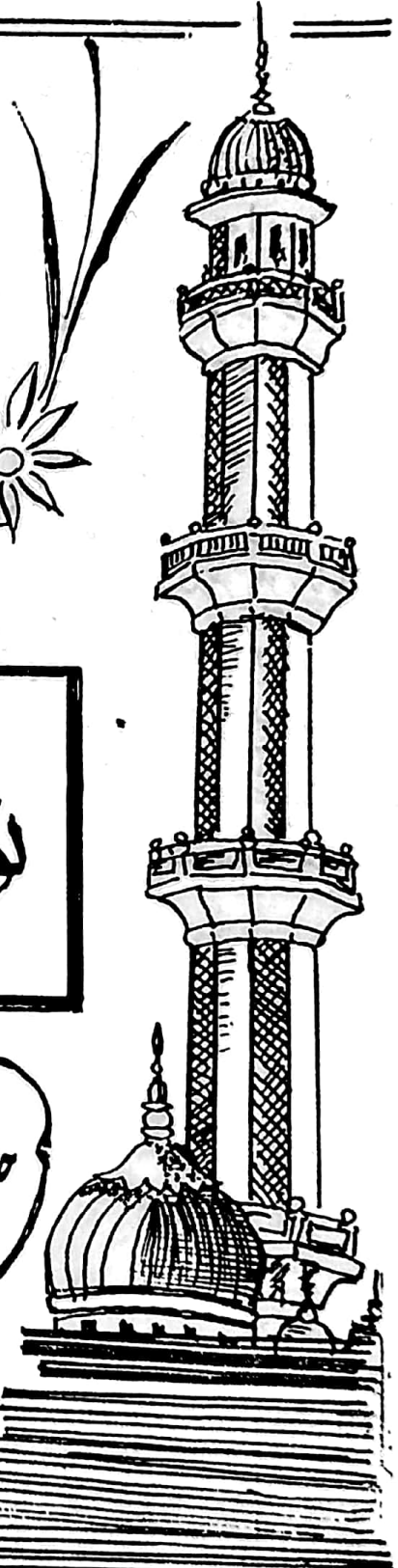
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

حمد تیری اے خدائے لم یزل — ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل
نام تیرا میرے دل کی ہے دوا — ذکر تیرا روح کی میرے شفا

جب زباں پر محمدؐ کا نام آگیا — دوستو! زندگی کا پیام آگیا
آپؐ کی مدح انساں کیا کر سکے؛ — عرش سے جب درود و سلام آگیا

ہر قسم کی تعریف ثابت ہے اس پاک پالن ہار کے لیے جو ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے اور ہزار بار درود و سلام، اُس دُر بارِ گُہر بار، خُلاصۂ کائنات، فخرِ موجودات، محسنِ اعظم، فخرِ آدم، سرورِ عالم، نورِ مجسّم صلے اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم پر، جن کے طفیل و بدولت اسلام کا بول بالا ہوا۔ اور شرک و ضلالت اور کفر و جہالت کا منہ کالا ہوا۔

الحمدللہ! زیرِ نظر کتاب "نوادر الدائق" ترجمہ "جواھر الحقائق" کی یہ نویں قسط ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جو کتاب "جواہر الحقائق" کے فائدہ نمبر ایک سے چار تک کا ترجمہ اب تک بحمداللہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس کے چاروں فائدوں کے ترجمہ سے فارغ ہو کر اللہ نے اس کے پانچویں فائدے کے ترجمہ کی توفیق بخشی تو قسط نمبر آٹھ میں پانچویں فائدے سے کچھ ہی حصہ کا

ترجمہ پیش کیا گیا تھا۔ اب اس کے بعد والے حصہ کا ترجمہ حاضر خدمت ہے۔ اور وہ بھی پورا فائدہ مکمل نہ ہو سکا ہے ان شاء اللہ اگلی قسط میں اس کی کسر پوری کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ دعا فرمائیں کہ یہ خدمت بھی باحسن وجوہ پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ آمین۔

اس ترجمہ کے تعلق سے عرض ہے کہ اس کے اندر اتنی رعایت اور کوشش کی ہے کہ ترجمہ لفظی اور بامحاورہ ہو اور بعض مقامات پہ عبارت جب دقیق اور مشکل ہوتی ہے اور اس کے سمجھنے میں خاصی دشواری پیش آتی ہے تو ایسی صورت میں عبارت کا خلاصہ یا حاصل ترجمہ کر دیا ہے۔ پھر بھی بعض مشکل اور ادق الفاظ کے افہام و تفہیم میں اگر دشواری محسوس کی تو وہاں حتی الوسع قوسین کے اندر اس کی تسہیل کر دی ہے۔ جو راقم مترجم کی جانب سے خفیف اضافہ اور فائدہ ہے۔ اور جہاں تشریح کا مستقل عنوان ہے وہاں مترجم کی طرف سے تفہیم و تشریح کی ایک ادنی کوشش سمجھیں۔

زیر نظر کتاب "نوادر الدقائق" ترجمہ "جواہر الحقائق" کی یہ نویں قسط درج ذیل عناوین پر مشتمل ہے۔

۱۔ تقسیم تعین غیر ذاتی و تشریح مترجم۔
۲۔ مظاہر خارجی۔
۳۔ عالم علوی ۔ عالم سفلی۔
۴۔ برزخ مثالی۔
۵۔ وحدت الوجود کی مثال۔
۶۔ تمثیلات مزیدہ۔
۷۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ۔
۸۔ پاکی کی دوسری قسم۔
۹۔ روح اور خالق روح میں فرق۔
۱۰۔ دائرۂ علمی، دائرۂ کونی۔
۱۱۔ وجود سے پہلے ثبوت۔
۱۲۔ تشریح مترجم۔
۱۳۔ حقائق ممکنات۔
۱۴۔ تنزل علمی۔
۱۵۔ نفس رحمانی، نفس کلیہ۔

حکیم سید افسر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللّٰہی

نوادر الدقائق ترجمۂ جواھر الحقائق قسط نمبر ۹

تقسیمِ تعیّنِ غیرِ ذاتی وتشریحِ مترجم

(پچھلی آٹھویں قسط سے پیوستہ قسط ساتویں میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ تَفَکَّرُوْا فِی آلَآءِ اللّٰہِ وَلَا تَفَکَّرُوْا فِی ذَاتِ اللّٰہِ : یعنے اللہ کی صفات میں غور وفکر کرو مگر اس کی ذات میں نہیں۔ ورنہ تم بھٹک جاؤ گے، گمراہ ہو جاؤ گے اور بقولِ شاعر: ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
گئے دونوں جہاں کے کام سے ہم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

والا حال تمہارا ہو جائے گا اور تم اپنی زندگی کو تباہ و برباد کرلیں گے اس لیے بزرگوں کے اس قول کو مانو اور اپنے ایمان کی سلامتی اسی میں جانو۔

غرض اس نازک اور کٹھن مرحلہ میں قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہے۔ اس کے اندر زیادہ گہرائی میں جانا گویا خود کو ہلاکت و بربادی کی راہ میں ڈالنے کے مصداق ہے۔ اللہ کی ذات اور اس کی کنہ وادراک میں سر کھپانا یہ انبیائے اُمت اور بزرگانِ ملت کی راہ سے قربت و نزدیکی کی راہ نہیں بلکہ دوری و مہجوری کی راہ ہے جو صراطِ مستقیم سے دور پہنچا دے گی۔

بہرحال صاحب کتاب "جواھر الحقائق" شیخ المشائخ حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ:

"جو کچھ سمجھ میں آئے اور دائرۂ عقل کے اندر ہو اور وہ سمجھ سے باہر نہ ہو وہی اصطلاح میں تعیّنِ غیرِ ذاتی کہلاتی ہے۔ پھر اسکی بھی ۲ دو قسمیں ہیں۔ ایک مظاہر داخلی ہے تو دوسری مظاہرِ خارجی۔"

مظاہر داخلی کی تفصیل وتشریح ترجمہ کی ساتویں اور آٹھویں دو مکمل قسطوں میں گذری ہے اب اس تعیّنِ غیرِ ذاتی کی یہ دوسری قسم مظاہرِ خارجی کی بحث شروع ہو رہی ہے۔
تشریح ختم۔

مظاہرِ خارجی

بہرحال غیرِ ذاتی تعیّن کی دوسری قسم مظاہرِ خارجی ہے جو اللہ کے سوا "عالم" کہلاتی ہے۔ اور اسی عالم کا دوسرا نام "دائرۃ الامکان" اور "دائرۃ الاکوان" بھی ہے اور موجودات اور ساری کائنات کو پیدا کرنے والے خالق و پروردگار نے جب ان کو وجود میں لانے اور پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اپنے وجود کا عکس (سایہ) انسان کے آئینہ میں ڈال دیا اور پھر اس سایہ کے موجودات

اور تمام عالم کو دائرۂ فانی کی شکل وصورت یہ دو قوس اور ایک قاب کی شکل پر خارج میں وجود بخشا۔

عالمِ علوی (قوسِ عروجی)، عالمِ سفلی (قوسِ نزولی)۔

عالم کی فوقانی قوس (کمان) یہ فوقانی وعروجی قوس کے مطابق وموافق ہے یہ اُلوہیت کا دائرہ (قوس کمان) عالمِ علوی کہلاتا ہے اور اسے قوسِ عروجی بھی کہتے ہیں اور تحتانی قوس (کمان) جو قوسِ تحتانی کے موافق دائرہ کی شکل میں ہوتی ہے۔ یہ عالمِ سفلی کہلاتا ہے اور اسے قوسِ نزولی بھی کہتے ہیں۔

برزخ مثالی

اور اس تیسرے دائرہ کی قاب جو دوسرے دائرہ کی قاب کی جامعیت کے طبق پر منطبق ہے یہ علوی اور سفلی یعنے عروجی اور نزولی کے دونوں قوس کی ایک جامع برزخ ہے۔ جسے "مثالی برزخ اور "مطلقِ مثال بھی کہتے ہیں۔

مثالِ وحدتُ الوجود

اور وہ اللہ تعالےٰ کی ذات وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی" کے تحت ایک تخم کے مانند ہے اور اللہ کے سوا (تمام مخلوقات وموجودات) یہ درخت کے مانند ہیں جس طرح ایک درخت کی کثرت ایک تخمِ واحد سے ظاہر ہوتی ہے اسی طرح شجرِ موجودات کی کثرت بھی ایک ایسے واحد تخم سے مکوّن ہے جو خود سے پیدا کی ہوئی ہے۔ اس مثال میں وہ بیج اگر روح اور جان کی حیثیت رکھتی ہے تو یہ درخت (جھاڑ) بدن کی حیثیت رکھتا ہے۔ (حضرت شیخ) سعدالدین حموی قدس سرّہٗ نے سچ کہا ہے۔ ؎

حق جانِ جہاں است وجہاں جُملہ بدن
ارواح وملائک چُو حواسِ ایں تن!
افلاک وعناصر وموالید اعضا
توحید ہمیں است دگر شیوہ وفن

(تمثیلات کے اس مقام پر) "حق" عالم کی جان کہلاتا ہے۔ یعنے ذاتِ حق عالم کی جان ہوتی ہے تو یہ سارا عالم اس کے بدن کی حیثیت ومقام رکھتا ہے۔ تمام ارواح اور فرشتے اس بدن کے حسیات میں شامل ہیں۔ آسمانیں، عناصر اور اعضاء وجوارح کی توالید نشوونما (یہی اصل میں) توحید ہے۔ (جو وحدت الوجود کی مثال پر منطبق ہوتی ہے اور اس مثال پر اترتی ہے۔) باقی باتیں بیکار، بکواس اور خرافات ہیں۔

(یہاں اس مثال سے یہ معلوم ہوا کہ جس

طرح کثرتِ جسم کا قیام وحدتِ جان پر ہوتا ہے اِسی طرح کثرت اور تمام اکوان (یعنے کائنات و موجودات) کا قیام بھی ایک معبود کی جان اور خالق جان پر ہوتا ہے۔

تمثیلات مزیدہ

(یہاں بات کی گیرائی و گہرائی کے پیشِ نظر)

حضرت قطبِ ویلورؒ نے کئی ایک تمثیلات پیش فرمائی ہیں کہ یہاں یوں بھی سمجھو کہ) جس طرح جان (روح) موجودہ جسم کے پردہ میں بغیر حجاب (و پردہ) کے پوشیدہ[1] ہوتی ہے اسی طرح ذاتِ حق بھی موجودات کے پردہ میں ظاہر اور بغیر حجاب پوشیدہ اور چھپی ہوئی ہے۔

اور ایسا بھی خیال کرو کہ ہر قول و عمل بغیر علمِ روح کے جس طرح ممکن نہیں۔ اسی طرح علمِ روح، علمِ ذات کے بغیر بھی ممکن نہیں۔

اور جس طرح قویٰ، حواس، اعضا اور جوارح کی حکمران یہی ایک رُوح ہوتی ہے اسی طرح ہر ہر روح اور تمام کائنات و موجودات کی حکمرانی کرنے والی بھی یہی ذاتِ حق ہوتی ہے یا پھر جس طرح کہ رُوح بدن کے فنا ہوجانے سے فنا نہیں ہوتی ہے۔ (بلکہ باقی رہتی ہے۔) جس کی تفصیل اس کتاب (جواھر الحقائق) کے انتالیسویں[39] فائدہ میں آرہی ہے۔ اسی طرح ذاتِ حق جو فنا نے روح اور تمام کائنات کے فنا ہوجانے پر بھی فانی نہیں ہوتی (بلکہ باقی رہتی ہے۔) مثنوی و معنوی: ؎

یَا خَفِیَّ الذَّاتِ مَحْسُوسَ الْعَطَاءِ
اَنْتَ کَالْمَاءِ وَ نَحْنُ کَالرَّحَاءِ
اَنْتَ کَالرِّیْحِ وَ نَحْنُ کَالْغُبَار
تَخْتَفِی الرِّیْحُ وَغُبَارُہٗ جِھَار
تو چو عقل و ما مثالِ ایں زباں
ایں زباں از عقل دارد صد بیاں
تو چو جان و ما مثالِ دست و پا
قبض و بسطِ دست شد از جاں روا

اے ذاتِ مخفی اور محسوس ہونے والی عطا، آپ پانی کے مانند ہیں اور ہم چکی کی طرح ہیں اور آپ ہوا کے مانند ہیں تو ہم غبار کی طرح۔ ہوا چھپی رہتی ہے اور غبار نظر آتی ہے۔ آپ عقل کے مانند ہیں تو ہم زبان جیسے ہیں پھر یہ زبان بھی تو آخر عقل ہی کے ذریعہ اور مدد سے ہزاروں بار بولتی ہے۔ بے شک آپ روح اور جان کی مثال رکھتے ہیں اور ہم ہاتھ اور پاؤں کے مثال میں ہیں

---

[1]: بخلاف جسمِ کثیف کے کہ وہ بغیر پردہ کے ظاہر و موجود ہوتا ہے اور حجاب کے ساتھ پوشیدہ اور چھپا ہوا ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ (قطب ویلوری)

کہ ان کا کھولنا اور بند کرنا بھی درحقیقت روح کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (کہ ان ہاتھ پاؤں میں اگر روح نہیں تو وہ بے حس و حرکت مردہ شکل میں ہوں گے۔)

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ

امام حجۃ الاسلام (غزالیؒ) اپنی کتاب "کیمیائے سعادت" کے دوسرے عنوان میں ارشاد فرماتے ہیں کہ آدمی اپنی (طبعی، مادی اور فطری) تکرار و محبت کے بغیر ہی حق تعالیٰ کی ذات کو کیوں؟ اور جس طرح کہ بغیر (ہی) پہچان سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک جسم والا بادشاہ ہے اور اس کے بدن میں روح بھی موجود ہے۔ پھر یہ جو کچھ بھی اس کے جسم سے "چوں" و "چگونہ؟" کیوں؟ اور کیسے؟؟ والے مکررات و متعلقات ہیں، یہ سبھی اس کی مملکت و بادشاہی میں داخل ہیں (اس لیے اس کی مملکت و ملکیت میں کسی کو دخل اندازی اور "چوں وچرا" کا حق نہیں ملتا۔ (اور وہ بادشاہ "چوں وچرا" کے بغیر ہی اپنے آپ مختار ہے)

اسی طرح بادشاہِ عالم کی ذات بھی بے چوں وچرا کے ہے اور جو کوئی ان محسوسات سے "چہ می گوئی" کا خیال رکھتا ہے۔ وہ جان لے کہ یہ ساری کائنات و مملکت بس اسی کی ہے۔ (اس کے اندر کسی کو دخل اندازی اور چہ می گوئی کا کوئی حق نہیں ملتا ہے۔)

پاکی کی دوسری قسم

"اور منزّہ کی دوسری قسم وہ ہے جو اس ذات کو کسی بھی جگہ سے تعلق و اضافت نہ کرد۔"

چناں چہ روح کو کسی بھی عضو کے ساتھ اضافت نہ کرو (تعلق نہ جوڑو) اور ایسا کرنا بھی نہیں چاہیئے کیوں کہ ایسا کبھی کہا نہیں گیا کہ روح ہاتھ میں ہے یا پاؤں میں ہے یا سر میں ہے یا کسی دوسری جگہ ہے۔ بلکہ وہ تو جسم کے تمام ہی اعضاء و جوارح کے نقوش میں برابر منقسم ہے۔ بٹی ہوئی ہے اور وہ ذات منقسم نہیں ہے پھر ایک غیر منقسم کو منقسم میں ملانا (تقسیم نہ ہونے والی کو تقسیم ہونے والی میں ملانا) اور اضافت دینا محال ہے۔ جس سے آپ اس کی ذات و شخصیت کے مرتبت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اور ایسا کہنے سے یہ لازم آتا ہے کہ اس ذات کے ساتھ تقسیم قبول ہوتی ہے جس کے ساتھ کسی بھی عضو کی اضافت قبول نہیں اور کوئی عضو اس ذات کے تصرف سے خالی بھی نہیں بلکہ تمام ہی (کائنات و موجودات کا ذرّہ ذرّہ) اس ذات کے حکم و فرمان اور تصرّف میں ہے۔ اور وہ ذات ان سب کی خالق و بادشاہ ہے۔

چناں چہ تمام جہاں، اس عالم کے بادشاہ کے حکم و تصرّف میں ہے اور وہ ذات

بادشاہ پاک ہے مُنَزَّہ ہے۔ ان تمام باتوں سے جو اس کی ذات کے ساتھ کسی مخصوص جگہ کی اضافت کرتے ہیں۔ (جب کہ وہ اس سے مُبَرّہ ہے مُنَزّہ ہے اور پاک ہے۔) اور اسی قسم تقدیس و تعریف کی وہ تمام باتیں جو ظاہر ہوں گی اور خاصیت اور روح کے راز و بھید کو ظاہر کریں گی ان کے اندر کسی طرح کی ڈھیل و رخصت اور "چہ می گوئی" کی گنجائش ہرگز نہیں ہے اور "اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ" (بے شک آدم علیہ السلام کو اللہ تعالے نے اپنی شکل وصورت پر پیدا فرمایا۔) یہ سب اسی سے ظاہر ہو رہے ہیں"۔ (جس میں کسی طرح کی اضافت کی گنجائش نہیں ہے۔) انتہیٰ۔ (کیمیائے سعادت)

رُوح اور خالقِ روح میں فرق

حضرت جامی قدس سرّہٗ اپنی کتاب "شرح فصوص" میں روح اور خالقِ روح کے درمیان فرق کو اس طرح ظاہر فرماتے ہیں کہ "اے انسان جان لے کہ) تیرے اور حق تعالے شانہٗ کے مابین بڑا فرق ہے (وہ کیسے؟) وہ اس طرح کہ یہ ممکن ہے (بلکہ ایسا ہوتا بھی ہے کہ) تیرے بدن سے جب روح نکل جاتی ہے تو اس روح کے نکل جانے اور جدا ہو جانے کے باوجود بھی وہ جسم باقی رہتا ہے اور یہ روح کی مفارقت اور جدائی جسم سے ہوئی ہے اور جسم باقی ہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے نام کا اطلاق تیرے جسم پر صحیح نہیں ہے۔ ہاں! مجازی طور پہ کہا جا سکتا ہے"۔ (حقیقی طور پہ نہیں کیوں کہ اب یہ بغیر روح کے ایک مردہ جسم ہے۔

برخلاف اس کے تمام عالم اور کائنات کی شکل وصورت ہے اور اس شکل وصورت کی بقار و حیوٰۃ موجود ہے اور اس سے زوالِ حق ہرگز ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ عالم اور کائنات کا وجود و بقار اور اس کی زندگی و حیات، یہ حق سبحانہٗ و تعالے کی ذات کے ساتھ موجود ہے۔ بخلاف انسان کے جسم کے کہ اس کی زندگی، اس کی حیات اور اس کی بقار روح کے ساتھ زندہ ہے اور بس" (جب تک اس کے جسم میں روح ہوگی وہ انسان کہلائے گا اور جب اس کے جسم سے روح نکل گئی تو اب وہ مردہ کہلائے گا"۔)

"مگر اس حقیقت سے اس کے وجود کو زوال نہیں ہے۔ وہ موجود ہی ہے۔ (اور موجود ہی رہے گا۔) محض اس کے بدن سے روح نکلنے پر یہ انسان فانی کہلاتا ہے۔ مگر وجود کے اعتبار سے یہ فانی نہیں ہے باقی ہے۔ صرف اس کے جسم کو زوال ہے روح اور وجود کو زوال نہیں۔) بقار ہے"۔ انتہیٰ ("شرح فصوص")

دائرۂ علمی، دائرۂ کونی

"پس دوسرے اور تیسرے

دائرہ کے درمیان جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ دائرۂ ثانی کا درجہ "علمی" ہوتا ہے اور دائرۂ ثالث (تیسرے دائرہ) کا درجہ کونی ہوتا ہے۔ اور اس ثانی دائرہ کے مراتب داخلی ہوتے ہیں۔ اور تیسرے دائرے کے درجے اور مراتب یہ خارجی ہوتے ہیں۔ اور وہ مظہر (لا تعین) ہیں۔ اور یہ مظہر (تعین اول) ہیں۔

دائرۂ کونی کے مراتب و مدارج ترتیب

خصوصیت میں قوسِ نزولی کے درجے و مرتبہ میں برابر سرابر دائرۂ علمی کے ہوتا ہے۔ قدم، قدم کے مقابل برابر ہو اور نعل نعل کے مقابل وبرابر ہو۔ جس طرح کہ ہماری مصنوعات و معلومات میں احکامات ہیں۔

پس! ان سے خصوصیاتِ علمی اور خصوصیاتِ کونی کے مابین جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ خصوصیاتِ علمی معلومات کو کہتے ہیں۔ اور خصوصیاتِ کونی مصنوعات کو۔ غرض وہاں جسم ثابت ہے اور یہاں جسم وجودی ہے۔

وجود سے پہلے ثبوت

کتاب "مکتوب مدنی" میں صاحب کتاب رقم طراز ہیں کہ (کسی چیز کے وجود سے پہلے اس کا ثبوت و ظہور ہونا ممکن ہے یا نہیں؟ سو اس تعلق سے فرماتے ہیں کہ)

"کسی چیز کا وجود ابھی ہوا ہی نہیں مگر اس کا ظہور و ثبوت ہوتا ہے۔ زمانہ میں کتنے ایسے واقعات ہیں جن کا وجود معدوم اور نیست و نابود ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ ثابت ہیں ظاہر ہیں، مقرر ہیں، ان کے احکام اور علامتوں کے ساتھ اور جب ایک اندازہ کرنے والا اور حساب لگانے والا عقل سے کام لے تو اعداد کے مراتب میں تو وہ خود کو بس طبعی قانون سے گزرتا ہوا پائے گا۔ جو فی نفسہٖ ثابت ہے۔ (یعنی اپنی ذات سے طبعی طور پر ثابت ہے۔)

اور اس سے یہ بات بدیہی طور پر بالکل علانیہ اور کھلے طور پر معلوم ہوتی ہے۔ (اس بات کو یوں سمجھو اور اس مثال پر غور کرو کہ) اگر کسی نے شادی کا ارادہ کیا، کسی شخص سے اور وہ شخص بننے والا شوہر ہے تو (محض اتنے سے ارادہ اور خواہش سے) یہ کام نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ کہ اس معاملہ میں کوئی چیز آگے پیچھے بھی کیجائے مگر پھر بھی یہ نہیں ہو سکے گا۔ اور "وجود سے پہلے ثبوت" جو ہم نے کہا تھا یہی

اس کی دلیل ہے۔

تشریحِ مترجم

مطلب یہ کہ نکاح کا ارادہ یا خواہش تو ہے یعنی عورت ہے تو اُسے مرد کی خواہش ہے، مرد ہے تو اسے عورت کی خواہش ہے۔ طبعاً و فطرتاً مگر یہ نہیں معلوم کہ مرد کون؟ عورت کون؟ اور وہ کہاں ہیں؟ کیسے ہیں؟ عُمر کیا ہے؟ تعلیم کتنی ہے؟ اخلاق کیسے ہیں؟ عادات و اطوار میں سماج میں ان کا کیا مقام ہے؟ اور کس حسب و نسب سے ان کا تعلق ہے؟ یہ سب کچھ ابھی پردۂ اخفاء میں اور صیغہ راز میں ہے۔ گویا وجود اصلی ابھی مہیّا ہی نہیں ہوا ہے مگر ثبوت و شہود مہیّا ہو گیا ہے دل ہے کہ محبت و جذبات سے سرشار ہے۔ بے انتہا اُمنگیں ہیں، خواہشات و احساسات کی فراوانی ہے طرح طرح کے خیالات و ارادات ابھرتے اور رہ رہ کر اٹھتے ہیں اور دبتے ہیں اور اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود بھی وجود کا نام و نشان دُور دُور تک نہیں ہے اور حال یہ ہے۔ کہ: ؎

خوابوں میں اُن سے ہوتی ہے جی بھر کے گفتگو
سوتے ہیں یہ جب بھی ان کا تصوّر کرے کرے

اس طرح وجود تو بعد میں ہوتا ہے مگر اس کا ثبوت و ظہور پہلے ہی ہو رہا ہے۔ تشریح ختم۔

"غرض یہ وہ ثبوت ہے جو وجود سے پہلے ہی ثابت و ظاہر ہو جاتا ہے اور پھر وہ بھی وجود خارجی کے بغیر ہی کسی طرح لامحالہ ظاہر ہو کر رہے گا جیسا کہ ہم نے مراتب۔ اعداد میں اس کا ذکر کیا ہے۔"

"اور اسی طرح تمام اقسام اور تمام جنس کے احکام کا حال ہے اور بلا شبہ ہم یہ ضرور جانتے ہیں کہ ایک کھجور کے درخت پہ جب ہماری نگاہ پڑتی ہے تو ہمیں اس کی شاخیں، خوشے اور درخت کی چھال وغیرہ کا اچھی طرح علم ہوتا ہے کہ وہ درخت اس طرح ہوتا ہے اور ایسا رہتا ہے (عام درختوں کی طرح پھیلا ہوا نہیں ہوتا۔ بلکہ ناریل کے درخت کی طرح سیدھا رہتا ہے۔ اس کی ٹہنیاں اور ڈالیاں نہیں ہوتیں) اور جب ہماری نگاہ ایک بیری کے درخت پہ پڑتی ہے تو بھی ہمیں اس کے پتّوں اور پھلوں وغیرہ کا خوب علم ہوتا ہے۔ کہ اس کے پتّے اس قسم کے ہوتے ہیں اور پھل یہ رنگ کے اور سائز کے ہوتے ہیں۔"

"بہر حال دماغ میں ہر قسم کے خیالات کے اختلاط و ملنے سے اس نوع و قسم کے لیے جو ضروری اور خصوصی احکامات ہوتے ہیں وہ خارجی طور پہ پہلے ہی سے دماغ میں موجود ہوتے ہیں، جس طرح

ہمارے اس قول سے لازماً ظاہر ہوتا ہے۔ اگر مشیّتِ خداوندی میں ایسا نہیں ہے تو پھر اس کی تخلیق صحیح طور پہ ہوتی بھی نہ تھی۔ گو کہ ایسی صورت کبھی بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی۔"

پس! اس اختلاط و آمیزش سے اور اس اصولِ لازمہ سے نفسِ واقعہ اور حقیقت میں وجودِ خارجی سے قبل ثبوت و ظہور کا واقع ہونا، پایا جاتا ہے۔ اور جو کچھ بھی خارجاً موجود ہو وہ کسی بھی حال میں ضرور ثابت ہے۔ اور اس جملہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ خارجی وجود ایک امرِ ثابت (و ظاہر) کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اسی لیے وہ اس کو موجود قرار دیتا ہے۔" انتہیٰ

(مکتوب مدنی)

حقائق ممکنات

صاحب کتاب "مکتوب مدنی"

مزید رقم طراز ہیں کہ:

"ممکنات کے حقائق یہی امور ثابتہ ہیں جو اپنی ذات کے حدود میں موجود ہو جاتے ہیں ورنہ یہ تو بس (اپنی ذات سے) معدوم اور نیست و نابود ہی رہتے ہیں* (اور محض خیالات اور تصورات کے دائرے تک محدود ہوتے ہیں۔)

"پھر یہ حقائق اسی معنی کی اعتبار سے (اصطلاح میں) معقولی یا لماہیات کہلاتے ہیں مگر معقولی (کی نسبت) عقل سے ہوتی ہے اور وہ اُمور نہ تو موجود ہی ہیں اور نہ معدوم ہی اور چاہے ان کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں مگر محض اس کے ثبوت و ظہور ہی سے یہ کہنا لازم آتا ہے۔" (کہ اس کا وجود بھی ہے گو ابھی اس کا ظہور نہیں ہوا ہے۔)

("مکتوب مدنی")

انسان کے ثبوت و ظہور کی ابتداء (اصل میں) ذاتِ خداوندی کے مقتضاء (خواہش اور چاہنے) پر ہے۔ کائنات کو عقل کے عالم میں خارجی وجود سے پہلے اور انسان کے وجود کی ابتدا بھی، جو وجود منبسط ہے یہ ذاتِ الٰہی سے صادر ہوتی ہے اور واقع ہوتی ہے۔

تنزلِ علمی

صاحب کتاب "مکتوب مدنی" یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بیشک

ثبوت و ظہور کا چشمہ اور مخزن پورے عالم کے حق میں یہی ذاتِ الٰہی کا منشاء و تقاضا یعنے حق تعالےٰ کی خواہش و چاہت ہی ہے جو عالمِ عقل میں خارجی وجود سے پہلے واقع ہوتی ہے اور اس کو حضراتِ صوفیا نے تنزلِ علمی نام رکھا ہے۔ اور اسی نام سے ان کے ہاں یاد کیا جاتا ہے۔" (مکتوب مدنی)

(بقیہ صـ74 پر)

*: معدوم بھی نہیں اور نیست و نابود بھی نہیں لہٰذا معدوم بھی نہیں اور جب یہ حقائق وجود کے دائرہ میں شامل ہوتے ہیں اور رہتے ہیں تو پھر یہ:

نقوشِ طاہر

علماء کا حیرت انگیز علم

عالیجناب حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ
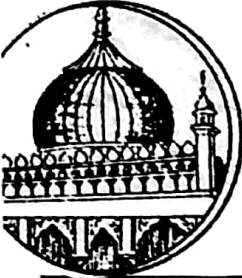
عالی جناب حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے یہ مضمون 1973ء کے شمارہ کے لیے تحریر کیا تھا۔ اس کی افادیت کے پیشِ نظر قارئین "اللطیف" کی نذر ہے۔

شکر و احسان ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کا جس نے حضرتِ انسان کو عقل و علم کے نایاب دولت سے نوازا۔ دُنیائے اسلام میں ایسے نفوسِ قدسی کو پیدا فرمایا، جن کے کارنامے اہلِ عالم کے لیے مشعلِ راہ ہیں اور ان ہی نفوسِ قدسی سے ایسے زبردست علمی کمالات ظاہر و صادر ہوے جن کو دیکھ کر عقلِ انسانی حیران و دنگ رہ جاتی ہے۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ذی علم و بے علم دونوں کا ایک مرتبہ ہو نہیں سکتا۔ عقل اور علم میں زبردست تعلق ہے۔ عقل علم کو پسند کرتی ہے اور بے علمی جہالت کو دوست رکھتی ہے۔ ایک عالم کا مرتبہ جاہل عابد کے مرتبہ سے بڑا ہے۔ جو فرق بادشاہ اور غلام میں ہوتا ہے، وہی فرق عالم اور جاہل کا ہوتا ہے۔ اگر کوئی عالم علم دوست ہے تو کوئی فقیر فقر دوست، لیکن نشانِ سرداری ہر حال میں علماء کے ہاتھ رہے گی۔ فضیلت تو صرف اہلِ علم ہی کو سزاوار ہے۔ حقیقت علم کی تلاش گویا حیاتِ حقیقی کی تلاش ہے۔

اب علمائے سلف کی بیدار مغزی اور علم و عقل کے حیرت انگیز کارناموں کو سپردِ قلم کرنے کی سعیٔ بلیغ کی جارہی ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

خلیفۂ دمشق عبدالملک بن مروان اسلامی علوم وفنون کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ ایک روز ایک عورت اس کے دربار میں حاضر ہوی اور کہنے لگی اے امیر المؤمنین! میرے بھائی کا انتقال ہوچکا ہے اور اس نے چھ سو دینار اپنے ورثہ میں چھوڑا ہے۔ لوگوں نے مجھے صرف ایک دینار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ تیرا اتنا ہی حق ہے۔ اے امیر المؤمنین! میرا کتنا حق ہے؟ مجھے پورا حق دلائیے۔ یہ سُن کر عبدالملک چکرا گیا اور فوراً ہی امام شعبیؒ کو طلب کیا اور دریافت کیا تو انھوں نے برجستہ جواب دیا کہ اے امیر المؤمنین اس عورت کا حق ایک ہی دینار ہوتا ہے کیونکہ اس کے وارثوں میں دو لڑکیاں ہوں گی تو دو ثلث یعنی چار سو دینار ان کو ملیں گے۔ اس کی

ماں بھی ہو گی تو ایک سدس یعنی ایک سو دینار اس کا حصہ ہو گا اور بیوی بھی وارث ہو گی تو اس کو پچھتر دینار حصہ میں ملیں گے اور بارہ بھائی ہوں گے تو دو دو دینار ہر ایک کے حصّہ میں ملیں گے اور ایک دینار اس عورت کو ملے گا۔ عورت نے وارثوں کے فہرست کی تصدیق کی اور مطمئن ہو کر چلی گئی۔ حضرت امام شعبیؒ کے اس قدر تصرف و کمال علمی کو دیکھ کر جو بغیر تحقیق وضاحت کے برجستہ جواب دیا تھا، خلیفہ حیران ہو گیا۔

تاریخ اسلام کا ایک اور واقعہ ہے کہ بادشاہِ بغداد مامون رشید بھی اپنے کمالات علمی میں یکتا مانا جاتا تھا۔

ایک روز عید کے موقع پر بادشاہ نے علمائے کرام و عمائدینِ شہر اور حکامِ سلطنت کو دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا۔ اس کے دسترخوان پر تین سو سے زائد قسم کے کھانے چُنے گئے تھے۔ اور جو چیز دسترخوان پر لائی جاتی تھی اس کو دیکھ کر مامون رشید کہتا کہ یہ کھانا فلاں فلاں امراض کے لیے مفید ہے اور فلاں فلاں بیماریوں کے لیے مضر ہے۔ بلغمی مزاج والے اس کو ہرگز نہ کھائیں اور صفراوی مزاج والے ضرور کھائیں اور سوادی مزاج والوں کو اس سے احتیاط اور پرہیز کرنا چاہیے۔

بادشاہ ان تمام پر سیر حاصل گفتگو کرنے لگا تو بادشاہ کے ان وسعتِ معلومات کو دیکھ کر قاضی یحییٰ بن اکثم کے حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کہنے لگے: اے امیر المؤمنین! جب آپ علم طب پر بحث کرتے ہیں تو اپنے وقت کے جالینوس معلوم ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے جواب میں کہا: کہ اے قاضی صاحب تمام جاندار مخلوقات میں انسان اشرف المخلوقات اسی لیے تو ہے کہ وہ جوہرِ عقل کی دولت سے مالامال ہے۔ ورنہ انسان کے گوشت اور خون اور دوسرے جانوروں کے گوشت اور خون میں کیا فرق ہے؟

خلیفہ مامون رشید کے زرّین دور کا ایک شاندار کارنامہ یہ بھی ہے کہ خلیفہ بڑا علم دوست اور علم نواز تھا۔ بہت سے عالم باعمل اور فاضل بے بدل علماء روشن ستاروں کے مانند علم وادب کے آسمان پر چمکتے تھے۔

بھرے دربار میں ایک روز بادشاہ کے حکم سے دو جیّد عالموں میں مناظرہ رکھا ایک طرف حضرت محمد بن علی الجواد رضی اللہ عنہ تھے دوسری طرف مشاق و تجربہ کار عالم اور اس دور کے بلند پایہ فقیہہ حضرت یحییٰ بن اکثم تھے۔ حضرت یحییٰ بن اکثم پہلے سوالات کیے تو محمد جواد نے فوری اور دندان شکن جواب دیے۔ بعد ازاں خلیفہ نے کہا کہ اے جواد تم بھی کوئی سوال کرد حضرت جواد نے حضرت یحییٰ سے ایک فقیہہ سوال کیا: اے یحییٰ یہ بتاؤ! یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت ایک

مرد نے ایک عورت کو ناجائز نگاہ سے دیکھا وہ دیکھنا اس شخص پر حرام تھا۔ جب دن چڑھ گیا تو اسی مرد کو اس عورت کو دیکھنا ہر طرح سے جائز ہوگیا۔ لیکن جب سورج ڈھلا تو پھر دیکھنا حرام ہوگیا۔ مگر جب عصر کا وقت آیا تو پھر حلال ہوگیا۔ ہاں جب سورج غروب ہوا تو پھر دیکھنا حرام ہوگیا۔ جب عشاء کا وقت آیا تو پھر حلال ہوا۔ آدھی رات ہوگئی تو پھر اس عورت کو دیکھنا حرام ہوا۔ جب صبح ہوی وہ عورت اس مرد کے لیے حلال ہوی تو بتاؤ یہ کیوں حرام ہوی اور کیسے حلال ہوی؟

حضرت یحییٰ بن اکثم باوجود وسیع علم رکھنے کے اس سوال کا جواب فوری طور پر دینے سے عاجز رہے۔ حضرت جواد نے خود ہی اس سوال کا جواب دیا۔ فرمایا:

یہ عورت دراصل کسی شخص کی لونڈی تھی، اس کو ایک اجنبی شخص نے بُری نظر سے دیکھا وہ دیکھنا اُسے حرام تھا۔ کچھ دن کا حصّہ گزرا تو وہ اجنبی شخص اُس لونڈی کو خرید لیا تو اب اُسے دیکھنا حلال ہوا۔ ظہر کے وقت اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔ اب یہ پھر غیر محرم ہوگئی اس کو دیکھنا پھر حرام ہوگیا۔ عصر کے وقت اسی عورت سے نکاح کیا۔ اب دیکھنا جائز ہوگیا۔ مغرب کے وقت اس لونڈی منکوحہ سے ظہار کر لیا۔ یعنی تو میری ماں کی طرح حرام ہے۔ اپنے منہ سے کہہ دیا۔ تو اب پھر اس کو دیکھنا حرام ہوگیا۔ عشاء کے وقت اس ظہار کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کیا۔ ظہار کا حکم ساقط ہوا۔ پھر اب دیکھنا جائز ہوگیا۔ جب آدھی رات گزری تو اس عورت کو طلاق دے دیا۔ واجباً حرام ہوگئی۔ صبح کے وقت پھر رجوع کیا۔ حلال ہوگئی۔

دربار میں سب لوگ اس علمی کمال کو دیکھ کر حیران ہوے اور دادِ تحسین دینے لگے۔ مامون رشید بہت متاثر ہوا اور اپنی دُخترِ اطہر اُمّ الفضل کا نکاح حضرت جوادؑ سے کر دیا۔ بتایا جاتا ہے کہ دین کی دولت تو خانہ زاد موجود تھی، لیکن اس طفیل میں دُنیا کی دولت بھی نصیب ہوی۔

ایک مرتبہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ بطور علمی امتحان کے آپؐ نے پوچھا: یہ بتاؤ کہ ایک درخت ہے جس کے پتے کبھی نہیں گرتے اور اس درخت کی بہت سی باتیں انسان بلکہ مسلمان سے ملتی جلتی ہیں۔ وہ کون سا درخت ہے؟ صحابۂ کرامؓ اس جواب سے عاجز رہے۔ لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال کہ وہ کھجور ہے بہت سے عالی قدر اور ذی وقار بزرگوں کی موجودگی میں بوجہ ادب و احترام بولنے کی ہمت نہیں ہوی آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ کھجور

حضرت ابنِ عمرؓ نے اپنے والدِ محترم حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا: اے نوزندا اگر تو اس وقت اس سوال کا حل کر دیتا تو مجھے بے انتہا خوشی و مسرت ہوتی اور دُنیا کی کوئی عظیم دولت بھی مجھے اتنا مسرور نہ کر سکتی تھی۔ علم و عقل کی مایہ ناز دولت سے ہی ان مسائل کا حل ہو سکتا ہے۔

خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت کی شان و دبدبہ دُنیا دیکھ چکی ہے۔ بڑے سے بڑے جابر و مغرور بادشاہ آپؓ کے مغلوب و تابع ہو چکے تھے۔ آپؓ کا علمی مرتبہ و زہد و تقویٰ بے نظیر تھا۔

ایک مرتبہ ایک نصرانی بادشاہ چند سوالات آپؓ کی خدمت میں بھیج کر اُن کا حل آسمانی کتابوں کی رُو سے طلب کیا۔ سوالات یہ ہیں:-

۱۔ ایک ماں کے شکم سے دو بچے ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں پیدا ہوئے پھر ایک روز دونوں کا انتقال ہو گیا۔ ایک بھائی کی عمر سو برس بڑی اور دوسرے بھائی کی عمر سو برس چھوٹی ہوی۔ یہ کون تھے؟ اور یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟

۲۔ وہ کونسی جگہ ہے کہ جہاں ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک صرف ایک دفعہ سورج کی شعاعیں پڑی ہیں؟

۳۔ وہ کون سی قبر ہے جس کا مردہ بھی زندہ اور قبر بھی زندہ اور قبر اپنے مدفون کو سیر کراتی پھرتی ہے؟ پھر وہ مردہ قبر سے باہر آکر زندہ رہ کر مرا؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اکثر اوقات حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے تبادلۂ خیالات و مسائل پر گفتگو کرتے رہتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے آپ کو دعادی تھی کہ الٰہی عبد اللہ ابنِ عباس (رضی اللہ عنہ) کو کتاب اور حکمت سکھادے۔ آپؓ کی اس دُعا کی برکت سے اُن کے معلوماتِ علمی بہت وسیع ہوئے لہذا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر آپ کو طلب فرمایا اور ان سوالات کے جوابات لکھنے کہا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس نے قلم لے کر برجستہ جوابات تحریر فرمایا:

وہ جوابات یہ ہیں:-

۱۔ وہ دونوں بھائی جو ایک دن کی پیدائش اور ایک دن کی وفات اور پھر ایک سو برس عمر میں چھوٹا اور ایک سو برس عمر میں بڑا وہ دونوں بھائی حضرت عزیر اور عزیز تھے۔ ایک ہی روز جوڑوان پیدا ہوئے تھے اور ان کی وفات کا دن بھی ایک ہی تھا لیکن درمیان میں حضرت عزیر کو اللہ نے اپنی قدرتِ کاملہ دکھانے کے لیے پورے سو برس

مارے رکھا۔ بعد سو برس کے پھر زندہ کیا۔ سو برس کے بعد زندہ ہوے تو اپنے گھر کو گئے۔ کچھ دن زندہ رہنے کے بعد آپ کی اور آپ کے بھائی کی وفات ایک ہی روز ہوی۔ لہذا حضرت عزیر کی عمر ایک سو سال چھوٹی اور عزیز کی ایک سو سال بڑی ہوگئی۔

۲۔ وہ زمین جس پر آفرینش عالم سے لے کر قیامت تک صرف ایک مرتبہ سورج کی شعاعیں پڑی تھیں وہ دریاے نیل کی تہ ہے کہ جہاں فرعون غرق ہوا تھا۔ اللہ کے حکم سے جب موسیٰ علیہ السلام معہ بنی اسرائیل کے سمندر پار ہونا چاہتے تھے تو موسیٰ ؑ کے معجزے سے دریا خشک ہوگیا۔ موسیٰ علیہ السلام مع بنی اسرائیل کے دریائے نیل پار کر گئے اور فرعون غرق ہوگیا اس دریا کی تہ پر سورج ایک مرتبہ ہی نکلا تھا۔

۳۔ وہ قبر جس کا مردہ بھی زندہ اور قبر بھی زندہ، وہ قبر جو اپنے مدفون کو سیر کراتی تھی وہ ایک مچھلی تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام کو خدا کے حکم سے نگل گئی تھی اور حضرت یونس اس مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہے۔ اور مچھلی آپ کو دریا کی سیر کراتی پھرتی تھی مچھلی کے پیٹ سے باہر نکل کر آپ ایک عرصہ دراز تک بہ قیدِ حیات رہے۔

نعت شریف

از
ڈاکٹر حکیم
سید افسر پاشاہ افسر
شفا ڈسپنسری
گڈیاتم

تمنّا سے یہ اپنا عاشقِ دیدار آتا ہے
نگاہِ یار ہوتی ہے تو سو سو بار آتا ہے

نظر میں ہر کوئی تو غازیٔ گفتار آتا ہے
بڑی مشکل سے کوئی غازیٔ کردار آتا ہے

اُدھر بے حد عنایت ہے اِدھر اتنی ہی غفلت ہے
خطاؤں سے یہ اپنی شرم و زیربار آتا ہے

کرم کی ان کے جب سے بخشش بے انتہا دیکھا
بہ امیدِ عنایت اک دلِ بیمار آتا ہے

ترا یہ حوصلہ؟ اُن تک رسائی ہوتی ہے ہر دم
یہ ادنیٰ خاک کا پتلا بہ شوقِ یار آتا ہے

نگاہِ یار کا صدقہ تھا ورنہ اپنی کیا ہمت؟
یہ موقع ہر کسی کو کیا کبھی ہر بار آتا ہے

عنایت پہ عنایت ان کی ہوتی ہے بہم افسر
مرے آقا پہ صدقہ جاؤں اب یہ پیار آتا ہے

توبہ کیا ہے؟

ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری، ناظم دار العلوم لطیفیہ۔ ویلور

یہ حقیقت ہے کہ انسان کو اپنے گناہوں پر مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ مایوسی انسان کو کسی کام کا رہنے نہیں دیتی۔ نہ دینی کام اس سے ہوگا نہ دنیوی کام ہی۔ دونوں کاموں میں محض مایوسی کی وجہ سے رہ جاتے رہیں گے اور ایسا شخص زندگی بھر اپنی مایوسی اور ناامیدی کی وجہ سے کسی بھی کام کا نہ رہے گا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم — نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
گئے دونوں جہاں کے کام سے ہم — نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

والی حالت ہو جائے گی۔

اس لیے ایسے بندوں سے اللہ تعالیٰ پکار کر فرماتے ہیں: لا تقنطوا من رحمۃ اللہ: اجی اللہ کی رحمت سے کبھی ناامید نہ ہونا۔ ان کی بے پایاں رحمت ہے۔ بے انتہا بخشش ہے۔ بے حد عنایتیں ہے، لازوال نوازش ہے۔ جس کا آپ خود ہی اقرار فرماتے ہیں چنانچہ حدیث قدسی ہے: سَبَقَتْ رَحْمَتِي عَلَى غَضَبِي

یعنے میرے غصہ پر میری رحمت غالب آگئی ہے جس کے نتیجے میں غصہ کرنے کی جگہ عفو، درگذر معافی اور رحمت و مغفرت سے کام لیتا ہوں اور میرے بندے کے عجز و انکسار پہ نظر کرتے ہوئے اس پر رحم و کرم کی بارش برساتا ہوں اور اس عاجز بندے پر خاص لطف و مہربانی کا برتاؤ کرتے ہوئے اسے معاف بھی کر دیتا ہوں۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں:

وَتُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ :

ترجمہ: اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح و بہبودی پاؤ اور بہتری حاصل کرو۔

دیکھیے یہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ خاص شفقت اور رحمت و محبت سے پیش آتے ہیں۔ اور بڑے پیار سے فرماتے ہیں کہ تم سب میرے سامنے سچی توبہ کرو میں تمھیں بخش دوں گا، معاف کر دوں گا۔ جس کے نتیجے میں تم فلاح پاؤ گے کامیاب ہو جاؤ گے۔

غور کرو تو معلوم ہوگا اس کے اندر اللہ کی اپنے نافرمان گنہگار بندوں کے ساتھ یہاں کس قدر محبت و شفقت ہے؟

توبہ کی حقیقت

توبہ کی اصلیت اور حقیقت ہی یہ ہے

کہ بندہ اپنے خالق و پروردگار کی بارگاہ کی طرف مائل ہو جائے، جُھک جائے "اِنابت اِلی اللّٰہ" اور "رجوع الی اللّٰہ" ہی اصل توبہ ہوتی ہے۔ ورنہ اس کے بغیر توبہ، توبہ نہیں کہلاتی۔ حدیثِ شریف میں آتا ہے کہ:

وعن ابی ھُریرۃ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلّے اللہ علَیہ وسلّم قَالَ قَالَ اللّٰہُ عزّوجلّ انَا عِندَ ظَنِّ عَبدِیْ وَاَنَا مَعَہٗ حَیثُ یَذکُرُنِیْ وَاللّٰہِ اَللّٰہُ اَفرحُ بتَوبَۃِ عَبدِہٖ مِنْ اَحَدِکُم یَجِدُ ضَالَّتَہٗ بِالْفَلَاۃِ وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیہِ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلیہ بَاعًا وَاِذَا اَقْبَلَ اِلَیَّ یَمْشِیْ اَقْبَلْتُ اِلَیہِ اُھَرْوِلُ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں (یعنی وہ میرے بارے میں جیسا گمان وخیال کرے گا ویسا ہی میں اس کے ساتھ معاملہ کروں گا۔ اب اگر وہ اچھا خیال رکھتا ہے تو اچھا ہی کروں گا، بُرا خیال رکھتا ہے تو بُرا ہی کروں گا) میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں وہ جہاں بھی اور جس جگہ بھی مجھے یاد کرتا ہے، میں اس کا ساتھ دوں گا۔ پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ خدا کی قسم جب تم میں کسی کا سامان سواری وغیرہ جنگل میں گم ہو جائے (اور اسی پریشانی کے عالم میں) پھر وہ اس کو مل جائے (تو اس کو اس وقت جتنی خوشی ہوگی اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالےٰ اپنے بندے کی توبہ سے خوش ہو جاتے ہیں (پھر اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ) جو شخص میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جو میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے میں اس کی طرف ایک بام (چار ہاتھ) آتا ہوں۔ اور جب وہ میری طرف متوجہ ہو کر معمولی چال سے یعنی پاؤں سے چلتا ہوا آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑتے ہوئے متوجّہ ہوتا ہوں"۔

(بخاری ومسلم)

حدیث کی تشریح

یہ حدیثِ قُدسی ہے، جس میں اللہ تعالےٰ ایمان والوں کے حق میں پانچ خوشخبریاں سناتے ہیں۔

(۱) ایک تو یہ ہے کہ میں بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں اور بندہ میرے ساتھ جیسی امید رکھے گا اور جیسا خیال کرے گا ویسا ہی اس کے ساتھ میرا برتاؤ ہوگا اور سلوک ہوگا۔ وہ جب یہ گمان کرے اور امید رکھے کہ اللہ تعالےٰ مجھے ضرور معاف فرمائیں گے یا بیماری سے صحت عطا کریں گے یا دنیوی آفتوں سے اور پریشانیوں سے چھٹکارا نصیب کریں گے اور طرح طرح کی مصیبتوں سے نجات دلائیں گے اور آخرت کے عذابوں سے محفوظ

فرمائیں گے، قبر کے سوال وجواب میں آسانیاں اور سہولتیں بہم پہنچائیں گے، میدان حشر کی قیامت خیز ہولناکیوں میں میری دستگیری فرمائیں گے اور ڈھارس بندھائیں گے اور مجھے راحت رسانی کے سامان بہم پہنچائیں گے تو اللہ تعالیٰ بے شک اس بندے کی اس امید وگمان کے مطابق ہی ضرور معاملہ فرمائیں گے۔ بندے کی اس امید اور گمان کو ضائع نہ ہونے دیں گے۔

غور فرمائیے کہ یہاں کتنی بڑی خوش خبری اور بشارت ہے اللہ کی طرف سے۔ اچھی اچھا خیال رکھنے اور امید باندھنے میں تو کوئی وقت بھی نہیں لگتا اور خرچ بھی نہیں ہوتا۔ پھر نیّت کرنے میں اور خیال کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟ کیوں اس طرف توجّہ نہیں ہوتی؟ اصل میں معلومات کی کمی ہے اس لیے ہم اس جانب خیال نہیں کرتے اور اس زرّین موقعہ سے فائدہ نہیں اٹھاتے حالاں کہ اللہ تعالیٰ کی شان بڑی اونچی شان ہے وہ بڑے ہی مہربان اور بڑے ہی رحم دل ہیں۔ جب ہی تو وہ محض امید اور گمان پر اتنی بڑی نوازش وعنایت اور مہربانی اور شان کریمی کا مظاہرہ فرماتے ہیں اور اپنی بے پایاں بخشش و نوازش کی بشارت دے رہے ہیں: ؎

تصدّق اپنے خدا پہ جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھ کو انشاء
اِدھر سے ایسے گناہِ پیہم اُدھر سے یہ دم بہ دم عنایت

(۲) دوسری خوش خبری جو اس حدیث میں ہے وہ یہ ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی میرا بندہ مجھے یاد کرے میں اس کے ساتھ ہوں۔ یہ اللہ کی معیّت وساتھ داری بہت بڑی دولت ونعمت ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

اس حقیقت کا کیف وسرور جو اس حدیث میں ہے صحیح معنے میں وہی بندے محسوس کرتے ہیں جو زبان ودل سے اللہ کی یاد میں مشغول ہوتے ہیں اور ہر وقت وہر آن ان کے دل وزبان پہ یہی وظیفہ حرزِ جان بنا رہتا ہے۔ بقول شاعر ؎

عنایت پر عنایت ان کی ہوتی ہے بہم انشاء
مرے مالک پہ صدقے جاؤں اب یہ پیار آتا ہے

غرض اس حدیث سے جہاں اللہ سے حسنِ ظن اور اچھا گمان رکھنے اور اچھی امید باندھنے کا سبق حاصل ہوا وہیں خدا کو ہر جگہ یاد کرنے کا علم بھی ہوا کہ جہاں اس کو یاد کرو وہاں اس کو پاؤ۔ یہی اصل میں مومن کی شان ہے۔ ورنہ جو مشرک، کافر اور منافق ہوتے ہیں وہ کبھی اللہ کے ساتھ حسنِ ظن نہیں رکھتے بلکہ بُرا گمان اور بُرا خیال ہی رکھتے ہیں۔ چناں چہ ان لوگوں کے عقائد اور خیالات کے متعلق قرآن میں اللہ تعالیٰ خود علی الاعلان فرماتے ہیں کہ:

اَلظَّآنِّیْنَ بِاللّٰہِ ظَنَّ السَّوْءِ: یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ بدگمانی کرتے ہیں اور بُرا عقیدہ اور خیال رکھتے ہیں۔

بہر حال یہ کتنی بڑی نعمت اور دولت ہے

کہ اللہ کے نیک بندے اس کے ساتھ اچھا گمان رکھتے ہیں اور ان کے اس گمان کے برابر اور موافق ہی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اچھا سلوک اور اچھا معاملہ بھی فرماتے ہیں۔ وہ جہاں بھی اپنے مالک و پروردگار کو یاد کرے پکارے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آجاتی ہے اور اس بندے کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی دعا و خواہش اور مراد پوری فرما دیتے ہیں۔

دلّی میں ایک مجذوب بزرگ رہتے تھے۔ "شاہ دولہ" اُن کا نام تھا۔ جو مرجعِ خلائق تھے۔ لوگ اُن کی طرف رجوع ہوتے تھے اور ان سے دعائیں لیتے تھے۔ وہ مست قلندر کی طرح گلی بازاروں میں گھوما کرتے تھے اور زبان پر یہ جملہ اکثر ہوتا تھا کہ "جدھر مولیٰ اُدھر شاہ دولہ"

چوں کہ یہ عقیدت میں، ارادت میں پکّے تھے اور اپنے اللہ سے لو لگائے سچّی اور پکّی عقیدت رکھتے تھے اور سچّا و پکّا گمان رکھتے تھے اس لیے ان کی دعا بھی فوری قبول ہوتی تھی۔

ایسے ہی قسم کے مجذوبین کے بارے میں حدیث میں آیا ہے: "رُبَّ اَشْعَثَ رَاْسِہٖ لَوْاَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ : ترجمہ: بہت سے پراگندہ سر، پراگندہ حال ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ اس کو پوری کر ہی دیتے ہیں۔

یہ اُن حضرات کے عزم راسخ کی کھلی دلیل ہے کہ انھوں نے اپنے مالک و پالن ہار کے ساتھ سچ مچ پکا گمان رکھا ہے کہ وہ جو خیال کریں گے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ اچھا رکھو تو اچھا۔ بُرا رکھو تو بُرا۔ بہر حال ہو کر ہی رہے گا۔ اس لیے ہمیں اس حدیث سے یہ سبق مل رہا ہے کہ ہم اپنے خالق و پروردگار کے ساتھ اچھا اور سچّا گمان رکھیں جس کے مطابق ہی ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ سلوک کریں گے۔ برتاؤ کریں گے۔

یہ سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک ادنیٰ بندے کے ساتھ اللہ کا ساتھ ہونا اور اس کے وہم و گمان کے موافق فیصلہ کرنا کتنی بڑی دولت ہے اور کتنی بڑی نعمت ہے۔

دُنیا میں کسی کو کسی عہدے دار کے ساتھ دوستی ہو مثلاً کلکٹر، گورنر، منسٹر، بیرسٹر یا ڈی ایس۔پی کے ساتھ دوستی اور تعلّقات ہوں تو وہ اس دوستی اور تعلق کو کتنی قوت محسوس کرتا ہے اور اپنے دل میں یہ سمجھتا ہے کہ کسی آدمی یا جماعت کی طرف سے یا پارٹی کی جانب سے مجھے تکلیف پہنچے گی تو یہ ان لوگوں کی دوستی میرے لیے کافی ہو گی، یہ میری مدد کریں گے اور مجھے ان کی اذیت اور تکلیف کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ غرض ان معمولی سی ہمّت اور طاقت پر اسے اتنا بھروسہ اور کامل اعتماد رہے۔

مگر جسے اللہ پر اعتماد ہو، اللہ کی معیت اور ساتھ داری کا پورا پورا بھروسہ اور یقین ہو تو اسے کتنی ہمّت ہو گی، کتنی خوشی ہو گی اور کس قدر سکون

وطمانیت ہوگی۔ اس کا صحیح اندازہ تو وہی کر سکے گا جسے اس راہ میں قدم رکھنا نصیب ہوا ہے۔ سچ ہے: ع

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

اور اس سکون، اسی خوشی اور طمانیت کو قرآن نے:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ سے تشبیہ دی ہے۔ اور یقین دلایا ہے۔

(۳) اس حدیثِ قدسی کی تیسری خوش خبری یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ میری طرف جو کوئی تھوڑا سا بھی بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف اس سے کئی گنا زیادہ بڑھ جاتا ہوں اور اسے اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیتا ہوں اور اس پر بے انتہا عنایت و نوازش کرتا ہوں۔

حدیث کے اس جملہ میں محض سمجھانے اور افہام و تفہیم کی خاطر بالشت، ہاتھ اور چار ہاتھ وغیرہ الفاظ آئے ہیں، جو صرف مثال کے طور پر پیش ہوئے ہیں ورنہ اللہ کی ذات تو ان ظاہری تمثیلات سے بالاتر ہے اور وہ ذات ہاتھ پاؤں وغیرہ ظاہری شکل و صورت سے بھی منزّہ اور پاک ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ہی اس کی شان ہے۔

(۴) اب حدیث کی چوتھی بشارت و خوش خبری بھی اسی مثالی افہام و تفہیم سے تعلق رکھتی ہے اور مثال سے سمجھا رہے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی طرف کوئی معمولی چال اور دھیمی رفتار سے چلے تو اللہ تعالےٰ اس کی طرف دوڑ کر پہنچ جاتے ہیں جو اُن کی شانِ کریمی اور شانِ رحیمی پہ دلالت کرتی ہے کہ خالق و پروردگار اپنے بندہ پہ بے انتہا مہربان ہو جاتے ہیں۔ جس طرح کوئی ابھی ابھی چلنے والا بچہ ہو اور نیا نیا چلنا شروع کیا ہو اور وہ گرتا پڑتا، لڑکھڑاتا چلتا ہو تو اس کو اس کے والدین اپنی طرف بلائیں اور وہ دو چار قدم بمشکل چلے تو بلانے والے جلدی سے دوڑ کر اُسے اپنی گود میں لے لیتے ہیں اور شاباشی دیتے ہیں اور ہمت بندھاتے ہیں۔

بہر حال اب میں اپنے ناظرین حضرات سے یہی کہوں گا کہ اس حدیث سے ہمیں کتنا آسان اور سہل الحصول طریقہ ملا ہے۔ کہ اس پر عمل کر کے اپنی زندگی کے ہر پہلو کو روشن اور کامیاب بنا سکتے ہیں۔ اپنے مالک و پروردگار کی رحمت بے پایاں سے فیض یاب ہونا اور نا امید نہ ہونا، حسنِ ظن رکھنا، اچھا خیال کرنا اور توبہ و استغفار میں لگے رہنا۔ ناامیدی اور مایوسی کی طرف ہرگز نہ سوچنا کیوں کہ یہ صفت مشرکین اور منافقین کی ہے۔

اور ہاں! حدیثِ بالا میں پانچویں خوشخبری یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالےٰ کو اپنے بندے کے توبہ کرنے پر اس شخص کی خوشی سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جو کسی لق و دق میدان میں، جنگل و بیابان میں پہنچ جائے اور وہاں تھوڑی دیر آرام کرنے

یا سستانے کے لیے لیٹا تھا کہ آنکھ لگ گئی ہو پھر آنکھ کھلنے پر کیا دیکھتا ہے کہ اس کی یہ سواری اونٹ یا گھوڑا غائب ہے اور اس کے ساتھ اس کا پورا ساز و سامان بھی غائب ہے تو اب بتاؤ اس کا کیا حال ہوگا؟ کس قدر پریشان ہوگا؟ نہ چلنے کو سواری نہ کھانے پینے کو توشہ اور نہ ذخیرہ اندوزی وغیرہ۔

بس اس گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں وہ چاروں طرف دوڑ دھوپ کرتا ہے بالآخر دیکھ بھال کر تھک ہار کر پوری طرح ناامید ہو کر اور یہ سمجھ کر لیٹ جاتا ہے کہ اب تو مرنا ہی ہے اور کیا۔ ایسی حالت میں اس کی یہ سواری پورے ساز و سامان کے ساتھ اس کے پاس پہنچ جائے تو بتاؤ اس کی خوشی کا کیا عالم ہوگا؟ خدا کی قسم اس وقت اس کو جو خوشی ہوگی وہ بیان سے باہر ہوگی۔

ٹھیک اسی طرح اللہ کی بارگاہ میں جب کوئی بندہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا ہے اور گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ کو اس شخص کی خوشی سے بھی بڑھ کر خوشی ہوتی ہے، جس کی سواری اور سامان گم ہو کر پوری مایوسی اور ناامیدی کے بعد مل جائے۔ یہ اللہ کی شانِ رحیمی اور شانِ کریمی کا کھلا مظاہرہ ہے۔

توبہ کا طریقہ

توبہ کا طریقہ

عام طور پر جو رائج ہے وہ اصل میں صحیح طریقہ نہیں ہے۔ وہ رسمی طریقہ ہے۔ جو محض زبان سے توبہ توبہ کہہ دیں یا ہاتھ سے دونوں رخساروں پر مار لیں تو بہ توبہ اس سے ہماری یہ توبہ نہیں ہوی۔ ایسی توبہ سے تو خود توبہ ہنسنے لگتی ہے اور اسے ہنسی آجاتی ہے کہ بھلا یہ بھی کوئی طریقہ ہے توبہ کرنے کا؟ یہ شخص تو اپنے مالک و خالق کو یا اپنے فریق مقابل کو دھوکہ دے رہا ہے۔ اس رسمی توبہ سے کہ جو کچھ کرنا تھا کیا چلو اب محض زبان یا ہاتھ سے توبہ توبہ کہہ کر دل کو تسلّی دے لیں اور اپنے بھائی کو بھی تسلّی دے دیں کہ چلو ہم نے توبہ کر لی اور چھٹی لے لی آگے اللہ مالک ہے پھر دیکھ لیں گے۔ ؎

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

بھلا ایسی توبہ بھی کوئی توبہ ہے؟ جس سے دل میں نہ کوئی رنج ہے نہ فکر اور نہ شرمندگی ہی ہے۔ اسی کو شاعر کہتا ہے: ؎

سبحہ بر کف توبہ بر لب دل پُر از ذوقِ گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفارِ ما

یعنے! ہاتھ میں تسبیح ہے، زباں پر توبہ توبہ کے الفاظ ہیں اور دل گناہوں سے لبریز ہے اور گناہوں کی مزے داری میں ڈوبا ہوا ہے تو ایسی حالت میں یہ ظاہری اور زبانی توبہ توبہ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا

بلکہ الٹے گناہ خود ہنسنے لگتا ہے کہ واہ جناب! تم نے بھی یہ کیسی توبہ کی ہے اور کیسا استغفار کیا ہے بھلا یہ بھی کوئی ڈھنگ تھا یا طریقہ تھا جو تم نے اپنایا ہے اور ڈھونگ رچایا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے:

"وعن عبدِ اللہِ بنِ مَعْقِلٍ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَاَبِی عَلٰی ابنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَقَالَ لَہٗ اَبِی سَمِعْتَ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلنَّدَمُ تَوْبَۃٌ۔ قَالَ نَعَمْ۔"

(مستدرک حاکم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن معقل رضؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان سے میرے والد (معقل رضؓ) نے یہ سوال کیا کہ کیا آپ نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ شرمندہ ہوجانا توبہ ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ "ہاں"۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

(مستدرک حاکم)

اور بعض روایتوں میں یہی الفاظ کسی قدر بدل کر ہیں: "اَلتَّوْبَۃُ نَدَمٌ" جو معنی کی اعتبار سے کوئی خاص فرق بھی نہیں ہے مطلب دونوں کا ایک ہی ہے کہ توبہ اصل میں ندامت کا نام ہے یا گناہوں سے شرمندہ ہوجانا ہی توبہ ہے۔

حدیث کی تشریح

اس حدیث سے توبہ کا طریقہ اور اس کی اصلیت وحقیقت کا صحیح علم ہوتا ہے کہ توبہ کسے کہتے ہیں؟........ اپنے گناہوں پہ ندامت، شرمندگی اور پشیمانی ہی در حقیقت توبہ ہے۔ راوی حدیث کے والد محترم حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے فقیہہ الامت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے توبہ کا طریقہ اور اس کی حقیقت دریافت کی تو انھوں نے فرمایا کہ بے شک میں نے سرکارِ دو عالم نور مجسم سرورِ عالم حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ اپنے گناہوں پہ شرمندہ ہوجانا ہی اصل میں توبہ ہے۔ اور پھر شرمندگی کا تعلق دل سے ہوتا ہے زبان سے نہیں۔ محض زبان سے رسمی طور پہ شرمندگی کے الفاظ ادا کرنا کافی نہیں ہے۔ بلکہ دل سے ہوتا ہے۔

گناہ بندوں سے ہو ہی جاتے ہیں اور کسی مومن سے گناہوں کا صدور و وقوع ممکن ہے اور بعید نہیں ہے۔ اس لیے اگر کبھی کوئی گناہ ہوجائے تو ندامت سے پانی پانی ہوجانا دل میں افسوس کرنا، دل پسیج جانا اور دل سے پشیمان ہونا اور شرمندہ ہوجانا کہ ہائے میں نے ایسا کیوں کیا؟ اور ایسا کیوں ہوا! صحیح طریقہ کو جانتے ہوئے بھی یہ غلط راہ کیوں اپنائی؟

آخر مجھے کیا ہوا ؟؟ خدا رسول تو بہت دور کی بات ہے، اب لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں؟ اور کیسے سمجھاؤں؟ لوگ کیا خیال کریں گے؟ سماج میں میری عزت کہاں رہے گی؟؟ ہائے اللہ یہ کیا ہوگیا مجھے۔ توبہ توبہ! استغفر اللہ قسم بخدا اب کبھی ہرگز ایسا نہ کروں گا۔ اے اللہ مجھے معاف کردے، بخش دے۔ میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ پھر کبھی ایسی غلطی نہ کروں گا۔

یہ ہے توبہ! اسے کہتے ہیں صحیح معنوں میں شرمندگی اور پشیمانی!! ایسی توبہ سے اللہ تعالےٰ نہ صرف خوش ہوجاتے ہیں، بلکہ معاف بھی کردیتے ہیں کہ اس بندے نے میرے ساتھ اچھا گمان اور اچھا خیال رکھا ہے۔ اب میں نہیں بخشوں تو کون بخشے گا؟ چلو میں نے اسے بخش دیا۔ اس کے گناہ مٹا دیے۔

خلیفۃ المسلمین امیرالمؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ کی خلافت کا دور ہے شراب حرام ہوچکی تھی۔ چاروں طرف خلیفہ کی دھاک بیٹھی ہے ان کے اس رعب و داب سے قیصر و کسریٰ اور شام و روم کی سلطنتیں بھی لرزہ براندام ہیں۔ شام کا وقت ہے امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ حسب معمول اپنی رعایا کا محاسبہ اور انکو اپری کرتے ہوئے شہر کا گشت لگا رہے ہیں کہ اتنے میں سامنے ایک صاحب پر نظر پڑگئی جن کے ہاتھ میں شراب سے بھری بوتل تھی اور وہ اسے کسی دھن میں لیے جارہے تھے اور انھوں نے یہ سوچا بھی نہ تھا کہ اس طرح رات کے وقت میں ان سے دفعتہً امیرالمؤمنین کا سامنا ہوجائے گا۔ انھوں نے جھٹ سے بوتل بغل میں دبولی اور امیرالمؤمنین نے یہ دیکھ لیا اور انھیں تاکا کہ یہ بوتل میں کیا رکھا ہے؟ اسے کیوں چھپاتا ہے؟؟

اب اُن صاحب کے پیر تلے سے زمین کھسک گئی۔ دل ہی دل میں سچی توبہ کی پوری طرح نادم ہو گئے اور قسم کھائی کہ آئندہ پھر کبھی ایسی حرکت نہ کروں گا۔ یا اللہ! تو میری لاج رکھ لے۔ اتنا دل میں آنا تھا۔ اللہ نے ان کی لاج رکھ لی اور توبہ قبول کرلی پھر فوراً انھوں نے عرض کیا: اے امیرالمؤمنین بوتل میں شہد رکھی ہے۔ ہاتھ سے چھوٹ جانے کے خوف سے بغل میں دبا رکھی ہے۔

اب امیرالمؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے وہ بوتل چھین لی اور دیکھا تو واقعی اس کے اندر اصلی شہد موجود ہے۔ خدا کی قسم! یہ شراب سے بھری بوتل اب شہد بن گئی ہے۔ اور خالص شہد ہی ہے۔ دیکھا آپ نے یہ تھی سچی توبہ جس کے نتیجے میں شراب اصلی شہد بن گئی۔ خود امیر المؤمنین کو تعجب ہونے لگا اور وہ حیرت و استعجاب میں پڑ گئے۔

غالباً سید الطائفہ حضرت خواجہ شاہ

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے: یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید ہیں۔ انہوں نے کسی یہودی کی دکان سے کھجوریں خریدیں۔ تولتے یا ناپتے وقت ایک کھجور نیچے گر گئی۔ حضرت خواجہ اس نیچے گرے ہوئے کھجور کو اس خیال سے اٹھالیا کہ یہ میرے ناپے ہوئے حصہ سے گری ہے۔ گھر پہنچے یہ انکشاف ہوا تو وہ اسے لیے یہودی کی دکان پہنچے اور کہا کہ: بھائی! یہ ایک کھجور تمہارے ناپتے وقت نیچے گر گئی تھی اور میں نے یہ سمجھ کر کہ یہ میرے حصّہ کی ہے اٹھالی تھی۔ مگر دل یہ کہتا ہے کہ یہ تمہارے حصہ کی ہے اسے واپس لے آیا ہوں، اٹھالیں۔

یہودی تھا بہت ہوشیار۔ اس نے صورت واقعہ سے یہ بھانپ لیا کہ یہ شخص ہو نہ ہو کوئی پکا اور سچّا مسلمان ہے اور اسے اس طرح آسانی سے بخشنا بھی نہیں چاہیے۔ اس لیے اس نے کہا: تم نے بڑی بھاری غلطی کی ہے اتنی آسانی سے ہم نہیں بخشیں گے

حضرت: اجی جناب! ایک کھجور کے عوض میں پوری کھجوریں لے لو اور ہمیں چھوڑ دو۔

یہودی: واہ جناب! یہ بھی کوئی بات ہے۔ ایک شخص تو چرا کر لے جائے، اس چوری کے الزام میں اس کی کھجوریں لے لوں! اور جرمانہ نہ ڈالوں؟ یہ کون سا انصاف ہے؟

حضرت: تیری ایک کھجور کے عوض میں یہ ساری کھجوریں حاضر ہیں، یہی ایک جرمانہ ہوا اور کیا؟

یہودی: نہ صاحب نہ! ہم اتنی آسانی سے ایک چور کو نہیں بخشیں گے۔

حضرت: اچھا چلو کھجوروں کے ساتھ ان کی رقم بھی رکھ لو۔ ہمیں پیسوں کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

یہودی: بھلا ہر جانے کا یہ بھی کوئی معاوضہ ہے؟

حضرت: پھر کیا چاہتے ہو؟ کہو جلدی کہو اور میرا وقت اس طرح ضائع نہ کرو۔

یہودی: جناب چوری پہ سینہ زوری میں نے ایسی کبھی نہیں دیکھی اس پر طرفہ تماشا یہ ہے، کہ وقت ضائع نہ کرو۔

حضرت: بتائیے نا! اب میں کیا کر سکتا ہوں؟

یہودی: اب میں اس کے عوض میں ایک ہزار اشرفی سے کم جرمانہ عائد نہ کروں گا۔

حضرت: میں ایک غریب آدمی ہوں ہزار اشرفی کیا آدھی اشرفی بھی نہیں رکھتا ہوں۔ اب تم ہی بتاؤ میں کہاں سے لاؤں اور کیسے ادا کروں؟ خدا کے لیے معاف کردو اور ایک سال تک خدمت کرنے دو اور مجھ غریب پہ رحم کرو۔

یہودی: یہ رحم کی اپیل کورٹ کچہری میں ہوتی ہے۔ یہاں میری گاڑھی کمائی ہے۔ مجھے کیا پڑی رحم کرنے کی!

حضرت جب اس کی باتوں سے مایوس ہوجاتے ہیں تو وہیں اس کی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تو جب تک مجھے دل سے معاف نہیں کرے گا میں یہاں سے ہلوں گا بھی نہیں۔ نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوؤں گا۔

اب یہودی حضرت کی اس بھوک ہڑتال یا احتجاج کو دیکھ کر کچھ دیر چپ ہو جاتا ہے۔ پھر اس نے خود ہی ایک ترکیب سوجھی اور گھر کے اندر چلا گیا اور گھر کے ایک کمرے سے خالی تھیلی اٹھائی اور اس میں مٹی اور سنگ ریزے بھر کر رکھ دیے۔ پھر حضرت سے آکر کہنے لگا کہ جناب! یہ دیکھو فلاں کمرے میں میں نے اشرفیوں سے بھری تھیلی رکھی ہے اب تم اس کو اٹھاکر فلاں جگہ رکھ دو۔ بس یہی ہے تمہاری سزا۔!

حضرت کو رونا آگیا کہ: یا اللہ! عجیب افتاد میں پڑا ہوں۔ اس تھیلی کے اندر نہ جانے کیا رکھا ہے! اور اگر اشرفیاں نہ ہوں تو یہ الٹے مجھ سے اشرفیوں کا مطالبہ کرے گا۔ کہ میں نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ اس تھیلی کے اندر اشرفیاں ہیں۔ مگر اس شخص نے معلوم نہیں کہاں چھپائے کہ اب وہ اشرفیاں غائب ہیں تو میں کیا جواب دوں؟ اسی شش و پنج میں حضرت نے وہ تھیلی اٹھائی اور بسم اللہ پڑھ کر دوسرے کونے میں جہاں کی نشاندہی کی گئی تھی رکھ دی۔

یہودی اپنی جگہ سے فوراً اٹھا اور تھیلی کھولی تو واقعی اب اس کے اندر خالص سونا بھرا ہوا تھا۔ مٹی اور سنگ ریزے زرِ خالص ہو گئے تھے۔ یہودی خوشی کے مارے پھولا جا رہا تھا۔ اور حضرت سے کہنے لگا کہ: ہماری "توراۃ" میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ دینِ اسلام کے پیروکار (محمدیؐ) کی اگر توبہ قبول ہو جائے تو اس کی یہ علامت ہے کہ اگر وہ کسی مٹی کو ہاتھ لگائے تو وہ خالص سونا بن جائے۔ بس مجھے بھی یہی آزمانا تھا کہ ہماری توراۃ کی یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

اب چوں کہ میں نے یہ توبہ قبول ہونے دلیل دیکھ لی ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ کے دینِ اسلام میں مجھے لے لیں۔ اسلامی تعلیمات سے ہم کنار کریں۔ لائیے اپنا ہاتھ اور مجھے مسلمان بنائیے۔

غرض یہ اور اس جیسے بے شمار واقعات ہیں جو سچی توبہ کی قبولیت کے حقائق پر دلالت کرتے ہیں یہ کوئی کہانیاں نہیں ہیں بلکہ صحیح ہیں اور سچی توبہ کے دلائل ہیں۔

بہر حال ان واقعات سے یہ بات روزِ

روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے کہ توبہ کا جزوِ اعظم
ندامت اور پشیمانی ہے۔ اس کے بغیر توبہ کا صحیح
مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ یہی ندامت و شرمندگی خدا
کے نزدیک بہت ہی محبوب اور پسندیدہ ہے۔

انسان اپنی حقیر ذات پر نظر کرے۔
اور یہ سوچے کہ اللہ میرا خالق و پروردگار ہے، مالک و
پالن ہار ہے۔ اس نے مجھے وجود بخشا۔ طرح طرح
کی نعمتوں سے نوازا اور سرفراز کیا۔ احسن تقویم
کے تحت بے عیب خوب صورت اعضاء و
جوارح عطا کئے۔ پھر ان میں طاقت دی، قوت
دی، ہمت دی اور فراوانی کے ساتھ مال و دولت
کی نعمت بھی دی۔ پھر میں نے ان بے شمار نعمتوں
کا شکر بجا لانے اور فرماں برداری اختیار کرنے کے
بجائے الٹا گناہوں میں لگا دیا۔ یہ کتنی ناشکری اور
احسان فراموشی ہے۔ یہی تصور اور مراقبہ انسان
کو گناہوں سے باز رکھنے اور اچھے اعمال اختیار
کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس تصور کے بعد
انسان میں گناہ کی خواہش کم اور نیکی کی رغبت
زیادہ ہو جاتی ہے۔

ایسے میں اگر بھول چوک کر توبہ ٹوٹ
جائے تو پھر سے نیا عہد و پیمان باندھے اور
سچی توبہ کر لے۔ بارگاہِ ایزدی سے ناامیدی
بہت بڑا خسران ہے نقصان ہے۔ ان کا دربار
بھی کیا عجیب دربار ہے۔ ہر اپنے غیرے بھی
نوازے جاتے ہیں اور وہ خود ہی پکار پکار کر اپنے
مایوس بندوں سے مخاطب ہوتے ہیں کہ اے
نادان! تو مایوس کیوں ہو گیا ہے؟ تجھے میرے
دربار سے نااُمید نہیں ہونا ہے۔ میرے دربار
کی شان تو نے نہیں دیکھی ہے۔ میرا دربار سب
کے لیے کھلا ہے۔ یہاں مایوسی اور ناامیدی گناہ
ہے۔ ارے سُن، پھر غور سے سُن: ؎

باز آ باز آ ہر آں چہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بُت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ ..... الخ

بقولِ شاعر: ؎
صدائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

یعنے ہر مایوس العمل گنہ گار سے اللہ تعالےٰ یوں
تخاطب فرماتے ہیں کہ اے میرے مایوس بندے
باز آ، باز آ، آجا لوٹ کر آجا۔ تو جیسا بھی ہو
کتنا ہی گندہ، نالائق اور گنہ گار ہی کیوں نہ ہو
آجا اور فکر مت کر۔ اگرچہ کہ تو کافر ہے، آتش
پرست اور بُت پرست یعنے بتوں کی پُوجا کرنے
والا ہی کیوں نہ ہو پھر بھی آجا۔ میرے پاس آجا۔
یاد رکھ کہ یہ میرا دربار ہے۔ جہاں
ناامیدی نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ یہ ناامیدی
اور مایوسی کا دربار نہیں ہے۔ بلکہ پوری امید کا
کا دربار ہے۔ اگر تو نے سو دفعہ بھی توبہ توڑ دی ہے
جب بھی کوئی حرج نہیں، کوئی مضائقہ نہیں آجا
میرے بندے آجا! میں تجھے معاف کر دوں گا بخش
دوں گا۔ تو میرے ساتھ اچھی امید رکھ اور دل
سے شرمندگی کے ساتھ معافی مانگ۔ میں تجھے پھر

بھی معاف کرنے پر آمادہ ہوں۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ کہیں آپ حضرات یہ خیال نہ کرلینا کہ چلو بڑا اچھا نسخہ ہاتھ آیا اور بیتے کی بات بتائی ہے کہ گناہ بھی کیئے جاؤ اور معافی بھی مانگتے جاؤ۔

اس شعر سے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت اس کی کچھ اور ہی ہے۔ ایک ادنیٰ سا تامل سے اس میں غور کرنے سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ شروع ہی سے یہ خیال کہ اب توبہ کریں گے پھر گناہ بھی کریں گے صحیح توبہ کہاں رہی؟ جب کے پہلے ہی سے دال میں کالا ہے۔ دل نہیں مان رہا ہے۔ نفس اپنے مکر وفریب میں برابر لگا ہوا ہے۔ کہ گناہ بھی کرو، معافی بھی مانگو۔ گویا پہلا قدم ہی ٹیڑھا ہے اور نیت بُری ہے صحیح نہیں ہے۔ پھر شرمندگی بھی کہاں رہی؟ یہ تو نام کی توبہ رہی۔

مطلب اس شعر کا وہی ہے جو حدیث شریف میں آیا ہے۔ جس کی تفصیل ابھی آپ کے سامنے پیش کی ہے۔ دل سے شرمندہ ہو جانا۔ شرم سے پانی پانی ہو جانا اور آئندہ کے لیے سچّا اور پکا عہد کرنا، جس میں پہلے سے بُری نیت نہ ہونا اور صحیح نیت کے ساتھ توبہ واستغفار کرکے پکّے ارادے سے آئندہ پھر کبھی اس گناہ کے نہ کرنے کا عزم بالجزم اور راسخ الخیال کرنا یہی توبہ ہے۔ ورنہ اگر پہلے ہی سے یہ نیت ہوتی کہ اب تو توبہ کرلیں گے پھر آگے گناہ کریں گے یہ توبہ ہوئی کہاں؟

لیکن یہ بات اور ہے کہ بھول ونسیان سے اگر کبھی اس سے گناہ صادر ہو جائے تو توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور ایسی حالت میں خدا اپنے بندے سے کہتا ہے: ڈرو مت آؤ، میرے دربار میں پھر ایک بار توبہ کرکے داخل ہو جاؤ۔ گھبراؤ نہیں میں تمھیں بخشنے کے لیے تیار ہوں۔

غرض اللہ کی بڑائی اور اس کی عظمت وکبریائی کو بار بار اور ہمیشہ تصوّر میں لانا اور یاد کرتے رہنا اور اس کا مراقبہ کرتے رہنا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی ذات وحقیقت کو بھی سوچتے رہنا کہ میں کیا ہوں؟ اور کس چیز سے پیدا ہوا ہوں؟ میرے وجود کی اصلیت کیا ہے؟ اور کس گندے اور غلیظ نطفہ سے میری تخلیق ہوئی ہے؟ مجھ حقیر وذلیل کو یہ کبھی زیب نہیں دیتا کہ اپنے خالق وپروردگار کی نافرمانی کروں اور اس کی ناراضگی مول لوں! ہائے میں نے غلطی کی، مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا اور میں گناہ میں ملوث ہو گیا جس کا بعد میں احساس ہو رہا ہے۔ اے اللہ! مجھے معاف کردے اور میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ پھر کبھی ایسی غلطی نہ کروں گا۔ تو اس سے اللہ تعالیٰ خوش بھی ہو جاتے ہیں اور معاف بھی فرما دیتے ہیں۔ یہی توبہ کا طریقہ ہے اور یہ وہ ندامت وپشیمانی ہے

جو توبہ کا جزو اعظم کہلاتی ہے۔

پھر اس کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ اور حقوق العباد بھی جو ضائع ہو چکے ہوں اُن کی بھی تلافی کرے۔ حقوق اللہ میں نماز، روزہ حج، زکوٰۃ، قربانی اور خیر خیرات وغیرہ داخل ہیں۔ جنھیں شادی، بیاہ میں، مرض اور سفر میں اکثر لوگ چھوڑ دیتے ہیں۔ اب انھیں حساب لگا کر حتی المقدور ادا کرتا جائے۔ جس کی تفصیل علماء سے دریافت کر لی جائے۔ یہاں مضمون کے بخوف طوالت اختصار سے کام لے رہا ہوں۔

پھر وہ جو حقوق العباد ہیں ان کا بھی برابر حساب لگا کر چکتہ کیا جائے۔ کسی کی حق تلفی ہوئی ہو یا مال کی یا اور کسی چیز کی تو اُسے بھی لوٹا دیا جائے اور امکانی حد تک ادائیگی کا سلسلہ شروع کر دے۔ یہ ہے صحیح معنی میں توبہ اور ایسی سچی اور پکی توبہ سے مٹی سونا بن جاتی ہے اور شراب شہد بن جاتی ہے۔ اور ایک اَن ہونی بات ہونی ہو جاتی ہے اور ایک ناممکن ممکن بن جاتا ہے۔

اور یہ بات واعظیں سے آپ نے دنیلوں بار سنی ہوگی کہ بڑے پیر بے نظیر سیدنا غوث الاعظم دستگیر قدس اللہ سرہٗ کے والد بزرگوار نے اپنی جوانی کے زمانہ میں کسی دریا کے کنارے پانی میں بہتے ہوئے سیب کو اٹھا کر کھا لیا تھا۔ فوراً دل نے کہا: تو نے کس کی اجازت سے اس کو کھایا؟

بس! اب دنیا بدل گئی۔ دل میں خوفِ خدا پیدا ہو گیا۔ بے قرار ہو گئے۔ سیب جو حقوق العباد میں ہے اس لیے اس کی تلافی کی فکر ہوئی اور پانی کے بہاؤ کی طرف چل پڑے۔ پھر کیا ہوا اس کی بڑی تفصیل ہے۔ پھر کسی وقت سُن لینا۔ یہاں مجھے یہ اشارہ دینا تھا کہ حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ بزرگوار کو ایک معمولی سیب کی فکر کیوں ہوئی؟ اور وہاں سید الطائفہ شاہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کو ایک ادنیٰ کھجور کی تلافی کی فکر کیوں ہوئی؟ یہی دراصل حقوق العباد تھے۔ سچی توبہ میں ان کی تلافی بھی ضروری تھی اور ہے اس لیے ان حضرات کو اس کی فکر دامن گیر ہوئی۔

اور جب کوئی بندہ اس طرح کی صحیح توبہ کرتا ہے تو خدا کی قسم اس کا مقام بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہو جاتا ہے۔ اور ایسے ہی شخص کے حق میں میرے آقا تاج دارِ مدینہ سرکارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان سے یہ بشارت سنیے: فرمایا کہ:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ

یعنی ایسا شخص جو گناہوں سے سچی توبہ کر لے تو اب یہ ایسا ہے گویا اس کے کوئی گناہ ہی نہیں ہیں یہ اتنا پاک و صاف بن گیا کہ اس نے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔

غرض توبہ سے کتنی بڑی فضیلت اور کیسی عمدہ بشارت اور خوش خبری ملی ہے۔ دیکھا آپ نے اللہ تعالےٰ ہم سب کو توبہ کی صحیح تفہیم

اور اس پہ عمل کرنے کی نیک توفیق نصیب کرے۔ آمین!

تصوف در شریعت

شریعت و تصوّف

مولانا پی۔ محمد ابوبکر ملیباری لطیفی استاذ دارالعلوم لطیفیہ۔ ویلور

تصوّف کیا ہے؟ کیا شریعت سے

یہ چیز علاحدہ ہے؟ نہیں! طریقت و حقیقت کو شریعت سے کبھی جدا نہیں کر سکتے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شریعت اہلِ ظواہر کے لیے ہے جس نے طریقت میں قدم رکھا اس سے مکلفاتِ شرعیہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اور ظاہری صوم و صلوٰۃ کی پابندی ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ کہنا کسی طرح درست نہیں۔ جیسا کہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: کہ

الشریعۃ اقوالی والطریقۃ افعالی و الحقیقۃ احوالی والمعرفۃ اسراری

یعنی شریعت میرے اقوال ہیں، طریقت میرے افعال ہیں اور حقیقت میرے احوال ہیں اور معرفت میرے اسرار ہیں۔

حدیثِ مذکور سے یہ بات واضح ہو جاتی کہ شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت سب ایک حقیقت کے مختلف رُخ ہیں جو سب کے سب اصولِ شریعت ہی کا نام ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

بناء طریقت ما بر کتاب و سنّت است و ہر چہ مخالف کتاب و سنّت مردود و باطل است۔

یعنے ہمارے طریقت کی بنیاد کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ جو بھی اُس کے مخالف ہے وہ مردود و باطل ہے۔

اہلِ سلوک و تصوّف کا یہ طریقہ رہا ہے کہ سالک پہلے علم شریعت اور اس پر پورے طور پہ عمل پیرا ہو اور جامۂ شریعت

سے کسی بھی وقت اپنے آپ کو جدا نہ کرے۔

ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ
کن فقیہا صوفیاً و لا تکن صوفیا فقیہاً
یعنے پہلے فقیہہ بنو پھر صوفی بن جاؤ۔ ایسا نہ ہو
کہ پہلے صوفی بنو پھر فقیہہ بن جاؤ۔ حال وقال
اس کا خلافِ شرع نہ ہو۔ کسی بھی وقت میں
شریعت سے غفلت صوفی کے لیے ہلاکت و
بربادی کا سبب بن جاتا ہے جیسا کہ حضرت
سفیان ثوری علیہ الرحمہ کا واقعہ:

ایک مرتبہ آپ نے سہواً بایاں پاؤں
پہلے مسجد میں رکھا تو ندا ئے غیبی آئی
"یا ثور" حضرت سفیان اس آواز
کو سن کر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے
تو اپنے رخسار پر طمانچہ مارتے جاتے تھے اور
یہ جملہ بار بار دہراتے جاتے تھے:

اے سفیان! ایک قدم خلاف ادب
برگرفتی نامت از جریدۂ انسان محو کردند
باہوش باش۔

ترجمہ: اے سفیان! تو نے ایک قدم
خلاف ادب اٹھایا اور انسانیت کے
دائرہ سے باہر ہو گیا۔ لہذا ہوش کو
ملحوظ رکھ۔

ایک صوفی جو اپنے خالق کا جویا ہو
اور خدا تک پہنچنا چاہتا ہو تو کیسے ممکن ہے
کہ شریعتِ مطہرہ کا دامن چھوڑ دے اور خدا
تک پہنچ جائے۔ غور فرمائیے کہ انسان کی
فضیلت حیوانات پر اس لیے ہے کہ وہ
عقلِ مرشد و فکر ہادی سے نوازا گیا ہے۔
اگر اس کے باوجود وہ آداب احکام الٰہی سے
غافل ہو جائے تو وہ زمرۂ انسانیت سے
خارج کر دینے کا مستحق ہے۔ پھر یہ کیسے
صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ شریعت سے جدا
ہو کر کوئی اور راہ اختیار کر کے موصل الی
اللہ ہو جائے۔

مثال کے طور پر چند حضرات اپنے
آپ کو سالک و صوفی و پیر مرشد لوگوں
سے کہلواتے ہیں اور وہ اپنے مریدوں کو ہدایت
کرتے ہیں کہ ظاہری شریعت پر عمل کرنے سے
کچھ نہیں ہوگا۔ باطن کی روشنی میں گزارو۔ طریقہ
یہ ہے کہ دل کی نماز پڑھو۔ ہر کام دل اور
نفس کو مارنے کا کرو۔ کوئی پیر اپنے مرید کو
باقاعدہ میّت کی طرح غسل دے کر کفن
پہنا کر نمازِ جنازہ پڑھتا ہے۔ بعد اس کے
اس کو ایک ایک درجہ عطا کرتا ہے کہ وہ

شریعتِ محمدی پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہر کام باطنی طور پر ہو۔ تب وہ مریدِ کامل کہلاتا ہے۔

افسوس صد افسوس! ان اندھے پیروں پر جو ایک جاہل انسان کو اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستوں سے ہٹا کر کالانعام بل ھم اضل کو بدترین منزل پہ لا چھوڑتے ہیں۔

شریعتِ مطہرہ کا جاننے والا اگر تصوّف سے واقف نہیں تو اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کمالِ ایمان کی چاشنی سے محروم ہے اور اس کی حقیقی لذّتوں سے آشنا نہیں لیکن اگر شریعت کے بجائے تصوّف جانتا ہے اور شریعت سے جاہل ہے تو وہ نفسِ ایمان سے محروم ہو جاتا ہے جس کے بعد ہر ہر قدم پہ اس کے لیے تباہیاں ہیں۔ سنّتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہی اصل طریقت ہے۔ اعمال کی زینت دل کی صفائی اور اخلاق کی پاکیزگی کدوراتِ طبعی سے پاک ہونا ریاکاری اور خواہشِ نفسانی، ظلم و شرک اور انھیں کے مماثل چیزوں سے دل کو پاک رکھنا ایک صوفی کے لیے ضروری ہے۔ شریعت و طریقت لازم و ملزوم ہیں۔ مثلاً نمازی کے لیے نجاست سے پاک ہونا شریعت ہے اور دل کا کدوراتِ بشری سے پاک ہونا طریقت ہے۔ نماز سے پہلے وضو کرنا شریعت ہے اور ہمیشہ باوضو رہنا طریقت ہے۔ نماز میں قبلہ کی جانب رُخ کرنا شریعت ہے اور روئے دل حق کی جانب ہمیشہ رہنا طریقت ہے۔ تمام چیزوں کے اندر حواس مرتبہ میں جو چیزیں آتی ہیں ان کی رعایت کرنا شریعت ہے اور جو کچھ قلب کے اندر ہیں ان رعایت کرنا طریقت ہے۔

تصوّف کے بارے اگر مختصر تعریف کریں تو صرف اتنا کہنا بس ہے:

التصوف ھو ان یمیتک الحق و یحییک یعنی تصوّف یہ ہے کہ اللہ تجھ کو تجھ سے مار ڈالے اور خود تجھ کو زندہ فرما دے۔

صوفی کون ہے؟

جو فانی فی اللہ ہو باقی باللہ ہو۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ صوفی کون ہے؟ تو

انہوں نے فرمایا:

هوالذی یکون فی وجهه حیاءٌ و فی عینیه بکاءٌ و فی قلبه صفاءٌ و فی لسانه ثناءٌ و فی یده عطاءٌ و فی وعده وفاءٌ و فی نطقه شفاءٌ

یعنی صوفی وہ ہے جس کے چہرے پر حیاء ہو، اور اس کی آنکھیں اشک بار رہیں اور اس کا دل تمام کدورتوں سے پاک ہو اور اس کی زبان ہمیشہ اللہ کی ثناء و حمد میں مشغول ہو۔ خود کے لیے کچھ نہ رکھتا ہو۔ جو بھی ملے اللہ کی راہ میں دیتا ہو۔ جس سے بھی وعدہ کرے اسے پورا کرتا ہو۔ اور اس کی زبان سے جو بھی نکلے اس میں شفاء ہو۔

آئیے ہم یہ جانیں کہ صوفی بننے کے لیے کیا کیا جائے؟ پہلے یہ دیکھیں کہ ہمارا دل بیمار ہے یا صحت مند! اگر صحت مند ہے تو پھر اسے صوفی بننے میں بڑی آسانی ہوتی اور اگر بیمار ہے تو اس کا علاج کیسے کریں؟

انسان کا ہر عضو ایک خاص فعل کے لیے بنایا گیا ہے، جس فعل کے لیے وہ عضو بنا ہے اگر وہ فعل اس عضو سے صادر نہ ہو سکے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ عضو بیمار ہے۔ جیسے ہاتھ پکڑنے کے لیے اور پیر چلنے کے لیے آنکھ دیکھنے کے لیے اور کان سننے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اگر ہاتھ پکڑ نہ سکے اور پیر سے چلا نہ جائے، کان نہ سنے اور آنکھ نہ دیکھے تو سمجھو کہ یہ اعضاء بیمار ہیں۔ اب رہا دل یہ عضو محبت الٰہی اور معرفت اور اللہ کی عبادت کی لذت سے محروم ہو جائے تو جان لیجیے کہ دل آپ کا تندرست نہیں ہے بلکہ بیمار ہے۔ اور دل کی بیماری کیا ہے؟ غفلت، حبِّ دنیا، اتباعِ شہوات یعنی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرنا اور تکبر و حسد یہی دل کی بیماریاں ہیں۔

دل کی بیماریوں کا پرہیز یہ ہے کہ گناہ پر اصرار نہ ہو اور غافلوں کی صحبت اختیار نہ کرے۔ اجنبی عورتوں کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے اور ان سے ہم کلامی نہ ہو اور اس مال دار کی ہم نشینی اختیار نہ کرے جو اپنی مال داری پر اتراتا ہو۔ نفسانی خواہشات کی پیروی معصیت صغیرہ اور کبیرہ، قلب سے ہو یا زبان سے یا کسی عضو سے ہر حیثیت سے پرہیز کریں۔

اور اس کا علاج کسی طبیب روحانی یعنی

پیرِ کامل کی صحبت اور درس سے کیا جائے۔

پیر کامل کون ہے؟

پیرِ کامل وہ ہے، جس میں یہ علامات ہوں بقدر ضرورتِ علمِ دین رکھتا ہو۔ خواہ تحصیل سے یا صحبتِ علماء سے۔ عقائد و اعمال اور اخلاق میں شریعت کا پابند ہو اور ظاہری و باطنی طاعتوں پر مداومت رکھتا ہو۔ دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو آخرت ہمیشہ پیشِ نظر ہو۔ کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو۔ کیونکہ یہ بھی شعبۂ دنیا ہے۔ کسی پیرِ کامل کی صحبت میں چند دن رہا ہو اور اس سے فیض و برکات حاصل کیا ہو۔ خاص کر دنیا طلبی و جاہ طلبی سے اپنے آپ کو پاک وصاف رکھتا ہو۔ کیوں کہ دنیا طلبی ہی انسان کو سلوک کی منازل طے کرنے سے روکتی ہیں۔ ایک عارف نے دنیا کو خواب میں دیکھا کہ بڑھیا ہے مگر ابھی تک باکرہ ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ: یہ کیا بات ہے کہ تو نے سب کا ساتھ دیا۔ اس کے باوجود تو کیسے کنواری رہ گئی؟ دُنیا نے جواب دیا: اے عارف! جو آپ کے جیسے مرد تھے انھوں نے مجھے منہ نہیں لگایا اور جو میرے عاشق تھے وہ نامرد نکلے۔ ان کو میں نے منہ نہیں لگایا۔ اس لیے اب تک کنواری ہوں۔ دنیا طلب اور جاہ طلب افراد دنیا کو برقعہ کے اوپر سے دیکھ کر اس کے عاشق ہوگئے اور اہل اللہ نے برقعہ اٹھا کر دیکھا تو انھیں نفرت ہوگئی۔

حاصلِ کلام!

بیعت لینے کے بعد سالک کو شرعی امور میں جملہ اوامر و نواہی پر سختی سے پابند رہے۔ اتباعِ سنّت ہی سے سلوک جلد طے ہوتا ہے۔ اس میں سب سے پہلے نماز کی پابندی۔ پانچ وقت نماز کی پابندی اور ہر نماز حتّی الامکان باجماعت ادا کرے۔ اور حبِّ دُنیا سے خالی رکھے۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کے حب کو اپنے دل میں بسانا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ حبِّ دنیا کو دل میں نہ بسائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کاروبارِ زندگی سے دستبردار ہو جائے۔ بلکہ اللہ اور رسولؐ کے بتائے ہوئے حدود کے ساتھ دنیا داری کرے۔ کیوں کہ رھبانیت دین میں نہیں ہے۔

اللہ ربّ العزّت ہم سب کے دلوں کو اللہ اور رسول کی محبت سے بھر دے اور پوری طرح شریعت محمدیؐ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین ثم امین ●●

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کاتب محمد شریف برکاتی۔ آمبور

اُمّ المؤمنین کی ذات مبارک

وہ ذات ہے جنھیں سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ اولیٰ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس طرح آپ پہلی امّ المومنین ہیں، جو سرکارِ مدینہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دکھ سُکھ میں، پریشانی وراحت میں اور زندگی کے ہر مرحلہ میں آپ کی شریکِ حال رہیں اور آپ نے دامے، درمے، قدمے، سخنے اسلام، مسلمانوں اور خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تقویت پہنچاتی رہی ہیں۔

آپ کا اسمِ گرامی خدیجہ تھا اور لقب طاہرہ تھا والد بزرگوار کا نام خویلد بن اسد اور والدہ کا نام فاطمہ بنتِ زائدہ تھا۔ آپ خاندانِ قریش کی چشم وچراغ تھیں۔ والد کی طرف سے چوتھی پشت میں اور والدہ کی طرف سے دسویں پشت میں آپ کا شجرۂ نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ اس حساب سے آپ نجیب الطرفین تھیں۔

اُمّ المؤمنین کی ولادت عام الفیل ۵۵۵ء سے پندرہ برس قبل ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ پاک باز، نیک نہاد اور عفت مآب تھیں، اسی لیے آپ کو طاہرہ پکارا جانے لگا ان کے والد کا ذریعۂ معاش تجارت تھا جس کی بدولت وہ امیر الامراء میں شمار ہوتے تھے۔

جب بی بی خدیجہ سنِ شعور کو پہنچیں تو آپ کا نکاح ابو ہالہ تمیمی سے ہوا۔ جن سے دو لڑکے ہالہ اور ہند پیدا ہوئے۔ ابو ہالہ کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح عتیق مخزومی سے ہوا۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ حرب الفجار میں عتیق مخزومی کے قتل کے بعد آپ بیوگی کی زندگی گزار رہی تھیں۔ آپ کے والد کی ضعیفی کے باعث تجارت کا انصرام اور انتظام بی بی خدیجہ نے خود سنبھالا۔ اور اس حسن وخوبی سے تجارت کی کہ وہ عرب کی مال دار ترین عورت بن گئیں۔ ان کا تجارتی سامان اتنا ہوتا تھا کہ مکہ کے پورے تاجروں کے سامانِ تجارت کے برابر ہوتا تھا۔

آپ تجارت کا یہ کاروبار تجربہ کار لوگوں کے ذریعہ چلاتی تھیں۔ ان تجربہ کاروں کو کبھی نفع میں شریک کر لیتیں اور کبھی معاوضہ و اجرت دے دیتی تھیں۔

ولادتِ سرکار مدینہ کا یہ پچیسواں سال تھا کہ ایک ایسے ہی تجارتی قافلہ کی ترتیب کے وقت بی بی خدیجہ کے مبارک کانوں میں یہ مبارک خبر پہنچی کہ عرب کے جوانوں میں محمدؐ بن عبداللہ بہت ہی لائق جوان ہیں، جو صادق اور امین ہیں، اور معاملے میں راست باز ہیں۔ تو بی بی نے اپنے اس قافلے کی سربراہی اور تجارت کا سامان لے جانے کی پیش کش کی۔ جس کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے منظور فرمایا۔ قافلے کی روانگی کے وقت بی بی نے اپنے معتبر غلام میسرہ کو بھی آپ کے ہمراہ کر دیا۔ اس قافلہ کی منزل ملک شام تھی۔ جنس تجارت جلد اور منافع پر فروخت ہوئی۔ قافلہ کی واپسی پر حساب لگایا گیا تو اتنا نفع ہوا، جو بی بی کی توقع سے زیادہ تھا۔ نیز میسرہ کی زبانی سفر کے حالات، آپ کے اخلاق کی پاکیزگی، رحمت اور برکت کے مظاہر سُن کر آپ کے دل میں اپنی زندگی کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم سے وابستہ کر لینے کی آرزو و خواہش نے جنم لیا اور انھوں نے اپنی عزیز سہیلی نفیسہ کو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ وہ آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلّم کو اس نکاح پر آمادہ کر سکے۔ نفیسہ نے اس کارِ خیر کو بہت احسن طریقے سے تکمیل کو پہنچایا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مربّی اور پیارے چچا حضرت ابو طالب کی رضا مندی اور سربراہی میں برات بی بی خدیجہ کے گھر پہنچی وہاں اُمّ المومنین کے چچا عمرو بن اسد نے پانچ سو درہم مہر مقرر کیا جو منظور ہوا۔ حضرت ابو طالب نے نکاح پڑھایا اور دونوں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

نکاح کے وقت ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی عمر شریف چالیس برس اور سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچیس برس کی تھی۔ اس عمر کی تفاوت کے باوجود دونوں کی ازدواجی زندگی بے حد خوش گوار، ہموار، راحت اور آرام سے گزرتی رہی بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں غلام کنیزیں موجود تھیں پھر بھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کا ہر کام خود ہی اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔ بہت جلد ہی حضرت قاسمؓ پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں تو مولود انتقال فرما گئے۔ ان کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کنیت ابو القاسم ہوئی۔ پھر حضرت زینبؓ پیدا ہوئیں۔ ان کے بعد حضرت عبداللہؓ پیدا ہوئے یہ بھی شیر خواری میں واصل بحق ہوئے پھر حضرت رقیہؓ کی ولادت ہوئی اور آخر

ہیں سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ اولادِ نرینہ تو بچپن ہی میں انتقال فرما گئے۔ بیٹیوں نے زندگی کی بہاریں دیکھیں ان میں بھی سوائے بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے اور کوئی صاحبِ اولاد نہ ہوئیں۔

ولادت کے چالیسویں سال میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی آثارِ نبوت شروع ہوئے۔ اکثر رویائے صادقہ (سچے خواب) آنے لگے۔ دل تنہائی کا خوگر رہنے لگا۔ آپ چند دنوں کی خوراک لے کر مکہ سے دور ایک پہاڑی پر جاتے اور اس کے غار (غارِ حرا) میں عبادات و ریاضات میں مشغول رہتے جب خوراک ختم ہو جاتی تو گھر تشریف لاتے پھر خوراک کا انتظام فرماتے اور غارِ حرا پہنچ جاتے۔ کبھی کبھی خوراک ختم ہو جاتی تو بھی گھر تشریف نہ لاتے تو بی بی خدیجہ رضؓ خود سامانِ خورد و نوش لے کر غارِ حرا تشریف لے جاتیں اور حضورِ اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خوراک پہنچا آتیں۔

اسی طرح دن گزرتے رہے۔ صابر و شاکر بیوی اپنے شوہرِ نامدار کے اعمالِ حسنہ کو مستحسن سمجھتیں اور حضورؐ کی خدمت کر کے دلی سکون اور اطمینان محسوس کرتیں۔ ایک دن غارِ حرا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور حضورؐ کو اپنے سینے سے لگا کر تین بار زور سے بھینچا اور سورۃ اقراء باسم ربّک الذی خلق کی ابتدائی آیتوں کی تعلیم دی۔ آپ پر خوف طاری ہونے لگا۔ لرزنے لگے اور اسی حالت میں گھر تشریف لائے اور بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کمبل اڑھاؤ۔ آپؓ نے کمبل اڑھا دیا۔ جب آپؐ سنبھلے تو اُمّ المومنین سے غارِ حرا کا ماجرا کہہ سنایا۔ اور کہا: مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ اس پر ام المؤمنین نے تسلی اور تشفی دی اور یہ کلمات ادا فرمائے: "ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اللہ آپ کو غمگین اور اداس ہونے نہیں دے گا اور آپ کو ضائع نہیں فرمائے گا آپ تو صلہ رحمی فرماتے ہیں۔ مجبوروں اور معذوروں کی ڈھارس بندھاتے ہیں اور مدد دیتے ہیں۔ مہمان نوازی آپ فرماتے ہیں حق کی حفاظت اور رفاقت فرماتے ہیں اور حق داروں کا حق ادا فرماتے ہیں۔"

اس کے بعد بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہرِ نامدار حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلّم کو اپنے رشتہ کے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عالمِ دین، صوفی اور تجربہ کار آدمی تھے۔ اُن سے غارِ حرا کا حال کہہ سنایا۔ ورقہ بن نوفل نے بہت غور سے سُنا اور فرمایا: ' یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ اندیشہ کی کوئی بات نہیں کاش!

اس وقت میں جوان ہوتا جب آپؐ کی قوم آپؐ کو وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کرے گی تو میں آپ کی مؤثر مدد کرتا۔" اس کے بعد انھوں نے کچھ اس طرح تسلی وتشفی کے الفاظ کہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ڈھارس بندھ گئی۔ اس کے ساتھ ام المؤمنین نے اپنے شوہر کی دلدہی کچھ اس انداز میں فرمائی کہ آپ کے مبارک دل سے وحشت اور خوف بہت حد تک دور ہو گیا۔

اب بی بی کے سامنے شوہر کی برگزیدگی اور اسلام کی بات آئی تو ام المؤمنین نے نہ صرف حمایت اور تصدیق فرمائیں بلکہ اسلام قبول فرمایا اور ہر طرح اسلام اور پیغمبرِ اسلام پر قربان ہو گئیں۔

اسلام کی ابتدا اور تبلیغ کے ساتھ ہی حضور اقدس کی ذاتِ اکرم پر ایذائیں، تکالیف اور غم وغصّہ کا اظہار چاروں طرف سے ہوا۔ مگر زور دار اور اتنی سختی نہ تھی کیونکہ بی خدیجۃ الکبریٰ کی شخصیت، اثر ورسوخ اور تمول سے کافرانِ مکّہ کی ہمّت نہ ہوی مشرکین کے قبولِ اسلام کے انکار پر اکثر آں حضور بے حد غمگین ہو جاتے تھے تو بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا مولائے کائنات کے اس درد وغم اور دکھ کو دور فرمانے میں کامیاب ہوتیں۔

یہ بعثت (نبوت) کا ساتواں سال تھا کہ شعب ابی طالب میں بنو ہاشم کو نظر بند کر دیا گیا۔ مشرکین مکہ نے پوری طرح بائیکاٹ کر دیا تھا۔ اس وقت بھی ام المؤمنین نے ان نظر بندوں کی دستگیری میں کوتاہی نہیں کی۔

بنو ہاشم کے بچّے بھوک اور پیاس سے بلکتے تھے ان کی آوازیں سُن کر مشرکین مکہ قہقہے لگاتے اور خوشیاں مناتے تھے۔ مائیں چمڑے کے ٹکڑوں کو پانی میں نرم کر کے کھلاتیں۔ ایسے نازک اور مصیبت کے وقت اُم المؤمنین کے اثر ورسوخ سے غلّہ شعبِ ابی طالب میں پہنچ جاتا تھا۔ ایک بار ابن احزم کا بھیجا ہوا غلّہ روک دیا اور انھیں معاہدہ یاد دلایا اس وقت ابوالبختری کے کہنے سننے پر وہ اناج ام المؤمنین تک پہنچ گیا۔

نبوت کا دسواں سال تھا۔ پہلے آپ کے شفیق وہمدرد چچا حضرت ابو طالب کا انتقال ہوا۔ پھر تین دن بعد بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ۶۴ برس اور ۶ ماہ کی عمر میں ۱۱ رمضان شریف ۱۰ سنہ نبوت کو اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملیں۔ یہ سال **عام الحزن** کہلاتا ہے خود حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے جسدِ مبارک کو قبر میں اُتارا۔ آپ کی وفات کا صدمہ حضور کے قلبِ مبارک پہ آخر عمر تک رہا۔ آپؐ نے ام المومنین کی حیاتِ مبارک میں دوسری شادی نہیں کی

وصال کے بعد اکثر حضور صلے اللہ علیہ وسلّم

آپ کو یاد کرتے رہتے اور ذکرِ خیر فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کبھی کبھی اس ضمن میں اکثر آزردہ خاطر ہو جاتیں۔ ایک بار تو صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بی بی خدیجہ کے ذکرِ خیر پر جھنجھلا کر کہہ دیا: "آپ ہمیشہ اُس بڑھیا کو یاد فرماتے ہیں۔ حالاں کہ وہ مر چکی ہیں۔ اور اُن کی وفات کے بعد اللہ نے آپ کو اُن سے اچھی بیویاں دی ہیں۔" حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کو غصّہ آ گیا۔ اور فرمایا: "ہرگز نہیں! جب لوگ کافر تھے تو انھوں نے اسلام قبول کیا۔ جب جھٹلایا گیا تو تصدیق کی۔ جب سب دشمن تھے تو انھوں نے ہر طرح میری مدد کی اور انھیں سے میری اولاد ہوی۔"

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا میں خوبیاں ہی خوبیاں اور نیکیاں ہی نیکیاں تھیں۔ انھیں خوبیوں کی وجہ سے آپ کو دُنیا ہی میں جنّت کی بشارت دی گئی۔ ایک بار حضرت جبرئیل علیہ السلام دربارِ نبویؐ میں حاضر تھے۔ ام المومنین کو دیکھ کر فرمایا: اللہ تعالےٰ نے آپ کو جنّت میں موتیوں سے تیار کیا ہوا محل عنایت کیا ہے جس میں شور و غوغا اور تکلیف و پریشانی نہیں ہو گی۔ آپ کی شخصیت ظاہر و باطن میں ایک سی تھی۔ حق اور غیر حق کی تمییز رکھتی تھیں۔ روشن ضمیری اور روحانی قوت کی حامل تھیں۔ آپ میں دردمندی اور ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوی تھی اپنے شوہرِ نامدار کی والہانہ اور مخلصانہ خدمت کو اپنا ایمان سمجھتی تھیں۔ اسی حال میں اپنی پوری زندگی گزار دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

اللہ ہر مسلمان بیوی کو امّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے اسوۂ حسنہ، ایک فرماں بردار، دردمند، مخلص خدمت گزار بیوی، ایک بہترین اور قابل ماں اور اسلام کی سچّی شیدائی جیسی خوبیوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلّم۔ ٭٭

رہبرِ طریقت ڈاکٹر پروفیسر سیّد وحید اشرفی جیلانی کچھوچھوی

تصوّف وہ علم ہے جس کے ذریعہ عمل میں اخلاص پیدا کیا جاتا ہے اور اخلاص ہی شریعت کا مطلوب ہے ۔ اس طرح تصوّف شریعت سے جدا نہیں ہے ۔ بلکہ یہ شریعت کے اعمال میں کمال پیدا کرتا ہے ۔ علمِ تصوّف پر عمل کرنے کا نام طریقت یا سلوک ہے ۔ سلوک کے تین شعبے ہیں ۔ پہلے شعبہ کا تعلق ریاضت و مجاہدہ سے ہے ۔ دوسرا شعبہ مراقبہ کہلاتا ہے اور تیسرا شعبہ تفکّر ہے ۔ اگرچہ اصولی طور پر اس بحث کا اطلاق سلوک کے تینوں شعبوں پر ہوتا ہے ، لیکن ہم یہاں سلوک کے صرف پہلے شعبے کا ذکر کر رہے ہیں ۔ جس کا تعلق ریاضت و مجاہدہ سے ہے ۔

سلوک کی پوری تعلیم سب کے لیے یکساں نہیں ہے ۔ مثلاً بادشاہ ، جج ، سپاہی وغیرہ کے لیے سلوک کی تعلیم میں اُن کے فرائض منصبی کے اعتبار سے رعایت کی گئی ہے 'مرصاد العباد' مؤلفہ نجم الدین رازی دایہ میں اس کے متعلق کچھ تفصیلات دی گئی ہیں ۔ صاحبِ تصنیف صوفیا میں سے ہر ایک نے سلوک کے طریقہ کے متعلق نہیں لکھا ہے ۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ لوگ سلوک کے قائل نہ تھے یا اُن کے نزدیک ہر آدمی آزاد ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہے عمل کرے ۔ مولانا روم کی مثنوی سے کوئی سلوک کی تعلیم حاصل کرنا چاہے تو نہیں ملے گی ۔ اسی طرح دیوان حافظ شیرازی یا بوستانِ سعدی میں سلوک کی تعلیم کا طریقہ نہیں بتایا گیا ہے ۔ سبھی صوفیا کا اتفاق ہے کہ سلوک کی تعلیم مُرشد کی رہبری میں حاصل کرنا چاہیے اس لیے شریعت نے اسے فرض نہیں قرار دیا کہ بسا اوقات صاحبِ معرفت مُرشد کا ملنا سخت مشکل ہے ، جب کہ اسلام نے دین کو سادہ اور آسان بنایا ہے ۔ تاکہ اس پر عمل کرنا دشوار نہ ہو ۔

یہاں یہ سوال　کیا جا سکتا ہے کہ جب

اخلاصِ شریعت کا مطلوب ہے۔ لیکن طریقت
کے بغیر اخلاص ممکن نہیں ہے۔ تو سلوک کو
فرض قرار دیا جانا چاہیے تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل سلوک کو فرض
قرار نہ دیا جانا محض عمل کو آسان بنانے کے
لیے ہے۔ شریعت پر مداومت کے ساتھ عمل
کرنے سے اخلاص بھی پیدا ہوتا ہے۔ لیکن طریقت
تمام اعمال میں کمالِ اخلاص کے لیے لازمی
ہے۔ اسی لیے قرآن میں بھی آدمیوں کے
درجات کا ذکر ہے۔ ان میں ایک درجہ
ان لوگوں کا ہے جن کے اعمال اچھائی
اور برائی سے ملے جلے ہیں۔ لیکن یہ لوگ بھی
نجات پائیں گے۔ چناں چہ سورۂ توبہ میں
ہے:

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○

یعنی دوسرے لوگ جنھوں نے اپنے
گناہوں کا اعتراف کیا، انھوں نے ملے جلے
کام کیے۔ کچھ اچھے کچھ برے، تو کچھ بعید
نہیں کہ اللہ ان پر اپنی رحمت سے لوٹ
آئے۔ اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑی رحمت
والا ہے۔

وہ لوگ جن کے اعمال اچھائی اور
برائی سے ملے جلے ہیں یا ان کے بعض اعمال
میں اخلاص کی کمی ہے۔ وہ اللہ کی رحمت
سے بخش دیے جائیں گے۔ لیکن ظاہر ہے
کہ وہ انسان کامل نہیں ہیں۔ کامل انسان
وہ ہیں جنھوں نے اپنے اعمال میں کمالِ اخلاص
پیدا کر لیا ہو۔ پھر معرفت اور اس کے مطابق
اعمال کے بھی مدارج ہیں۔ اس لیے انسانِ
کامل میں بھی کمال کے مدارج ہیں۔ نجات
کے لیے شریعت کافی ہے۔ لیکن اپنی روح
کو کمال کے درجے تک پہنچانے کے لیے
طریقت بھی ضروری ہے۔

صوفیاء نے قلب کی صفائی پر زور
دیا اور انسان کو اس کے علوم مرتبہ سے آگاہ
کیا، اور سلوک کی اہمیت کو بتایا۔ لیکن
چوں کہ سلوک کی تعلیم مرشد کی اطاعت
پر منحصر ہے اس لیے ہر ایک نے اس کے
تفصیلی بیان کی ضرورت نہیں محسوس کی۔
دوسرے یہ کہ اگرچہ بعض افراد کے منصبی
فرائض کے اعتبار سے سلوک میں کچھ فرق
ہے، لیکن اس کا اصل الاصل ذکرِ الٰہی ہے
یعنی لا الٰہ الا اللہ اس پر سبھی صوفیاء
کا اتفاق ہے۔ قرآن نے بھی ذکرِ الٰہی پر بہت
زور دیا ہے۔ ذکر کی تعلیم تمام خانقاہوں میں
ہوتی چلی آرہی تھی اس لیے اس کو بار بار لکھنے
کی ضرورت نہ تھی۔ اسی طرح مراقبہ اور تفکر بھی

عملی تعلیم کے ذریعہ نسلاً بعد نسلٍ جاری تھے
ان تمام باتوں کا ذکر تفصیل سے بعض صوفیاء
نے قلم بند کر دیا ہے۔ اس لیے بیشتر صوفیاء نے
جو لکھا ہے اس کا مقصد ذہنی طور پر لوگوں کو
قبول معرفت کے لیے آمادہ کرنا ہے۔ لیکن حصولِ
معرفت مُرشد کی رہبری پر منحصر ہے۔

یہ معرفت کیا ہے؟ معرفت بھی
ایک طرح کا علم ہے لیکن علم اور معرفت میں
فرق ہے۔ ان میں وہی نسبت ہے جو خبر اور
مشاہدہ میں ہے۔ علم خبر ہے اور معرفت
مشاہدہ ہے۔ اس کی ایک مثال سے یوں
سمجھو کہ زید نے بکر کو دیکھا تو جان لیا کہ
بکر ایک آدمی ہے۔ اس کو خبر ہوی کہ بکر شاعر
بھی ہے۔ اب بکر کے بارے میں اس کے
علم میں ایک اور اضافہ ہوا۔ لیکن اگر زید کے
اندر یہ بصیرت ہو کہ اس کی شاعری کو دیکھ
کر اس کی تمام خوبیوں کا اپنی بصیرت سے
ادراک کر سکے تو یہ بکر کے بارے میں زید کی
معرفت ہوگی۔ آدمی تو بظاہر محض ہڈی،
گوشت اور پوست کا ایک ڈھانچہ ہے
اور یہ صفت تمام حیوانوں میں پائی جاتی
ہے۔ اس لیے انسان کی اصل یہ ڈھانچہ نہیں
ہے۔ اس کی اصل اس کے باطن میں ہے۔
جیسا کہ مولانا روم کہتے ہیں: ؎

اے برادر تو ہمہ اندیشہ ای
ما بقی از استخوان و ریشہ ای

(ترجمہ: اے بھائی! تمہاری اصل وہ ہے جو
تمہاری فکر ہے اس کے علاوہ تم جو کچھ ہو
وہ محض ہڈی اور ڈھانچہ ہے۔)

ایک انسان اپنی جسمانی طاقت
کو کس حد تک بڑھا سکتا ہے اس کا اندازہ
اس وقت ہو سکے گا، جب وہ پوری ریاضت
ایک مدّتِ دراز تک تمام شرائط کے ساتھ
کرے۔ اب اگر وہ دیکھ لے کہ اس ریاضت
کی تکمیل کے بعد وہ بیس من کا بوجھ اٹھا سکتا
ہے تو اپنے بارے میں اس کا یہ مشاہدہ ہوگا۔
یہ تو جسمانی طاقت کا حال ہے لیکن اگر کوئی
روح کی طاقت کو ترقی دے اور پھر اس کی
قوت کا مشاہدہ کرے تو عقل حیران رہ
جائے۔ شیخ سعدی نے بوستان میں بیان
کیا ہے کہ ایک صوفی کو دیکھا کہ شیر اور سانپ
اس کے مطیع ہیں۔ روحانی طاقت سے انسان
عناصر پر غلبہ پا لیتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ
روحانی کمالات کا عقل سے کوئی اندازہ ہی نہیں
کر سکتا۔ روحانی کمالات صرف فضلِ الٰہی سے
ہیں۔ لیکن اس کے لیے ریاضت و مجاہدہ کی
ضرورت ہے۔ سلوک میں سالک پر جن علوم
کا انکشاف ہوتا ہے وہ بھی محض خبر اور عقل
سے دریافت نہیں ہو سکتے اور وہ بھی معرفت

میں داخل ہیں، اس کے نتیجہ میں بندہ میں کامل مقصد کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام کے احوال میں ملتا ہے کہ آگ میں بھی سوائے خدا کے کسی کی رضا کے طلب گار نہ تھے۔

جاننا چاہیے کہ معرفت میں بھی دھوکا ہو سکتا ہے۔ اگر معرفت شریعت کے بالکل مطابق ہے تو وہ شریعت ہی ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا ہے کہ عارف کو یقین کا جو درجہ حاصل ہوتا ہے وہ دوسروں کو نہیں ہوتا۔ کیوں کہ دوسروں کا علم خبر پر مبنی ہے اور عارف کا علم مشاہدہ پر۔ اگر معرفت شریعت کے خلاف نہیں ہے یعنی دین کی روح کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن ان کا صریحاً ذکر بھی نہیں ملتا۔ تو حسن ظن یہ ہے کہ عارف کی تصدیق کی جائے۔ کیوں کہ جھوٹ سے کوئی بھی مقام معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر کوئی اس کی تائید نہ کرے تو اس پر کوئی فتویٰ بھی صادر نہیں کیا جا سکتا۔ اگر معرفت شریعت کے بالکل خلاف ہے تو حقیقت میں وہ معرفت ہی نہیں بلکہ الحاد و زندیقہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یا تو عارف پر شیطان کا وقتی طور پر دخل ہو گیا یا وہ عارف ہی نہیں بلکہ دوسروں کو دھوکا دے رہا ہے۔ یا اسے معرفت کا علم ہی نہیں۔ یہ معرفت بطریق الہام بھی ہو سکتی ہے اور الہام میں بھی دھوکا ہو سکتا ہے۔ اس کی ایک مثال ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

کتاب "مکتوباتِ سیّد احمد شہید" کے مکتوب ۲۶ میں صفحہ ۱۴۸ پر ایک عبارت ہے۔ میں اس کا اردو ترجمہ اسی کتاب کے صفحہ ۱۵۲ میں لکھا ہے۔ یہاں ہم صرف وہی اردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں:

"مصلحتِ وقت کے مدّنظر یہ تھی کہ اس رکنِ اعظم جہاد کا قائم رہنا شریعت کی رُو سے بغیر امام کے تقرّر کے ممکن نہیں تھا۔ اس لیے ۱۲ رجمادی الثانی ۱۲۴۲ سنہ ھ مقدّس کو مشاہیر کرام، مشائخ عظام اور قابلِ احترام شہزادوں اور صاحب حشمت خوانین اور تمام خاص و عام مسلمانوں کے اتفاق رائے سے امامت کی بیعت اس عاجز کے ہاتھ پر تکمیل پائی اور جمعہ کے روز میرا نام خطبہ میں پڑھا گیا۔ اور اس خاکسار ذرّہ بے مقدار کو اس بلند مرتبہ کے حاصل ہونے کی بشارت غیبی اشارے اور الہام کے ذریعہ جن میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں پہلے ہی دی گئی تھی۔"

سید احمد بریلوی کے ۶۶ سال پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ اس موضوع کے متعلق آگاہی دے چکے تھے۔ جو اُن کے ملفوظات بنام "القول الجلی فی

ذکر آثار الولی" کے صفحہ ۲۴۳ میں موجود ہے۔
اس کا اردو ترجمہ عارفِ کامل علامہ زید ابوالحسن فاروقی مجددی علیہ الرحمہ نے مقدمہ کتاب کے صفحہ ۵۴۵ میں لکھا ہے۔ جو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے فرمایا۔ اگر کسی درویش سے سلطنت کی خواہش اور حکومت کی رغبت ظاہر ہو اور وہ اس رغبت کو الہامِ حق کہہ کر بیان کرے کہ اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے واسطے ہے، قبول نہ کیا جائے۔ کیوں کہ یہ ہرا باغ نفسِ شیطان کا بنایا ہوا ہے۔ اس امت میں اللہ کے الہام سے ملّت کے انتظام کے لیے اولیاء اللہ میں سے سوا حضرت امام مہدی کے جو کہ آخر زمانہ میں پیدا ہوں گے کسی اور کے لیئے گنجائش نہیں ہے۔ حضرت امام مہدی دونوں کاموں کو کریں گے۔ (یعنی اعلائے کلمۃ اللہ اور انتظام امرِ ملّت) ان کے علاوہ جو بھی اس کا دعویٰ کرے اس کی غلط روی کا حکم کیا جائے کیوں کہ اس کا یہ فعل از راہ نفسانیت ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔"

اس کے بعد علامہ زید ابوالحسن فاروقی سید احمد بریلوی کی نسبت سیادت کا احترام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ ولی اللہ کا کشف اور بیان بڑا اہم اور غور طلب ہے۔ آپ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیاءِ حق اور اللہ کے برگزیدہ افراد میں سے اگر کوئی دعویٰ کرے کہ مجھ کو الہام ہوا کہ مسلمانوں کا امیر بنوں اور اسلام کی خدمت کروں تو سمجھو کہ اس کو اپنے کشف اور الہام کے سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے۔ یہ کام اخیر دور میں حضرت امام مہدی کریں گے۔" (القول الجلی: مقدمہ: ص: ۵۴۵)

معرفت کے سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ شریعت ہی حجّت ہے اور فقہا کے اقوال ہی جو قرآن وحدیث یا ان پر مبنی قیاس سے حاصل ہوتے ہیں قابلِ اتباع ہیں صوفیاء کے اقوال حجّت نہیں ہیں۔ کیوں کہ صوفیاء کے اقوال یا معرفت کی کسوٹی صرف شریعت ہی ہے تو اگر یہ اقوال یا معرفت شریعت کے عین مطابق ہیں تو ان کا ماننا اور اتباع کرنا شریعت ہی کا اتباع کرنا ہوا۔ خود صوفیاء شریعت کی پابندی میں فقہاء کے تابع تھے۔ اصل معرفت خدا سے قربت کی علامت ہے۔ اور اس یقین کی علامت ہے جو عام لوگوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ یہی اس کا اصل فائدہ ہے۔ باقی فوائد اس کے توابع میں ہیں۔

یہ معرفت جو سلوک کے نتیجہ میں حاصل

ہوتی ہے اس کا حصول فرض نہیں ہے۔ کیوں کہ سلوک بھی فرض نہیں ہے۔ لیکن اس کی فضیلت سے انکار بھی محرومی اور بے نصیبی کی دلیل ہے۔ معرفت کے بعد بندہ سے جو کرامت کا صدور ہوتا ہے اس کا بھی فاعل حقیقی صرف خدا ہے لیکن عارف فعلِ حق کا مشاہدہ خود اپنی ذات کے اندر کرتا ہے۔ اسی لیے کسی کا قول ہے: کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ: جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ یوں تو فعل حق کا اثر ساری کائنات میں جاری و ساری ہے لیکن عادی چیزوں سے عام طور پر انسان متاثر نہیں ہوتا اور غیر عادی چیزوں کو دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے اور اکثر لوگوں کے لیے عارف کی کرامت یقین کا سبب بنتی ہے۔

موجودہ زمانہ میں طریقت کے متعلق طرح طرح غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کیا قرن اول میں یہ سلوک تھا جس کی تعلیم صوفیا دیتے ہیں؟ کیا لفظ سلوک یا طریقت کی اصطلاح موجود تھی؟ اگر سلوک تھا تو اس کا ثبوت قرآن و حدیث چاہیے۔ اس غلط فہمی کا ایک بڑا سبب خود صوفیا کی وضع کردہ اصطلاحات ہیں اور ایک ہی حقیقت کے بیان میں ان کے مختلف طریقے ہیں۔ اور اس سے بڑا سبب صوفیاء کے بیانات اور اقوال سے معترضین کی ناواقفیت ہے مثلاً

فنا و بقاء، یہ عوام

یہ عوام کو لفظ فنا اور بقا سے دھوکہ ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بندہ کی ذات فنا ہو جاتی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کے اندر جو صفاتِ مذمومہ ہو جاتی ہیں وہ فنا ہو جاتی ہیں اور ان کی جگہ صفاتِ حسنہ قایم ہو جاتی ہیں۔ اور شرع کا بھی یہی منشاء ہے۔ یہاں فنا و بقا کی تعریف میں صرف ایک کتاب " الکبریت الاحمر والاکسیر الاکبر" مولفہ عبداللہ بن ابوبکر عیدروس علیہ الرحمہ سے عبارت نقل کی جاتی ہے۔ اردو ترجمہ خود ناشر کا ہے:

" فنا سے مراد یہ ہے کہ تمام بری خصلتیں آدمی سے فنا ہو جائیں اور بقا سے مراد یہ ہے کہ جو خصلتیں اچھی ہیں وہ آدمی میں باقی اور قائم ہو جائیں۔ اہلِ سلوک فنا اور بقا سے اور معنی بھی لیتے ہیں۔ بعض کے نزدیک فنا سے خواہشِ نفس کی فنا مراد ہے یعنی دنیا کی جو خواہشات اور آرزوئیں تھیں وہ سب فنا ہو گئیں اور کچھ نہ رہیں۔ اور جب یہ خواہشات فنا ہو گئیں تو بندے کے پاس صرف نیّت و اخلاصِ بندگی و عبودیت رہ جائے گی

اخلاقِ ذمیمہ جنھیں فنا کرنا مقصود

ہے۔ ان کی مثال حسد، بغض، کینہ وغیرہ ہیں، اور خصائلِ محمودہ جو باقی ہیں وہ معبود کی فرماں برداری اور صدق و سچائی ہیں۔ یہ دونوں قسم کی خصلتیں یعنی محمودہ اور مذمومہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اگر بندے میں سے ایک فنا ہوجائے گی تو اس کی جو ضد ہے باقی رہے گی۔"

راقم کہتا ہے کہ اس معنی میں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے بھی "شرح آداب المریدین" میں لکھا ہے۔ (ورق: ۱۳۵) اور شیخ شہاب الدین سہروردی نے "عوارف المعارف" میں اور حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں بھی لکھا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کم از کم ایک بیس کے لیے بارہ عیوب سے پاک ہونا ضروری ہے۔ وہ یہ ہیں:

۱۔ حسد۔ ۲۔ جھوٹ۔ ۳۔ غیبت۔
۴۔ ریا۔ ۵۔ کبر۔ ۶۔ عُجب۔ ۷۔ چغلی
۸۔ ظلم۔ ۹۔ حبِّ جاہ۔ ۱۰۔ حبِّ مال۔
۱۱۔ بخل۔ ۱۲۔ اکلِ حرام۔

ان میں سے ایک عیب بہت سے عیوب کو جنم دیتا ہے۔ مثلاً حسد سے نفاق خود غرضی، تکبّر وغیرہ عیوب پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے ایک عیب کو مٹانے سے بعض دوسرے عیوب بھی مٹ جاتے ہیں۔ ان عیوب کو مٹا کر اُن کی جگہ جو اُن کی ضد ہیں وہ پیدا کرنا چاہیے مثلاً جھوٹ کی جگہ سچ، ظلم کی جگہ عدل، اکلِ حرام کی جگہ اکلِ حلال، بخل کی جگہ سخاوت ریا کی جگہ اخلاص، حبِّ جاہ کی جگہ قطع علائق حبِّ مال کی جگہ غیر ضروری خواہشات سے اجتناب عُجب کی جگہ فنائے خودی، کبر کی جگہ تواضع، غیبت کی جگہ خاموشی، حسد کی جگہ قناعت وغیرہ۔

تلوین و تمکین، حال و مقام، تجرید و تفرید، تفرقہ و جمع، صحو و سُکر وغیرہ اسی طرح ذکر کے طریقے وغیرہ ہیں۔ مثلاً ذکرِ جلی اور خفی وغیرہ۔ اسی طرح سلوک کی تعریف مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ اور کی جا سکتی ہے مثلاً ایک تعریف یہ ہے کہ اخلاقِ ذمیمہ کو اخلاقِ حسنہ سے بدلنے کا نام سلوک یا طریقت ہے۔

دوسرے منزلِ فنا و بقا تک پہنچنے کا نام طریقت ہے۔ تیسرے مرتبۂ وحدت الوجود یا وحدت الشہود تک پہنچنے کے طریقہ کا نام طریقت ہے۔ جو تھے مرشد کے ذریعہ عشقِ رسول تک پہنچنا اور عشقِ رسول سے عشقِ الٰہی تک پہنچنا اور اس میں اس طرح غرق ہوجانا کہ اس کے وجود کے سامنے اپنا وجود کالعدم نظر آئے۔ طریقت ہے۔ اس کے بعد وہ نوافل کو کم کر سکتا ہے۔ لیکن شارع علیہ السلام کی اتباع اور فرائض و واجبات کبھی ساقط نہیں ہوتے۔ ربِّ تعالیٰ کا حکم ہے واعبد و حتی یاتیک

الیقین ۔ یہاں یقین سے مراد موت ہے۔

ہم نے اوپر سلوک کی جو چار قسمیں پیش کی ہیں ان میں ایک عام طور پر قابلِ فہم ہے یعنی اخلاقِ ذمیمہ کو اخلاقِ حسنہ سے بدلنا اور جب معلوم ہو گیا کہ اسی کو فنا و بقا بھی کہتے ہیں تو اب اس میں بھی کوئی اشکال نہ رہا۔ اخلاق کی درستی اور تزکیۂ نفس شریعت کا بھی عین منشا ہے۔

ان سطور میں طریقت و تصوّف سے متعلق تمام اعتراضات اور شکوک و شبہات کا جواب دینا مقصود نہیں ہے بلکہ اصل مقصد صرف طریقت کی وضاحت کرنا ہے۔ اس ضمن میں ہم اصولی طور پر بحث کو وہیں تک محدود رکھیں گے۔ جتنا ضروری محسوس ہو گا۔

طریقت پر ایک عام اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جب رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح سلوک کی تعلیم نہیں دی تو صوفیاء کو یہ حق سے پہنچتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی اختراع کریں اور اسے دین میں شامل کر دیں ۔ لیکن حقیقت یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ فقہی احکام کی تفصیل قرنِ اول میں کہاں تھی؟ یہ سارے احکامات بعد میں مدوّن ہوئے۔ لیکن فقہی احکام کی اصل قرآن و حدیث ہی ہیں ۔ فقہ کا تعلق انسان کے ظاہری اعضاء و جوارح سے ہے سلوک کا تعلق قلب اور باطن سے ہے اس لیے اس کے احکام بھی اسی کے مطابق ہیں ۔ عمل کا مدار تو اصل میں قلب کی حالت پر ہی ہے۔ صوفیاء سلوک کے مسائل کے لیے جن قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں وہ اس طرح کی ہیں:

" خدا کا ذکر کثرت سے کرو "

" خدا کا ذکر ہر حالت میں کرو، یعنی کھڑے، لیٹے، بیٹھے اور کروٹ کی حالت میں۔"

" مومن کو اللہ اور رسولؐ سے محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔"

" طاعت و محبتِ الٰہی کے ذریعہ مومن اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔"

" تم جو جانتے ہو اس پر عمل کرو تو اللہ تمہیں وہ بھی بتا دے گا جو تم نہیں جانتے۔"

" اللہ خارج اور باطن میں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔"

اور اس طرح کی احادیث ہیں: کہ

" جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو گیا۔"

" جس نے نوافل کے ذریعہ اللہ کی قربت اختیار کی تو اللہ خود اس کی قوت بن جاتا ہے۔"

" زمین پر چلتا پھرتا مُردہ دیکھنا چاہو تو ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دیکھو۔"

وغیرہ ۔ غرض کہ جس طرح فقہاء کو اعضاء و جوارح پر حکم لگانے کا حق ہے، اسی طرح اہلِ عرفان کو باطن کی پاکیزگی کے لیے مسائل

کے استنباط کا حق ہے۔

جس طرح دین فقہ میں محصور نہیں ہے اسی طرح دین سلوک میں بھی محصور نہیں ہے اور جس طرح قرن اوّل میں فقہی مسائل کی تفصیل نہ تھی اسی طرح سلوک کے مسائل بھی بتانے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن فقہ اور سلوک جس کا قرآنی نام احسان ہے دونوں کا اصل قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔ اُن میں سے صرف چند آیات و احادیث کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس کی تفصیلات کو اُمّت کے علماء پر چھوڑ دیا گیا۔ جن کو پیغمبر کی نیابت کا درجہ حاصل ہے۔ عام طور سے تصوف کے مخالفین بڑے زور و شور سے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب تصوّف اور سلوک بہت ضروری ہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود کیوں نہیں اس کی ساری تفصیلات بیان کر دیں۔ انھیں غور کرنا چاہیے کہ سلوک کا حال بھی فقہ کی طرح ہے۔ احکامات پر عمل کرنے کے لیے فقہ ضروری ہے۔ لیکن پہلے اس کی تفصلات نہ تھیں۔ اسی طرح تزکیۂ نفس کے لیے سلوک ضروری ہے۔ اگرچہ اس کی تفصیلات پہلے نہ تھیں۔ فقہ کے مسائل سے واقفیت کے لیے علماء کی صحبت اور کتب فقہ کافی ہیں۔ سلوک کا اہل اگرچہ ہر ایک نہیں ہو سکتا۔ لیکن کم از کم مُرشد کی صحبت تریاق کا کام کرتی ہے۔ جیسا کہ حکم دیا گیا ہے کہ:

"اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ" اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ

"اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور خدا تک پہنچنے کے لیے وسیلہ اختیار کرو۔ (یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ وابتغوا الیہ الوسیلہ) تقویٰ میں تمام اچھے اعمال شامل ہیں۔ تقویٰ کے حکم کے ساتھ پھر یہ حکم دینا کہ وسیلہ اختیار کرو صاف کرتا ہے کہ وسیلہ تقویٰ کے علاوہ ہے اور یہ وسیلہ صادقین سے محبت ہے۔) یا ایھا الذین آمنوا کونوا مع الصادقین)

فقہ اور سلوک کے بارے میں ایک اور امر قابلِ ذکر ہے۔ دین کی اصل میں کوئی اختلاف نہیں جو اصل سے پھر جائے وہ مُرتد ہو جائے گا۔ لیکن فقہ میں اختلاف ممکن ہے۔ فقہ کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے۔ اگر شارع علیہ السلام خود ہی تمام اعمال کے احکامات اور جزئیات مرتب فرما دیتے تو وہ فقہ نہ ہوتی وہ سب فرض قرار پاتے اور اس طرح دین میں بڑی سختی پیدا ہو جاتی اور اس طرح طرح کے اشکال پیدا ہوتے اور منشاءِ الٰہی دین کو آسان بنانا ہے۔ اس لیے فقہی اعمال میں اختلاف کی گنجائش بھی ہے اور آسانی بھی

اسی طرح اگر سلوک کے احکامات بھی خود رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مرتب کرا دیتے تو دین میں اور بھی زیادہ سختی پیدا ہو جاتی تھی جو منشائے الٰہی کے خلاف ہے۔ اس لیے ان بھی استنباط کا حق علمائے باطن کو ہوا اور اگر ان کے طریقوں میں کچھ اختلاف بھی ہوں تو تب بھی ان کا شجرہ ایک ہی ہوگا۔ یعنی تزکیۂ نفس۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی بھی شخص اپنی طرف سے کچھ اختراع کر کے کسی نئے سے مسئلۂ سلوک کا دعویٰ کر بیٹھے جس طرح فقہاء کے مستند ہونے کے لیے شرط ہے کہ انھیں جمہور علماء کی تائید حاصل ہو اسی طرح روحانی سلسلوں کے مستند ہونے کی شرط ہے کہ انھیں اکابر اولیائے کرام کی تائید و تصدیق حاصل ہو۔ اسی طرح اگر کوئی مستند روحانی سلسلہ سے اپنی وابستگی کا دعویٰ بھی کرے لیکن ان سلسلوں کے اصول و عقائد کو غلط قرار دے کر ان سے انحراف کرتا ہو اور خود سے اپنے عقاید اور اصول کا مدعی بنتا ہو تو وہ بھی کاذب مدعی ہے۔ اور وہ سلوک کے سلسلوں سے خارج سمجھا جائے گا۔

شریعت کے اوامر پر عمل ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔ لیکن ان احکام کے مدارج ہیں۔ یعنی فرض، واجب، سنّت، مستحب، مباح اسی طرح شریعت کے منکرات کے بھی مدارج ہیں یعنی شرک، کفر، حرامِ قطعی حرامِ ظنّی، مکروہِ تنزیہی وغیرہ۔ سلوک ہر ایک پہ فرض نہیں ہے نہ یہ فرض کے درجہ میں ہے۔ اسے عزیمت کہہ سکتے ہیں لیکن چوں کہ ہر عمل کے لیے نیّت میں اخلاص ضروری ہے۔ اس لیے کم از کم صرف نیّت میں اخلاص پیدا کرنے کے لیے صوفیائے کسی سلسلہ سے منسلک ہونا فائدے سے خالی نہیں کیوں کہ سلسلہ کی روحانی برکات سے اگر نیت بھی میں اخلاص پیدا ہو گیا تو یہ بھی خیر کثیر ہے اور سلسلہ کی مروجّہ دعاؤں اور وظائف سے بقدر استطاعت فیض یاب ہونا بھی بڑی برکت کی چیز ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ سلوک کے نتیجہ میں علمِ مکاشفہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے سلوک کی شرعی حیثیت پر بحث کرنے کے بعد دوسرے مرحلہ میں یہ دیکھنا ہے کہ طریقت میں علمِ مکاشفہ کی کیا اہمیت ہے؟ سالک کا قلب جب مزکّٰی ہو جاتا ہے تو اس کشف والہام کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ عارفِ کامل، قدوۃ السالکین محی الدّین سید عبداللطیف معروف بہ قطبِ ویلور اپنی کتاب فصل الخطاب میں لکھتے ہیں:

"علم مکاشفہ ایک نور ہے کہ طریق حق اور صدق معاملت کے بعد دل میں پیدا ہوتا ہے اور جس کے ذریعہ حقائق اشیاء کی معرفت منکشف ہوجاتی ہے۔ اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال کی معرفت ظاہر ہوتی ہے۔ اس علم کو علم حقیقت اور علم وراثت کہتے ہیں۔ اس حدیث کے حکم کے مطابق کہ جس نے اس پر عمل کیا جس کو وہ جانتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کو وہ علم بھی سکھا دے گا جسے وہ نہیں جانتا اور یہ آیۂ کریمہ کہ خدا سے ڈرو تو وہ تمہیں علم بھی سکھا دے گا جسے تم نہیں جانتے، اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔"

(فارسی سے ترجمہ)

اس علم مکاشفہ میں ادعیہ، تسبیحات اور ذکر کے طریقے وغیرہ سب شامل ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی اپنا ایک تجربہ بیان کرتے ہیں:

"حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ مجھ پر کشف ہوا اور ایک بارگی اسمائے حسنہ اور آیات عظمیٰ اور ادعیۂ متبرکہ سامنے رکھ دی گئیں کہ یہ عطیۂ الٰہی ہیں۔ لیکن ہر آیت اور اسم اور دعا کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے جس کا قاعدہ بیان نہیں کیا جا سکتا، بلکہ عالم غیب سے جو بات ظاہر ہو یعنی غیب سے کون سی آیت، اسم، یا دعا کا اشارہ ملتا ہے اسی کو مقررہ طریقہ سے پڑھنا چاہیے (یعنی یہ پڑھنا استخارہ سے معلوم کیا جا سکے گا)"

(القول الجلی: ص: ۱۰۸: فارسی سے ترجمہ)

اور اسی طرح کئی دعائیں ہیں جو مکاشفہ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں جیسے دلائل الخیرات، دعائے سیفی وغیرہ۔ ان میں کوئی چیز غیر شرعی نہیں ہے اور ان کے فوائد اسی دنیا میں تجربہ سے ثابت ہیں۔ یہ ربّ تعالیٰ کا خاص فیضان اپنے محبوب بندوں پر ہے کہ ان کی محبوبیت کو اس طرح اس دنیا میں بھی لوگوں پر آشکارا فرماتا ہے تاکہ مخلوق اُن سے فیض یاب ہو۔ اور اُن سے ہدایت حاصل کرے۔ اُن کی زندگی سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اُن کا تعلق اپنے رب سے استوار ہو چکا ہے اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی ہیں اور حدیث قدسی کے مطابق جو اُن سے محبت کرے گا وہ بھی اُنھیں کے زمرہ میں شمار ہوگا۔ المرءُ مع من احبّ۔ لیکن اتباع سنّت کے بغیر کوئی بھی محبوبیت کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیوں کہ بزرگانِ دین کو جو کچھ ملتا ہے، وہ سیدِ عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی غلامی کا صدقہ ہے۔ اور اگر کوئی پابندِ شرع نہ ہو اور اس سے خرق عادت کا ظہور ہو تو اسے استدراج اور

شیطانی کرشمہ سمجھنا چاہیے۔

سلوک کے سلسلہ میں تیسری بات یہ ہے کہ وہ دعائیں جو صدیوں تک بزرگانِ دین پڑھتے چلے آئے ہیں، اُن میں قدرت کی طرف سے عجیب تاثیر اور مقبولیت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

"حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے فرمایا: کہ جب کچھ لوگ دعاؤں اور عزیمتوں پہ مداومت کرتے ہیں اور ایک زمانہ تک اس کے ذریعہ تقرب الٰہی چاہتے ہیں اور اس طرح سے جب وہ اس دارِ فانی سے کوچ کرتے ہیں تو ان دعاؤں پہ کمالِ اعتقاد کے ساتھ دوسرے عمل کرتے ہیں اور اس طرح نسلاً بعد نسلٍ کثرت سے لوگ اس کا ورد کرتے ہیں اور اس طرح صدیاں گزر جاتی ہیں تو ان دعاؤں کے الفاظ میں ایک طرح کی نورانیت پیدا ہو جاتی ہے تو اگر کوئی انھیں الفاظ کی وسیلہ سے خدا کے کرم کا طلب گار ہو تو اس دعا کی برکات اور آثار فوراً ظاہر ہوتے ہیں اور اگر انھیں دعاؤں کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں کہیں تو کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اور یہ ایک سِر ہے اسرارِ الٰہی سے۔ اس معنی میں صرف دعائے سیفی کو خصوصیت حاصل نہیں مثلاً "دلائل الخیرات" جس سے اس زمانہ میں دیارِ عرب میں لوگ اشتغال رکھتے ہیں"

(القول الجلی: ص: ۳۲۰: فارسی سے ترجمہ)

چوتھے یہ کہ سالک کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ پہلے وہ کسی مرشد کا تابع ہو جائے، تاکہ اس کی نگرانی میں سلوک کو طے کر سکے اِس میں یہ بات تو ظاہر ہے کہ مرشد تجربہ کار ہوتا ہے اور وہ سالک کی ہر طرح نگرانی کر سکتا ہے لیکن اس میں ایک رمز یہ بھی ہے کہ مرشد سے منسلک ہو کر سالک جب ایک سلسلہ میں منسلک ہو جاتا ہے تو اس طرح اس سلسلہ کی برکات جو مرشد تک پہنچتی ہیں اُن سے وہ بآسانی مستفید ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ کہیں سے منقطع نہ ہونا چاہیے۔ یہ فیض ایک برقی رَو کی مانند ہے۔ اگر کہیں سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا تو یہ برقی رَو بھی منقطع ہو جائے گی۔ اس میں یہ امر بھی شامل ہے کہ اس سلسلہ میں صدیوں سے جو دعائیں پڑھتے چلے آ رہے ہیں اُن پر عمل کر کے سالک بہت جلد فائدے اٹھا سکتا ہے۔

سلسلہ منقطع ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس کا سلسلہ مسلسل سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلّم تک نہ پہنچتا ہو بلکہ درمیان میں ٹوٹ جاتا ہو اور یہ اس طرح ہوگا کہ درمیان میں کوئی شخص بغیر اجازت و خلافت کے شیخی کا دعوے دار ہو۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ سلسلہ اگرچہ بظاہر منقطع نہ ہو، لیکن کوئی شیخ اپنے مرشد کے عقائد و اعمال کو غلط

قرار دے۔ اس صورت میں بھی سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔

نسبتِ ارادت کے اس تسلسل کی برکت اور اہمیت کے بارے میں یہاں صرف ایک قول پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ حبیب اللہؒ بیجاپوری خلیفہ سید صبغۃ اللہ بھڑوچی ثم بیجاپوری خلیفہ سید وجیہہ الدین گجراتی، لکھتے ہیں:

"سبحان اللہ بیعت و ارادت کو کیا شرف و بزرگی حاصل ہے کہ مرید کا ہاتھ بیعت کے وقت کئی واسطوں سے رسولِ اکرم علیہ والصلوٰۃ والتسلیم کے ہاتھ میں ہوتا ہے بشرطیکہ نسبت سلسلہ میں کوئی فتور اور کمی نہ واقع ہو اور وہ سلسلہ بے شبہ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہو۔"

(راحت القلوب: ملفوظاتِ شاہ حبیب اللہ: مخطوطہ: کتب خانہ دیوان شاہ مدراس۔ فارسی سے ترجمہ۔)

اس تسلسل میں جو برکات ہیں اُن کا تجربہ اُن لوگوں کو ہوتا ہی رہتا ہے جو کسی سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ ہم یہاں شاہ ولی اللہ دہلوی کا ایک تجربہ پیش کرتے ہیں۔ جو روحانی تسلسل کی اہمیت کے نتیجہ میں فیض رسانی پر دلالت کرتا ہے:

"حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے فرمایا کہ رمضان میں ایک بار میں نے تلاوتِ قرآن مجید کیا۔ پھر میں نے چاہا کہ بجائے دیکھ کر پڑھنے کے کچھ حصّہ قرآن کا حفظ کر لوں۔ اس اثناء میں حقیقتِ قرآن سے یہ فیض نازل ہوا کہ سارا قرآن تمہارے سینے میں حفظ ہے، لیکن اس کا ظہور ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ تم ایک بار کسی ایسے آدمی کے سامنے قرآن کی تلاوت کرو جس کی قرأت کا سلسلہ آن حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہو جب یہ شرط پوری ہو جائے گی تو حفظِ قرآن کے لیے کسی محنت و مشقت کی ضرورت نہ ہوگی۔"

(القول الجلی: ص: ۹۶: فارسی سے ترجمہ)

پانچویں یہ کہ ذکر کے جو بھی طریقے صوفیاء نے اختیار کئے ہیں وہ غیر مشروع نہیں کہے جا سکتے۔ قرآن میں ذکر کی تاکید ہے اور شارع علیہ السلام نے ذکر کے کسی ایک طریقہ کا پابند نہیں بنایا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ مثلاً موجودہ دور میں لوگ ابتدائی دور کی طرح ریاضتِ شاقہ کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے اس دور میں ذکر کا آسان طریقہ بھی اتنا ہی کارگر ہوگا جتنا کہ مشکل طریقہ اگلے وقتوں میں تھا۔ حضرت سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ (متوفی در حدود ۸۲۹ھ) نے اپنے زمانہ میں سالک اور عام مؤمنین کے لیے وظائف

کا ایک نصاب مقرر کیا تھا اور لکھا ہے کہ:
پہلے لوگوں کے پاس عبادت و ریاضت کے
لیے زیادہ وقت تھا۔ اب لوگ معاشی مسائل
میں گرفتار ہیں اور ریاضت کو اُن کی طرح وقت
نہیں دے سکتے۔ اس لیے اب اگر لوگ اتنے
ہی پہ عمل کر لیں جتنا انھوں نے بتا دیا ہے، تو
اُن کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا پہلے لوگوں کو
زیادہ عمل کرنے پہ ملتا تھا۔

(لطائفِ اشرفی)

حضرت سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ
کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری کا زمانہ تھا۔ آج
معاشی مسائل اُس سے زیادہ پیچیدہ ہیں۔ اس
لیے اب اگر اس سے بھی کم وظائف پہ عمل کیا جائے
تو وہی نتائج حاصل ہو سکتے ہیں جو اُس وقت
زیادہ عمل کرنے پہ حاصل ہو سکتے تھے۔ نتائج سے
مراد کشف و کرامات نہیں ہیں بلکہ ثواب اور
تعلق باللہ ہے۔ شرط یہ ہے کہ اُن وظائف
پہ بزرگان عمل کرتے آئے ہوں۔ لیکن اس
کا یہ مطلب نہیں کہ بقیہ اوقات غیر ضروری
کاموں میں ضایع ہوں، بلکہ آدمی حصول معاش
اور دوسروں کی حاجت روائی میں مصروف ہو۔
صوفیاء کے اذکار کی مشروعیت کے بارے
میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا یہ قول اصول پر
مبنی ہے:

"حضرت شاہ ولی اللہ نے یارانِ
حلقہ کو ذکرِ جہری کا حکم دیا۔ اس میں ایک شخص
نے ذکرِ جہری کا انکار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ حدیث
کی معتبر کتابوں میں ذکرِ جہری کو منع نہیں کیا گیا ہے۔
اور خود بہ نفسِ نفیس ذکرِ جہری میں مشغول ہو گئے
اور نہایت قوّت کے ساتھ ضرب لگاتے تھے۔

(القول الجلی: ص: ۱۱۵، ۱۱۲)

سالک جب راہ طریقت میں ترقی کرتا ہے تو
رفتہ رفتہ صفائے باطن محسوس کرتا ہے۔ اس
کے لیے کچھ علامات ہیں۔ سالک ان علامات
کا بیان مُرشد سے کرتا ہے اور مُرشد اس کی
معنویت کو بتاتا ہے۔ وہ اصطلاحات کے
ذریعہ سلوک کے مقامات کو بیان کرتا ہے۔
جس کے لیے اُسے کچھ ناموں کا انتخاب کرنا
پڑتا ہے۔ تاکہ سالک جو محسوس کرتا ہے اس کا
بیان لفظوں اور عبارتوں میں کیا جا سکے اس
کے لیے لازم ہے کہ وہ الفاظ و اصطلاحات وضع
کرے۔ اسی لیے صوفیاء کو اصطلاحات وضع
کرنی پڑیں۔ اصطلاحات وضع کرنے اور عبارت
میں مقامات کو بیان کرنے کا ایک اہم سبب
یہ بھی ہے کہ ہر دور میں جاہل متصوفہ ہوتے
رہے ہیں۔ اس لیے صوفیاء نے جاہلوں سے
امتیاز پیدا کرنے کے لیے طریقت کے ان تمام
مقامات کا بیان کیا جس کا تجربہ سالک کو ہوتا
ہے۔ تاکہ لوگ جاہلوں سے محفوظ رہ سکیں۔ یہ بالکل
اسی طرح ہے جیسے ہر دور میں علمائے سو

اور علمائے صالح موجود رہے ہیں۔ اگر لوگ پیرانِ جاہل اور علمائے سوء کے پھندے میں آجائیں تو اس میں نہ علم کا قصور ہے اور نہ اسلام کا۔ جہالت خود ایک بڑا گناہ ہے۔

سلوک کے لیے بنیادی شرط توبہ کے بعد محبتِ الٰہی ہے جو مرشد کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ قرنِ اول میں صرف رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مرجع مسلمین تھی۔ وہی تمام مسلمانوں کے مرشد ہیں اور مرشدِ اعظم ہیں۔ محبتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خود مقصود ہے کیوں کہ بغیر اس محبت کے محبتِ الٰہی میسّر نہیں ہوسکتی قرآن میں ہے کہ مؤمنین رسولؐ کو اپنی جانوں سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ قرنِ اول میں صحابہ رضوان اللہ علیہم کو محبتِ رسول اور صحبتِ رسولؐ صلے اللہ علیہ وسلم دونوں چیزیں حاصل تھیں۔ ارادت میں اصل چیز صحبت ہے۔ یعنی محبت و عقیدت کے ساتھ مرشد کی صحبت اختیار کرنا۔ رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے صحابہ کرام رضؓ نے بقدرِ استعداد فیض حاصل کیا جس طرح اس دور میں فقہی احکامات کی زیادہ ضرورت نہ تھی اسی طرح سلوک کے احکامات کی تفصیلی ضرورت نہ تھی۔ جس طرح رفتہ رفتہ فقہی احکامات کی ضرورت بڑھتی گئی اسی طرح جب دلوں میں نفاق بڑھنے لگا اور جاہل متصوّفین پیدا ہونے لگے تو سلوک کے احکامات کو تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت ہوئی۔ یہ احکامات ان احوال کے تابع ہیں جو راہِ سلوک میں سالک کو پیش آتے ہیں ان احکامات کا تعلق صفاتِ حسنہ اور حُسنِ اخلاق سے ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ اِن صفاتِ حسنہ میں سے سالک پر جب کسی ایک صفت کا غلبہ ہوتا ہے تو اسی لحاظ سے اس صفت کا نام رکھ دیا جاتا ہے۔ یہاں ہم چند احوال کے نام بطورِ مثال لکھتے ہیں۔

محبت، ورع، تقویٰ، زہد، صبر، شکر، فقر، خوف، رجا، رضا، توکل وغیرہ۔ اور ان تمام احوال سے متعلق احکام یا اشارے قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ پس یہ کہنا کہ یہ احوال پہلے نہیں تھے۔ بالکل غلط بات ہوگی۔ البتہ انھیں مذکورہ احوال کے بیان میں مزید اصطلاحات ضرورۃً اور مصلحتہً وضع کی گئی ہیں سے جزئیات کا بیان بھی مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً قبض و بسط، صحو و سکر، جمع و تفرقہ، فنا و بقا، تلوین و تمکین وغیرہ یہ باتیں صوفیاء مقامات کے ذکر میں کرتے ہیں لیکن ان کا تعلق احوال سے بھی ہے۔ اگر احوال نہ ہوں تو مقامات کے نہ ہوں۔ ان کے معانی و مراد کو سمجھ لینے کے بعد شرعی طور پر کوئی

اشکال واقع نہیں ہوتا۔

یہ احوال قرنِ اول میں بھی تھے لیکن جیساکہ ذکر کیا گیا، اُن کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی ہم یہاں قرنِ اول کی صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں:

ایک حدیث کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدیقِ اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: دُنیا میں چلتے پھرتے مُردے کو دیکھنا چاہو تو ابوبکر کو دیکھو۔ اس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کی احوال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں دُنیا کی خواہش فنا ہو چکی ہے۔ انھوں نے اپنی تمام مرضی کو رب تعالےٰ اور اس کے رسول کی مرضی میں گُم کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ رب تعالےٰ اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور اسی طرح ہیں جیسے ایک غسّال کے ہاتھ میں مُردہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کے اس حال میں زہد ورع، رجا، رضا، تجرید، تفرید، صبر شکر، فقر، تقویٰ، توکل وغیرہ سارے احوال مشمول ہیں۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے "عوارف المعارف" میں اس حدیث کا ایک اور مفہوم بیان کیا ہے۔ کہ جس طرح مُردہ کو آخرت کے احوال کا علم ہوتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسی دُنیا کی زندگی میں آخرت کے احوال کا مشاہدہ ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرے گا وہ بھی آپ کے علم کا کچھ حصّہ پائے گا۔

آج بھی علماے باطل کو باطن میں روحانی تجربات کا احساس ہو سکتا ہے۔ لیکن عقیدے کی دُرستی اور عمل میں اخلاص شرط ہے۔ البتہ وہ احوال کی معنویت سے غافل ہوتے ہیں۔ اور اُن کو اپنے تجربات کا شعور نہیں ہوتا۔ صوفیاء کے سلوک کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے احوال پہ مطلع ہو جائیں احوال سے آگاہی یقین کا سبب بنتی ہے اور یہ آگاہی چوں کہ محض خبری یا کتابی نہیں ہوتی بلکہ تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہوتی ہے اس لیے جتنی یقین کی قوّت انھیں ہوتی ہے دوسروں کو نہیں ہو سکتی اور اسی لیے اُن کے کردار میں جو بلندی اور پختگی، قطع علائق اور دُنیا سے بے نیازی ہوتی ہے وہ دوسرے میں نہیں ہوتی۔ اس لیے سلوک کا ایک بڑا مقصد یقین کی قوت حاصل کرنا بھی ہے جو توکّل کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔

آخری آسمانی کتاب کاغذ کے سفینوں اور حفّاظ کے سینوں میں (بقیہ صفحہ ۱۹۵ پر)

پروفیسر قاضی شاہ محمد انوار اللہ مدظلہ کی علمی و قومی خدمات کا تعارف

پروفیسر سید صفی اللہ ۔ شعبۂ عربی، فارسی و اردو۔ مدراس یونیورسٹی

دار العلوم لطیفیہ کو جو فضیلتیں حاصل ہیں، ان میں ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ ویلور دار السرور کے قاضئ شہر بھی اسی مدرسہ کے فاضل اساتذہ سے ہیں۔ جو مولوی شاہ محمد انوار اللہ کے نام نامی سے مشہور ہیں۔ پیدائش کے لحاظ سے آپ کا وطن کرناٹکا کا صوبہ ہے جس کے ایک مقدس علمی شہر بیجاپور سے متصل ایک گاؤں میں آپ کی ولادت ۱۰ رجون ۱۹۴۶ء کو ہوئی۔ ابو الفصیح محمد انوار اللہ کا خاندان سر قاضی خاندان کہلاتا ہے۔ اور آپ اپنے وطن میں ہی نہیں، ویلور اور مضافات علاقوں میں بھی اسی عرفِ عام سے مشہور ہیں۔

والدِ ماجد مولانا سید فقیہہ علی سر قاضی نے آپ کو ابتدائی تعلیم تک اپنے ہی گاؤں میں رکھا اور جب اعلیٰ تعلیم دلانے کا موقعہ آیا تو خانقاہِ حضرت مکان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اپنے فرزند کو لیے سیدھے ویلور دار السرور پہنچے اور مادر علمی دار العلوم لطیفیہ کی گود میں ڈال دیا۔ حالاں کہ ان کی اپنی تعلیم جامعہ نظامیہ حیدر آباد میں ہوئی تھی۔

یہ بات ۱۹۵۷ء کی بات تھی۔ نو سال کی مشق و مزاولت اور تعلیم و تربیت کے بعد ۱۹۶۶ء میں آپ نے یہاں سے فارغ التحصیل ہونے کی سند حاصل کی۔ دورانِ تعلیم آپ برابر اپنی ذہانت کا ثبوت دیتے رہے۔ اور اپنے قابل اساتذہ مولانا مولوی مفتی ابو المعالی علوی صاحب ملیباری (مرحوم) حضرت مولانا مولوی طیب الدین اشرفی مونگیری، حضرت مولانا سید شاہ حسام الدین صاحب گنڑیاتی (مرحوم) حضرت مولانا سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی

(مرحوم) اور مولانا عبدالواحد صاحب جونپوری (رحمہم) سے خوب استفادہ کیا۔

دارالعلوم سے سندِ مولوی فاضل حاصل کرنے کے بعد آپ اپنے وطن لوٹ گئے اور چاہتے تھے کہ وہیں رہ کر دینی و علمی خدمات انجام دیں لیکن خدا آپ سے کہیں اور ہی خدمت لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ دارالعلوم لطیفیہ سے بلاوا آگیا کہ اس خدمت کے لیے ویلور چلے آؤ۔

اُن دنوں لطیفیہ کا نظم و نسق مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ کے ہاتھ میں تھا۔ بہ حیثیتِ ناظم مدرسہ آپ کی نظرِ تجربہ کار ہر طالب علم پر رہتی تھی۔ طالب العلموں کو پرکھنے اور ان کی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ لگانے میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ اور آپ کی نظرِ انتخاب مولوی انواراللہ صاحب پر کبھی کی پڑ چکی تھی لہٰذا وقت آنے پر آپ موصوف کو اپنے مدرسہ کے لیے طلب کر لیا۔ ادھر مولوی صاحب نے بھی سوچا کہ اپنے مدرسہ کا حق آپ پر سب سے زیادہ ہے۔ اس لیے طلبی کے فوراً لبیک کہتے ہوئے ویلور پہنچ گئے۔ اس دن کو آج تقریباً تیس سال ہو رہے ہیں۔ ان تیس برسوں میں آپ نے دارالعلوم کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

دارالعلوم کی تدریسی خدمات کو شروع ہوئے ڈیڑھ سال بھی نہیں گزرا کہ قاضئ شہر کے عہدے کے لیے حضرت ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ کی نظرِ انتخاب بھی آپ ہی پر پڑی۔ اور ۲۰ اپریل سنہ ۱۹۶۸ء کو گورنر مدراس کی جانب سے آپ کو قضاوت بھی تفویض ہو گئی۔

۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۰ء تک میرا قیام دارالعلوم لطیفیہ کے ایک کمرے میں رہا۔ اُن دنوں ہر شام مغرب یا عشاء کے بعد میرا دارالعلوم کے اساتذہ سے مل بیٹھنا ہوتا تھا خاص طور پر مولوی محمد انواراللہ، مولوی سید مصطفیٰ حسین بخاری، مولوی محمد بشیر اکرمی، مولوی بشیر احمد کٹا بخوری اور کبھی کبھی مولوی سید حمیدالدین اشرفی کی صحبتیں ہو جاتیں۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگتیں۔ اور اس دوران دین سے سیاستِ حاضرہ تک کئی موضوعات زیرِ بحث آجاتے۔ ٹھیک دس بجے بجلی گل ہو جاتی۔ ایسے میں چاندنی رات ہوتی تو ہم صحن میں اٹھ آتے۔ کبھی کبھی یہ محفلیں حضرت میراں پاشا صاحب کے حضور جمنے لگتیں۔ جن کا بستر مدرسہ کی عمارت کی مشرقی راہداری

کے شمالی سرے پر لگتا تھا۔ بڑے ہی مرنجان مرنج شخصیت کے مالک تھے۔ اور آپ کی صحبتوں میں بڑا لطف آتا تھا۔ آپ جہاں دیدہ تھے، فہم و فراست بلا کی تھی۔ ہر موضوع پر آپ کی نظر تھی۔ آج وہ لمحے یاد آجاتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے ان میں کھو سا جاتا ہوں۔ مولانا انوار اللہ صاحب سے میری قربت انھیں شبینہ محفلوں کی وجہ سے بڑھی تھی۔

رفتہ رفتہ یہ محفل بھی بکھرنے لگی۔ مولوی بشیر احمد کچھ مدت بعد اپنے وطن لوٹ گئے، مولوی بشیر اکرمی نے اپنے وطن بھٹکل میں سنا ہے، ایک اچھا سا مدرسہ کھول لیا ہے۔ اور مزے میں ہیں مولوی سید مصطفےٰ اسین بخاری بھی اپنے وطن کڈپہ لوٹ گئے جہاں پہلے ہی سے گھڑیوں کی تجارت موجود تھی، پھر تاجرانہ ماحول پر علمی ذہنیت غالب آگئی۔ پہلے ہائی اسکول کی بنیاد رکھی، پھر جونیر کالج کھولا اور اب ایک انجنیئرنگ کالج کے مالک ہیں۔ مگر مولوی انوار اللہ صاحب ایک بار جو دار العلوم کی خدمت کا عہد کر کے اپنے وطن سے نکلے تھے اسے آج تک نبھائے ہوئے ہیں اور بحسن و خوبی نبھائے ہوئے ہیں۔ بلکہ میں کہوں گا کہ دوہری ذمہ داری نبھا رہے ہیں۔ ایک تو تدریسی خدمات اور دوسری قضاوت اور دار الافتاء کی ذمہ داری۔

عوام کے حالات ایسے بھی بڑے پیچیدہ ہوتے ہیں جو شادی بیاہ سے شروع ہو کر آپسی جھگڑوں اور طلاق تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور شر پسند عناصر بھی ہوتے ہیں جو اختلافی مسائل پر طرح طرح سے فتوے حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ ان معاملات کو نپٹانے کے لیے جس دل گردے، فہم و فراست معاملہ فہمی اور دور اندیشی کی ضرورت ہوتی ہے اللہ نے اس سے بھی موصوف کو پوری فراخ دلی کے ساتھ متصف کیا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ لوگ آپ کے فیصلوں اور فتووں سے پوری طرح مطمئن ہو جاتے ہیں۔

ان کے علاوہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اور بھی فیوض سے نوازا ہے۔ آپ ان خوش نصیب افراد میں ہیں جنھیں اقطاب ویلور کے آخری چشم و چراغ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی فیوض حاصل کرنے کا شرف حاصل ہے۔ ۱۹۷۲ء میں اعلیٰ حضرت نے آپ کو بیعت و خلافت سے سرفراز فرمایا اور ۱۹۷۳ء میں سندِ اجازت مصافحہ بھی عطا ہوئی۔

۱۹۷۰ء کے بعد میں مدراس آگیا تو موصوف سے میری ملاقاتیں کم ہوگئیں۔ سال چھ

مہینہ میں ایک بار مل لئے تو مل لیے اور وہ بھی کوئی سبیل نکل آئے تو ۔۔۔ ۔ ۱۹۸۲ء کی ایک ملاقات میں آپ بیٹے جب یہ مژدہ سنا کہ میسور یونیورسٹی سے اردو میں ایم ۔ اے؛ پاس کر چکے ہیں تو جی خوش ہوگیا ۔ افضل العلماء تو پہلے ہی مدراس یونیورسٹی سے کر چکے تھے ۔

ادیب فاضل، منشی فاضل اور افضل العلماء کے کورسوں کی وجہ سے دارالعلوم لطیفیہ کا الحاقی تعلق مدراس یونیورسٹی سے بہت پہلے سے تھا ۔ مدراس یونیورسٹی کی انتظامی کمیٹیوں مثلاً ایکڈمک کونسل، سینٹ اور سنڈیکیٹ میں (عربی، فارسی اور سنسکرت علوم کے الحاقی کالجوں کے لیے بھی ان انتظامی کمیٹیوں میں نمائندگی موجود ہے ۔ اسی نمائندگی کے تحت ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۰ء تک تین سال کے لیے آپ ایکیڈمک کونسل کے لیے نامزد ہوئے ۔ اس دوران ایک فعّال کارکن کی حیثیت سے آپ نے جو خدمات انجام دیں وہ اپنی جگہ پر ہیں ہی لیکن یہ اس تجربہ کی دین ہی تھی کہ آپ کا دماغ بعض پہلوؤں پہ بڑی تیزی سے کام کرنے لگا ۔

دراصل جن الحاقی مدارس کے لیے یہ سیٹیں مختص تھیں ان میں عربی مدارس کی تعداد زیادہ تھی اور سنسکرت مدارس کی کم ۔ لیکن بعض ہمارے ہی نا فہم اندیشوں کی حماقت سے سنڈیکیٹ جیسی سب سے اعلیٰ کمیٹی میں سنسکرت کالج کے نمائندے منتخب ہوجاتے تھے ۔

قاضی صاحب نے اس صورت حال کا تجزیہ کیا اور ایک نتیجہ پہ پہنچے ۔ تمام مدارس سے رابطہ پیدا کیا ۔ آپسی تعلقات استوار کئے اور اتفاق کی ایسی فضا بنائی کہ سنسکرت والوں کا غلبہ ناممکن ہوگیا ۔ آپ کی ان کوششوں کا یہ پھل ملا کہ اس بار تمام مدارس نے مل کر متفقہ طور پر آپ ہی کو سنڈیکیٹ کے لیے نامزد کر دیا ۔ اس طرح ۱۹۹۷ء میں آپ سنڈیکیٹ کے ممبر منتخب ہوگئے ۔ اسے ایک ہی سال ہوا ہے لیکن اس ایک سال کی مدت بھی آپ کے لیے بہت طویل اور بہت اہم ثابت ہوئی ۔ آپ کی غیر معمولی کارکردگی سے بہت جلد آپ کا شمار سنڈیکیٹ کے اہم ممبروں میں ہونے لگا ۔ عام طور پہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی کو کوئی بڑا سا منصب مل گیا ۔ تو وہ عام لوگوں سے کترانے لگتا ۔ اس کے دروازے عوام کے لیے بند ہوجاتے ہیں ۔ مبادا کہ لوگوں کے طرح طرح کے کام نہ کرنا پڑیں ۔ لیکن سر قاضی صاحب

کا معاملہ اور ہی ہے۔ کتراتے رہنا تو اور کی بات ہے آپ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کوئی آئے اور ان سے کام لے۔ چناں چہ کتنے ہی لوگوں کے مسائل جو برسوں سے یونیورسٹی میں لاینحل حالت میں پڑے ہوئے تھے آپ کی کوششوں سے دنوں بلکہ گھنٹوں میں طے ہو گئے۔ اپنے اختیارات کا آپ کو پورا علم ہے اور ان اختیارات کے استعمال میں آپ کبھی پیچھے نہیں رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں ان کے دو چار کارناموں پہ ذرا تفصیل سے روشنی ڈالتا چلوں۔

وانم باڑی کا خواتین کا کالج کچھ تاخیر سے شروع ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے ایک مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور یونیورسٹی کی جانب سے کالج کو مراسلہ مل چکا تھا کہ اس کالج کی طالبات اس سال کے امتحان میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔ یہ بات آپ کے علم میں لائی گئی تو پریشان ہو اٹھے کہ اس طرح تو طالبات کا ایک سال برباد ہو جائے گا چناں چہ آپ نے دوڑ دھوپ شروع کی اور ایک ہفتہ کے اندر اندر یونیورسٹی کی اس رکاوٹ کو منسوخ کرا کے امتحان کی اجازت دلوا دی۔

اسلامیہ کالج وانمباڑی میں شعبۂ اردو کو عربی شعبہ کہہ سے علاحدہ کر کے ایک آزاد شعبہ کی حیثیت دی گئی تو پتہ نہیں کیوں یہ بات ایک خاص طبقہ کو بری لگی اس نے اس مستحسن اقدام کے خلاف چیخ و پکار کی اور اپنے رسوخ سے اس فیصلہ کو یونیورسٹی سے منسوخ کرا دیا۔ جب یہ بات آپ کے علم میں لائی گئی تو آپ نے یونیورسٹی کے عملہ کو اس غلط حکم نامہ کے لیے باز پرس کی اور فوراً اردو شعبہ کو آزاد شعبہ کی حیثیت دلوائی۔

آپ کا اس سے بڑا کارنامہ منشی فاضل، افضل العلماء اور ادیب فاضل کے لیے الگ الگ نصابی کمیٹیوں کی تشکیل ہے۔ اب تک ان کورسوں کے نصابات تیار کرنے کا کام کالجوں کے لیے بنے ہوئے بورڈ آف یونیورسٹی کے تحت تھا۔ اس کی وجہ سے ان کورسوں پہ بورڈ کی نشستوں میں مناسب غور و خوص نہیں ہو پاتا تھا۔ مولانا نے اس نزاکت کو محسوس کیا۔ اس نزاکت کو تو دوسرے بھی محسوس کرتے تھے لیکن وہ بے بس تھے۔ اس کا علاج مولانا محمد انوار اللہ ہی کر سکتے تھے اور انھوں نے کیا بھی یوں کہ ان کے لیے دو الگ الگ بورڈ آف اسٹڈیز بنوائے ایک افضل العلماء اور منشی فاضل کے لیے اور دوسرا ادیب فاضل کے

لیے یونیورسٹی کی تاریخ میں اس جرأت کی مثال
نہیں ملتی۔

آپ کا ایک اور جرأت مندانہ اقدام
ان مذکورہ کورسوں کو ڈگری کورسوں کے مساوی
قرار دینا ہے۔ جن کی بنیاد پر مذکورہ کورسوں کے
پاس کئے ہوئے امیدوار براہ راست ایم اے میں
داخلہ لے سکیں گے۔ یہ ایسا کارنامہ ہے جو گذشتہ
پچیس برسوں سے ایک خواب بنا رہا۔ جن کی
تعبیر بفضل خدا مولانا کے ہاتھوں ملی۔ جس کام کو برسوں
ناممکن سمجھا جا رہا تھا اسے مولانا نے چٹکی بجا کے انجام دے دیا۔

مولانا کی دلچسپی اپنی قوم تک ہی محدود
نہیں ہے بلکہ آپ کی نظر یونیورسٹی کے دوسرے
معاملات پر بھی ہے۔ پچھلے دنوں یونیورسٹی نے
ایک بہت ہی سینیئر پروفیسر کو رجسٹرار کا عہدہ سنبھالنے
کی دعوت دی مگر اسے "انچارج" ہی بنائے رکھا
مولانا کو یہ بات بہت بری لگی۔ آپ نے سنڈیکیٹ
کی میٹنگ میں یہ آواز اٹھائی کہ ایسے شخص کو جو رجسٹرار
بننے کا پوری طرح اہل ہے محض انچارج بنائے رکھنے
کا کیا مطلب ہے۔ اور بعض گوشوں کے باوجود
سخت مخالفت کے آپ میدان میں کود پڑے زمین
ہموار کی اور وائس چانسلر کیلیے حالات کو ایسے ساز
گار بنایا کہ ان پروفیسر صاحب کو رجسٹرار بنانا آسان
ہوگیا جس کے لیے وائس چانسلر اور رجسٹرار دونوں
نے ممنونیت کا اظہار کیا ہے۔

قیاس یہی کہتا ہے کہ اس کام نے آپ کے بہت
سے دشمن پیدا کردیے ہوں گے لیکن حقیقت یہ ہے
کہ اس سے آپ کے دوستوں کی فہرست میں اور اضافہ
ہوگیا۔ جنہوں نے آپ کا ساتھ دیا وہ تو آپ کے دوست
تھے ہی، جنہوں نے مخالفت کی وہ بھی آپ کے دوست
بنے رہنے ہی میں اپنی بھلائی سمجھے۔

بات دراصل یہ ہے کہ مولانا یہ نہیں دیکھتے
کہ کون سا مسئلہ کس کا ہے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ کیا
صحیح ہے اور کیا غلط۔ آپ ہمیشہ حق کا ساتھ
دیتے ہیں اور غلط مطالبہ یا غلط فیصلہ کی مخالفت
کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام کے دلوں میں اپنے
لیے عزت پیدا کر لیتے ہیں۔ میں نے خود دیکھا کہ ہر
شخص کے دل میں چاہے وہ یونیورسٹی کا افسر اعلیٰ
ہو یا ادنیٰ ملازم اپنے دل میں آپ کے لیے کتنا
احترام اور کتنی محبت رکھتا ہے اور یہی وہ وصف
ہے جو آپ کو دوسرے ممبروں میں امتیازی
شان عطا کرتا ہے۔

ایک طرف مجھے آپ کے کارناموں پر ناز
ہے تو دوسری طرف اپنی قوم کی بدلتی ہوئی حالت
پر کہ اب وہ اپنے محسن کو پہچاننے لگی ہے۔ ورنہ
روایت تو یہی ہے کہ (بقیہ صـ 186 پر ملاحظہ ہو)

حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سید تنویر احمد ویلوری، متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

حضرت سلیمان علیہ السلام

اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بیت المقدس سے یمن جارہے تھے۔ راستے میں جب حضرت سلیمانؑ علیہ السلام کے لشکر کو پیاس لگی اور انھوں نے آپؑ سے پانی مانگا۔ آپؑ نے پانی کا پتہ پوچھنے کے لیے ہدہد کو بلایا، کیوں کہ پانی کا نشان بتانا ہدہد کے ذمہ تھا۔ پانی خواہ خو میں کی تہہ میں کسی بھی جگہ ہو ہدہد اپنی چونچ زمین پہ رکھ دیتا جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہاں پانی ہے اور یہ بھی معلوم ہوجاتا کہ پانی نکالنے کے لیے زمین کو کس قدر کھودنا پڑے گا۔ ہدہد اس علم کے لیے مخصوص تھا۔ دوسرے پرندے اس سے واقف نہ تھے۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام ہدہد سے پانی کا پتہ پوچھا کرتے تھے تو وہ پہلے ہوا میں بلند اڑتا پھر یہ معلوم کرکے کہ پانی فلاں جگہ ہے اس جگہ نیچے اترتا اور اپنی چونچ کی نوک زمین پہ لگا دیتا۔ تب حضرت سلیمان علیہ السلام جنّوں کو حکم دیتے اور وہ اس جگہ کو کھود کر پانی نکال لیتے تھے۔ یہاں تک کہ مشکیں بھر لی جاتی، جنّ، آدمی، چوپائے جو بھی لشکر میں ہوتا سیر ہو کر پانی پی لیتا غرض جب سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو پیاس لگی اور ہدہد کا پتہ پوچھنے پر اس کی کچھ خبر نہ ملی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس پہ سخت غصّہ آیا اور آپؑ نے فرمایا کہ میں اسے سخت سزا دوں گا۔ ہدہد تھوڑی دیر کے بعد آگیا اور اس کے ساتھیوں نے اسے بتایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس پہ سخت ناراض ہیں۔ اور اسے سخت سزا دینے کا حکم دیا ہے۔ ہدہد جب حضرت سلیمان

کے پاس آیا تو سجدہ کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں دعا کی۔ اور کہنے لگا۔ میں نے ایک ایسی جگہ کی سیر کی ہے۔ جہاں آپؑ ابھی تک نہیں گئے۔ میں آپ کے پاس شہر سبا سے ایک خبر لایا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا وہ کیا ہے؟ میں نے وہاں ایک عورت کو دیکھا جو سبا پر حکومت کرتی ہے۔ اس کا نام بلقیس ہے۔ اُسے ہر چیز میسّر ہے۔ یمن اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں پر حکومت کرتی ہے۔ بڑے جاہ و جلال کی مالکہ ہے اس کے پاس بے شمار فوج اور گھوڑے ہیں۔ اس کے بیٹھنے کا تخت بڑا عظیم الشان ہے اور وہ تیس گز چوڑا اور لمبا ہے اور مختلف جواہرات اور مروارید اور موتیوں سے مرصع ہے۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے بلقیس اور اس کی قوم آفتاب کی پرستش کرتی ہے۔ یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد سے کہا کہ تم پانی کا پتہ بتاؤ۔ اس اثنا میں میں تمہاری بات کا سچ جھوٹ معلوم کرتا ہوں۔ ہُدہُد نے پانی کا پتہ بتایا۔ جب سب نے سیر ہو کر پانی پی لیا اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد کو طلب کیا اور بلقیس کے نام ایک خط دیا اس پہ مہر لگائی اور ہُدہُد کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ اسے بلقیس کے پاس لے جاؤ۔ دیکھیں وہ کیا جواب دیتی ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ حکم نامہ داؤدؑ کے بیٹے سلیمانؑ کی طرف سے ہے۔ میرے مقابلہ میں تم اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھو مسلمان ہو کر میرے پاس آجاؤ۔ اور اگر انسان ہو تو میری فرماں برداری کرو، میرے حکم کی بجا آوری اپنے اوپر لازم کر لو۔

جب ہُدہُد یہ فرمان لے کر بلقیس کے شہر سبا گیا تو دوپہر کا وقت تھا۔ بلقیس اپنے محل کے تمام دروازے بند کئے ہوئے خوابِ استراحت کر رہی تھی۔ کوئی شئے اس تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ دروازوں اور محل کے اردگرد محافظ مقرر تھے۔ اس کی قوم میں بارہ ہزار جنگ جو افسر اور سپہ سالار تھے۔ ہر افسر کے ماتحت ایک لاکھ فوج تھی۔ اور وہ ایک وسیع مملکت کی ملکہ تھی۔

بلقیس کا معمول تھا کہ ہر جمعہ کو ایک دن کے لیے باہر آتی تھی، اپنے مرصع تخت پہ بیٹھ کر قوم کے سارے معاملات کا خود فیصلہ کرتی تھی اس کا تخت سونے کے چار ستونوں پہ بنایا گیا

تھا وہ اس پر اس طرح بیٹھتی تھی کہ وہ سب کو دیکھ سکتی تھی، مگر اُسے کوئی نہ دیکھ سکتا تھا جو شخص عرض کرنا چاہتا وہ تخت کے سامنے آکر سجدہ کرتا۔ تعظیم کی یہ کیفیت تھی کہ جب تک بلقیس خود سر اٹھانے کی اجازت نہ دیتی وہ سر نہ اٹھا سکتا۔ جب اس کی دادرسی ہو جاتی تو بعد میں ملکی امور کے بارے میں احکام صادر کرتی۔ پھر محل میں واپس چلی جاتی اور اس تمام وقت میں کوئی اُسے دیکھ نہ سکتا تھا۔

چناں چہ ہُدہُد جب وہاں پہنچا تو سارے دروازے بند پائے۔ محل کے اردگرد سپاہی تھے۔ ہُدہُد اندر جانے کا راستہ تلاش کرنے لگا آخر ایک سوراخ نظر آیا۔ اس سے گزر کر ایک درجہ طے کیا۔ اسی طرح سات درجے طے کرنے کے بعد بلقیس کے تخت کے پاس پہنچا۔ جو تینس۳ گز اونچا تھا۔ وہ اس پر چیت لیٹی تھی۔ صرف ایک چادر نے اس کے ستر عورت کو ڈھانپ رکھا تھا۔

ہُدہُد نے حضرت سلیمان کا خط تخت کے کنارے رکھ دیا۔ اور خود سوراخ میں بیٹھا انتظار کرنے لگا۔ تاکہ جواب لے جائے۔ خاصی دیر انتظار کرتا رہا۔ ملکہ بلقیس بیدار نہ ہوئی۔ آخر ہُدہُد آگے بڑھا اور اپنی چونچ کی نوک سے جگایا۔ جاگنے پر اس نے پہلو میں خط دیکھا۔ آنکھیں ملیں اور اُسے پڑھنے لگی۔ پھر فکر کرنے لگی۔ کہ یہ کس طرح یہاں پہنچا۔ کیوں کہ سب دروازے بند تھے۔ اور محل کے اردگرد پاسبان تھے۔ باہر آکر دیکھا تو پہرے دار محل کے گرد ہوشیار موجود تھے۔ اُس نے اُن سے پوچھا کہ تم نے کسی شخص کو میری خواب گاہ میں داخل ہوتے دیکھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم بدستور یہیں موجود تھے۔ محل کے تمام دروازے بند ہیں بلقیس پڑھی لکھی تھی۔ چناں چہ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا حکم نامہ پڑھا۔ اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تھا۔ فرمان پڑھنے کے بعد اس نے اپنی قوم کے بزرگوں اور امیروں کو بلایا اور کہا: میرے پاس ایک بزرگ کا خط آیا ہے جس پر مہر لگی ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ نامہ سلیمان کی طرف سے ہے۔ تم مجھ سے سرکشی نہ کرو۔ میری فرماں برداری کرو

اور مطیع ہوکر میرے پاس چلے آو۔"
بلقیس نے اپنی قوم کے بڑے آدمیوں سے مشورہ طلب کیا کہ میں کیا کروں۔ جب تک تم مشورہ نہ دو گے میں کوئی کام نہ کروں گی۔
یہ سُن کر اراکین دربار نے بلقیس کو جواب دیا: ہم لوگ بڑے بہادر اور عزت دار ہیں۔ کوئی دشمن ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ جہاں تک رائے کا تعلق ہے آپ خود دانا ہیں۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ آپ کا جو حکم ہوگا اس پر عمل پیرا ہوں گے۔
بلقیس نے بڑے غور و فکر کے بعد کہا: جب بادشاہ مخالفت کے باعث کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اس ملک کو برباد کر دیتے ہیں ملک کے معزز اور شریف لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں۔ لڑائی کے بعد فتح پالیں تو لوگوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ مقابلہ کرنے والوں کو قتل کر دیتے ہیں ان کی اولاد کو قیدی بنا لیتے ہیں۔ اس لیے میرا ارادہ ہے کہ تحفے، تحائف دے کر اپنے آدمی کو سلیمانؑ کے پاس بھیجوں اور دیکھوں کہ وہ کس طرح پیش آتے ہیں اور قاصد کیا خبر لاتا ہے۔
چناں چہ بلقیس نے تحفے دے کر قاصدوں کو حضرت سلیمانؑ کے ملک کو بھیج دیا۔

بارہ غلام بھیجے جو سب بے ریش تھے اور ان میں عورتوں کی صفات پائی جاتی تھیں۔ ان کی آواز بھی عورتوں جیسی تھی۔ عورتوں کی طرح ہاتھوں میں مہندی تھی۔ عورتوں کی طرح مانگ نکالے ہوئے تھے۔ بلقیس نے انھیں ہدایت دی کہ جو کچھ پوچھا جائے اس کا جواب عورتوں ہی کے مانند دینا۔
غلاموں کے علاوہ بارہ کنیزیں تھیں جن کی آوازیں مردوں کی طرح بھاری، اعضا قوی، سروں کے بال تراشے ہوئے تھے اور مردوں کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ انھیں بھی تاکید کر دی گئی تھی سلیمان کے دربار میں جو بات پوچھی جائے اس کا جواب بے خوف ہوکر دینا
خدمت گاروں کے ہاتھ میں مشک عود اور عنبر سے بھرے ہوئے طبق تھے دودھ دینے والی بارہ اونٹنیاں تھیں۔ دو عدد خرمہرہ یعنی کوڑیاں تھیں۔ ان میں سے ایک کوڑی میں پیچ در پیچ سوراخ تھا۔ ایک خالی پیالہ بھی روانہ کیا۔ ایک ایسی عورت بھی ساتھ کر دی جسے سمجھا دیا گیا تھا کہ سلیمانؑ سے جو بات چیت ہو اُسے اچھی طرح یاد کرلے۔
پھر آ کر وہ جابر بادشاہ ہوں تو تمہیں بیٹھنے

کا حکم نہیں دیں گے۔

تب ہم مال دے کر ان کو راضی کر لیں گے۔

پھر وہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔

اگر دانا و عالم ہوں گے تو تم کو بیٹھنے کا حکم دیں گے۔

قافلہ کی امیر عورت کو ہدایت کر دی تھی کہ سلیمانؑ سے کہنا کہ سوراخ دار کوڑی میں دھاگا پرو ڈالے اور اس مقصد کے لیے کسی جن یا آدمی کی مدد نہ لے اور جو بے سوراخ ہے میں لوہا، جن یا انسان کی مدد کے بغیر سوراخ کر دے۔ اس سے یہ بھی کہنا کہ لونڈیوں اور غلاموں میں تمیز کرے۔ اور خالی پیالہ کو ایسے کف دار پانی سے بھر دے جو نہ زمین کا ہو نہ آسمان کا۔ ان امور کے علاوہ بلقیس نے حضرت سلیمانؑ کے نام ایک خط بھی روانہ کیا جس میں کئی سوال بھی لکھے تھے۔

قاصد یہ تحفے لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ تحفے پیش کر کے سب باادب کھڑے ہو گئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان تحفوں کو دیکھا مگر اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی یعنی تحائف کی کوئی پرواہ نہ کی۔ نہ ان کے بارے خوشی کا اظہار کیا۔ نہ انھیں خفیف یا حقیر ظاہر کیا۔ قاصدوں نے اس بات کو محسوس کر لیا کہ تحفے دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہ خوشی ہوئی اور نہ انھوں نے تحفے قبول کئے یا نہیں۔ اس کے بعد سلیمان نے سر اٹھایا اور قاصدوں کی طرف دیکھ کر فرمایا: زمین اور آسمان سب خدا کا ملک ہے۔ خدا نے آسمانوں کو بلند کیا اور زمین کو بچھایا تاکہ جو اس پر کھڑا ہونا چاہے کھڑا رہے اور جو بیٹھنا چاہے بیٹھ جائے۔

اس کے بعد قافلہ کی امیر عورت آگے بڑھی اور دونوں کوڑیاں جو ساتھ لائی تھی ان کی خدمت میں پیش کی اور عرض کیا کہ آدمیوں اور جنوں کی مدد کے بغیر سوراخ دار کوڑی میں دھاگا پرو دیں کہ وہ دوسری طرف سے نکل جائے اور دوسری کوڑی میں جو سوراخ کے بغیر تھی۔ اس کو آدمیوں اور جنوں کی اور کسی لوہے کے آلہ کے بغیر سوراخ کر دو۔ پھر اس نے پیالہ پیش کیا اور کہا کہ بلقیس نے درخواست کی ہے کہ اس پیالہ کو کف دار پانی سے بھر دیجیے مگر وہ پانی نہ آسمان کا ہو اور نہ زمین کا۔

بعدازاں غلاموں اور لونڈیوں کو پیش کیا اور عرض کیا کہ بلقیس نے کہا ہے کہ ”ان میں لونڈیوں اور غلاموں کو الگ الگ کردیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ملک کے سب لوگوں کو بلایا اور پوچھنے لگے تم میں کوئی ہے جو اس کوڑی میں دھاگا پرودے کہ وہ دائیں سے ہو کر بائیں طرف نکل جائے؟

ایک سرخ رنگ کا کیڑا جو رطب میں رہتا ہے بولا میں اس کام کو کرسکتا ہوں بشرطیکہ آپ میرے لیے روزی مقرر کردیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اثبات فرمایا چنانچہ کیڑے نے دھاگا اپنے سر سے لپیٹ لیا اور کوڑی میں سوراخ کے اندر گھسا اور اسے پار کرکے بائیں طرف نکل آیا۔ اس خدمت کے عوض حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی روزی مقدّر کردی۔

آپؑ نے دوسری کوڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا کہ لوہے کے آلہ کے بغیر اس میں کون سوراخ کرسکتا ہے؟

ایک سفید رنگ کے کیڑے نے جو لکڑی میں رہتا ہے، سر اٹھایا اور کہا: اے بادشاہ! اس خدمت کو میں سر انجام دوں گا بشرطیکہ آپؑ لکڑی میں میری روزی مقرّر کردیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: مجھے منظور ہے۔ چناں چہ وہ کیڑا کوڑی سے لپیٹ گیا اور برمے کی طرح اس میں سوراخ کرنے لگا۔ اور دوسری طرف نکل گیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُسے اس کے عوض میں اُس کی روزی لکڑی ہی میں مقدّر کردی۔

بعدازاں حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے عربی گھوڑے منگوائے اور حکم دیا کہ انھیں میدان میں دوڑائے۔ جب وہ دوڑتے دوڑتے تھک گئے اور پسینہ پسینہ ہوگئے تو آپ نے فرمایا: اس خالی پیالہ کو ان گھوڑوں کے پسینہ سے بھر دیا جائے اور کف دار میٹھا پانی جو نہ زمین کا ہے اور نہ آسمان کا۔

پھر آپؑ نے پانی منگوایا اور خدمت گاروں سے کہو کہ وہ وضو کریں۔ تاکہ غلام اور لونڈی میں تمیز کرسکیں۔ پانی لایا گیا پہلے عورتیں جو مرد کی شکل میں تھیں اپنے ہاتھ دھونے شروع کئے۔ ہر ایک اپنے بائیں ہاتھ میں برتن پکڑتی اور اس میں سے اپنے

دائیں ہتھیلی پر پانی ڈال کر بایاں بازو دھوتی پھر اس طرح داہنے ہاتھ میں پکڑ کر بڑا اپنے ہاتھ دھوتی۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ لونڈیاں ہیں آپؑ نے انھیں ایک طرف کردیا۔ اس کے بعد خدمت گار اپنے ہاتھ دھونے لگے۔ انھوں نے پہلے داہنا ہاتھ دھویا۔ اس کے بعد بایاں جس سے پتہ چل گیا کہ یہ غلام ہیں۔

آپؑ نے ان کو بھی الگ کردیا۔ وہ سب تعداد میں بارہ تھے۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے سوالات میں غور وفکر کرکے اُن کے ایک ہزار جواب لکھ دیے۔ یہ جوابات اور تحائف قاصدوں کو واپس دیے۔ اور کہا کہ:

کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو! یادرکھو! جو کچھ خدا نے مجھے دیا ہے یعنی بادشاہی اور پیغمبری، یہ نعمتیں تمہارے مال سے کئی درجے بہتر ہیں۔ تمہارے ہدیے مجھے خوش نہیں کرسکتے

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے نام خط لکھ کر ہُدہُد کو دیا کہ اُسے پہنچا دے اور یہ کہلا بھیجا کہ: ہمارے پاس زبردست فوج موجود ہیں۔ ہم اگر تم پر چڑھائی کریں تو تمہاری فوج ہرگز مقابلہ کی تاب نہ لاسکے گی

ہُدہُد نے حضرت سلیمانؑ کا نامہ بلقیس کو پہنچا دیا۔ اس اثناء میں قاصد بھی واپس پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے جو کچھ وہاں دیکھا بلقیس سے بیان کردیا۔ سلیمان علیہ السلام کا جواب بھی بلقیس کو نکال کردے دیا گیا۔

تب بلقیس نے اپنے آدمیوں کو بلا کر سمجھایا کہ: یہ آسمانی معاملہ ہے۔ اس میں مخالفت اچھی نہیں۔ اور ہمارے اندر سلیمانؑ کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

پھر بلقیس اپنے تخت کے پاس آئی اور اُسے ساتویں کمرے میں بند کرکے اس پر پہرے دار مقرر کر دیے کہ اس کی حفاظت کریں اور خود حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب روانہ ہوی۔

ہُدہُد پہلے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس واپس آگیا اور انھیں اطلاع دی کہ بلقیس خود آرہی ہے۔ یہ سُن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی سلطنت کے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ تم میں کوئی ایسا بھی ہے جو بلقیس کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کے تخت کو میرے پاس پہنچا دے۔

کیوں کہ اگر بلقیس پہلے پہنچ گئی اور اسلام میں
داخل ہوگئی تو اس کے ساتھ صلح کی بات ہوگی
تو پھر میرے لیے اس کا تخت لینا حلال نہ ہوگا۔
اس موقع پر ایک جن اٹھا اور کہنے لگا
اس سے پہلے کہ آپؑ عدالت برخاست کریں،
میں تخت آپؑ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔
حضرت سلیمانؑ نے فرمایا: میں جانتا
ہوں کہ تم بہت تیز رفتار ہو۔ مگر میں تم سے
بھی زیادہ تیز رفتار شخص کو چاہتا ہوں۔
اس وقت کتاب اللہ کا ایک عالم
آصف بن برخیا کھڑا ہوا۔ جو اسمِ اعظم (یا حیّ
یا قیّوم) جانتا تھا۔ کہنے لگا: میں اللہ تعالیٰ
سے دعا کرنے کے بعد ارادہ کرتا ہوں مجھے یقین
ہے کہ ایسا کرنے کے بعد میں اس تخت کو اس
جن سے بھی پہلے لا سکتا ہوں۔ اتنی جلدی
جتنی دیر آپ کی نظر واپس آتی ہے۔
یہ سُن کر حضرت سلیمان علیہ السلام
نے فرمایا: اگر تو ایسا کرے تو غالب آیا۔ ورنہ
تو مجھے جنوں میں رسوا کرے گا۔
آصف اٹھا، وضو کیا اور سجدہ میں
گر گیا۔ اسمِ اعظم پڑھ کر دعا کی۔ کہ بلقیس
کا تخت جس جگہ رکھا تھا وہاں سے وہ زمین

کے اندر دھنس کر غائب ہو گیا۔ اور حضرت
سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے پاس
سے باہر آ گیا۔ جب جنوں نے دیکھا کہ تخت
پہنچ گیا ہے تو انھوں نے حضرت سلیمان علیہ
السلام سے کہا: آصف تخت کو تو لے آیا
مگر اُسے بلقیس کو یہاں لانے کی قدرت
حاصل نہیں۔ آصف نے کہا کہ میں یہ بھی
کر سکتا ہوں۔
حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم
دیا کہ ایک محل تیار کیا جائے۔ جس میں ایک
دیوان خانہ ہو، اس کے سامنے شیشے کا ایک
صحن بنایا جائے، جو ایسا صاف ستھرا
ہو کہ معلوم ہو جیسے اس میں پانی جاری ہے
اس میں مچھلیاں بھی دکھائی دیں۔ یعنی
دیکھنے والے کو ایک شفاف چشمہ نظر آئے
جس میں مچھلیاں تیر رہی ہوں۔ دیوان خانہ
کے وسط میں میری کرسی ہو۔
جب تمام کام مکمل ہو گیا تو حضرت
سلیمان علیہ السلام اپنے مصاحبوں اور
مشیروں سمیت وہاں پہنچے۔ اپنی کرسی
پر بیٹھے۔ دوسرے ساتھی بھی اپنی اپنی
نشستوں پر بیٹھ گئے اس کے بعد جنات

اپنے اپنے مقام پر آ ۓ۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے دربار سجالیا۔ سب لوگ قرینے سے بیٹھ گئے تو آصف برخیا آپ کی خدمت میں آۓ۔ اللہ تعالےٰ کی درگاہ میں سجدہ کیا اسم اعظم پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جس کے سامنے ہی اچانک بلقیس بھی دربار میں حاضر ہو گئی۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ادب سے کھڑی ہو گئی۔

جب جنّوں نے بلقیس کو دیکھا اور اس کی کیفیت کا ان کو پتہ چلا تو انھیں خیال آیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کہیں بلقیس سے نکاح نہ کر لیں۔ یہ فکر انھیں اس لیے تھی۔ کہ بلقیس جنّات کے حالات سے اچھی طرح واقف تھی۔

اس وجہ سے جنّوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: کہ بلقیس دانا نہیں ہے ناقص العقل ہے۔ اور اس کے پاؤں گدھے کے سموں جیسے ہیں۔ (بلقیس کے پیر ٹیڑھے ضرور تھے اور ان پر بال تھے۔) یہ سُن کر حضرت سلیمان نے چاہا کہ اس کی تصدیق کرے۔ اور اس کی عقل آزمائیں۔ اور اس کے پیر بھی دیکھیں۔

آپ نے محل کے صحن میں شیشے کا جو فرش بنایا تھا کاریگروں نے اس میں آبِ رواں کا ایسا نقشہ بنایا تھا کہ میں مچھلیاں نظر آتی تھیں۔ دیکھنے والوں کو یہ دھوکا ہوتا تھا کہ یہ کوئی گہری نہر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بھی حکم دیا کہ بلقیس کا جو تخت منگوایا گیا ہے اس میں بھی کچھ کمی بیشی کر کے اس کی ہیئت کو بدل دی جاۓ۔ یہ کام بھی بلقیس کی عقل کو آزمانے کے لیے کیا گیا۔

جب بلقیس محل میں داخل ہوی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے محل کے دیوان خانے میں لے جانے کا حکم دیا۔ جہاں ان کی کرسی تھی۔ دیوان خانہ میں جانے کے لیے جب بلقیس وہاں سے گزرنے لگی تو اس نے دیکھا کہ ایک گہرا چشمہ پانی سے بھرا ہے۔ دل میں کہنے لگی کہ سلیمان مجھے ڈبونا چاہتے ہیں۔

چناں چہ اس نے اپنے پائنچہ اٹھا کر اُسے عبور کرنے کے لیے قدم بڑھایا۔ جب صاف اور شفاف صحن سے گزرنے لگی تو اس کی چمک دار پنڈلی پر بال نظر آگئے

اور وہ بڑی حسین اور خوب صورت اور پری جمال عورت تھی۔ مخالفوں نے اس کے متعلق جو جھوٹ بات کہی تھی اور اس پر جو تہمت لگائی تھی وہ جھوٹ تھی۔

بعد ازاں بلقیس کو بتا دیا گیا کہ آئینہ بندی کا یہ محل ہے۔ اس قسم کا یہ صحن اسی کے لیے بنایا گیا ہے۔

اب بلقیس بے خوف ہو کر حضرت سلیمانؑ کے قریب آ گئی۔ حضرت سلیمانؑ نے اس کی پنڈلیوں پر بال دیکھ لیا تھا لیکن اس کی نزاکت کی خوبی پر فریفتہ ہو گئے تھے۔

اب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے پوچھا: کہ یہ جو تخت رکھا ہے کیا تمہارا تخت بھی ایسا ہی ہے؟ بلقیس نے پہچان لیا اور اپنے دل ہی دل میں کہنے لگی۔ کہ میرا یہ تخت یہاں کیسے آ گیا؟ میں تو اسے ساتویں گھر میں چھپا آئی تھی۔

بالآخر اس نے کہہ دیا کہ وہ وہی تخت ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمیں پہلے ہی یقین تھا کہ تم اسے پہچان لوگی۔ اس کے بعد بلقیس مسلمان ہو گئی۔ اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس سے نکاح کر لیا اور ایک ملکیت عطا فرمائی۔ جس سے وہ اپنا گزارہ کرتی تھی۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ہوئی اور اس کے ایک ماہ بعد بلقیس کا بھی انتقال ہو گیا۔ ●●●

سیدۃ النساء اھل الجنۃ

سید امجد القادری یمنی، تاڑپتری، متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

صلی اللہ علی النبی الامی والہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوٰۃً وسلامًا علیک یارسول اللہ ۔

(درود رضویہ)

رسول اکرم و معظم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی راحتِ دل، مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شریکِ حیات امام حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ گرامی فخر النساء العالمین خاتونِ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جن کی دامن نفس کی پاکیزگی پہ رب العالمین نے آیۂ تطہیر کی شہادت فرمائی:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۔ (پ ۲۲)

ترجمہ: اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔ (کنز الایمان)

آپ کی ولادت باسعادت اور نام ولقب

سیدہ فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سن ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ جس زمانہ میں قریش کعبہ شریف کی بنا کر رہے تھے اسی زمانہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن مبارک سے ہوئی اس وقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پینتیس ۳۵ سال کو پہنچ چکی تھی اور

یہ واقعہ نبوت سے پانچ سال پہلے کا ہے اور بعض کے نزدیک ان کی ولادت بعثتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوی۔ اور آں جناب صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اس وقت اکتالیس برس کی تھی۔

سرکار دوعالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے چھوٹی صاحب زادی ہیں۔ ان کا اسم گرامی فاطمہ ہے اور زہرہ اور بتول مشہور لقب ہیں۔ حضرت زینب، رقیہ ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حقیقی بہنیں ہیں۔ ان کی پرورش اور تربیت خانۂ رسول اللہ کے مبارک ماحول میں ہوی۔ اور اپنی والدہ گرامی کی نگرانی میں سنِ شعور کو پہنچیں اور اپنے والدین شریفین کے نقوشِ طیبہ سے مستفید ہوتی رہیں۔

آپ رضہ کا نکاح

ایک قول کے مطابق ۱۸ سال اور ایک قول کے مطابق ساڑھے پندرہ سال کی عمر ۲ سنہ ہجری میں ان کا نکاح شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوا۔ مہر چار سو مثقال چاندی تھی یعنی پورے ایک سو ساٹھ روپے بھر۔ (فتاویٰ رضویہ: جلد ۵: ص ۳۲۵)

آپ کا جہیز

شہنشاہِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی پیاری اور لاڈلی بیٹی کے جہیز میں ایک بڑی چادر، ایک چمڑے کا تکیہ، ایک چکی (آٹا پیسنے کے لیے) ایک مشکیزہ اور دو گھڑے عنایت فرمائے۔ جو ان کی ازدواجی زندگی کی ضروریات پورے کرنے کے لیے تھا۔

ان اشیاء کو دینے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ہی رہتے تھے۔ شادی کے بعد انھیں الگ گھر اور ضروری سامان کی ضرورت ہوی اس لیے حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا مکان ان کو دے دیا۔

آپ کی گھریلو زندگی

شہنشاہِ دوعالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحب زادی ہونے کے باوجود حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں۔ چکی پیستی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ پانی لانے کے لیے مشکیزہ خود اٹھاتی تھیں جس کی وجہ سے

جسم پر نشان پڑ گئے تھے۔

ایک بار حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ خدّام آئے تھے۔ حضرت فاطمہ نے عرض کیا ابا جان! مجھے بھی ایک قیدی بطور خادم عطا ہو۔ تاکہ مشقت سے بچ جاؤں۔ نبیٔ کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بیٹی! تمہیں اپنے فرائض خود ادا کرنا چاہیے۔ میں تمہیں ایک وظیفہ بتاتا ہوں۔ جس وقت تم رات کو آرام کرنے لگو تو اسے پڑھ لیا کرو۔ سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳ بار اور ۳۴ بار اللہ اکبر یہ سَو عدد کلمات تمہارے لیے خادم سے بہتر ہیں۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے عرض کیا: میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے راضی ہوں۔ (بخاری شریف)

اس واقعہ سے خواتین کے لیے درسِ عبرت ملتا ہے کہ وہ اپنے خانگی امور اپنے ہاتھوں سے بجا لائیں۔

آپ کے خصائل

حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے فضائل میں بے شمار حدیثیں وارد ہیں جن میں چند احادیث نقل کی جا رہی ہیں۔

- سرکارِ مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّي فَمَنْ اَغْضَبَنِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ يُرِيْبُنِيْ مَا اَرَابَهَا وَيُؤْذِيْنِيْ مَا اٰذَاهَا:

فاطمہ میرے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جس شخص نے اُسے غضب ناک کیا اس نے مجھے غضب ناک کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ناراض کرتی ہے مجھ کو وہ چیز جو فاطمہ کو ناراض کرتی ہے۔ اور اذیت دیتی ہے مجھ کو وہ چیز جو فاطمہ کو اذیت دیتی ہے۔

(مشکوٰۃ شریف: ص: ۵۶۸)

- نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ النِّسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ:

(حضرت) فاطمہ (زہرا رضی اللہ عنہا) جنّتی عورتوں کی سردار ہیں۔

(بخاری شریف: ج: ۱: ص: ۵۳۲)

- اور ابن عبد البر رویت کرتے ہیں کہ رسولِ کریم علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: يَا بُنَيَّةُ اَلَا تَرْضَيْنَ اَنَّكِ سَيِّدَةُ النِّسَاءِ الْعَالَمِيْنَ ۰

اے بیٹی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم سارے جہاں کی عورتوں کی سردار رہو؟ یہ سُن کر حضرت فاطمہ نے عرض کیا:

يَا أَبَتِ فَأَيْنَ مَرْيَم

ابا جان پھر حضرت مریم کا کیا مقام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تِلْكَ سَيِّدَةُ النِّسَاءِ عَالِمِهَا

وہ اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار ہیں۔

(اشرف المؤید: ص: ۵۴)

- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! أَيُّنَا أَحَبُّ إِلَيْكَ أَنَا أَمْ فَاطِمَة: ہم میں سے کون آپ کو زیادہ محبوب ہیں، میں یا فاطمہ؟ سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فَاطِمَةُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْكَ وَأَنْتَ أَعَزُّ عَلَيَّ مِنْهَا: فاطمہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے، اور تم میرے نزدیک ان سے زیادہ عزت والے ہو۔

(اشرف المؤید: ص: ۵۳)

- اور حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن ایک ندا کرنے والا باطنِ عرش سے ندا کرے گا یا

يَا أَهْلَ الْجَمْعِ نَكِّسُوْا رُؤُسَكُمْ وَغُضُّوا أَبْصَارَكُمْ حَتّٰى تَمُرَّ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ عَلَى الصِّرَاطِ۔

اے محشر والو! اپنے سروں کو جھکا لو اور اپنی آنکھوں کو بند کر لو تاکہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پلِ صراط سے گزر جائیں:

(صواعق محرقہ: ص: ۱۱۶)

شمائل و فضائل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

کی سیرت اور طرز طریق کے بارے میں مذکور ہے: فاقبلت فاطمة تمشي ما تخطئ مشية الرسول الله صلى الله عليه وسلم شيئا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس وقت چلتی تھیں تو آپ کی چال ڈھال اپنے والدِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مشابہ ہوتی تھیں۔

(مسلم شریف: ج: دوم: ص: ۲۹۰)

ترمذی شریف میں یہی مضمون حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس طرح مروی ہے: کہ

عن عائشة قالت ما رأيت احدا اشبه سمتًا ودلًا وهديا برسول الله صلى الله عليه وسلم۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ قیام وقعود میں، نشست و برخاست میں، عادات واطوار میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے زیادہ مشابہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا طرز وطریق اخلاق وشمائل میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زیادہ موافق تھا۔

"الولد سر لابیہ" کے صحیح مصداق تھیں اور آپ کی گفتار ورفتار اور لب ولہجہ اپنے والدِ شریف کے بہت مطابق تھا۔

آپ کی اولاد

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پہلی زوجۂ محترمہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا تھیں۔ حضرت فاطمہ کی حیات تک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ یہ محض سرکارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی کے احترام کی بناء پر تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چھ اولاد ہوئیں۔ تین صاحب زادے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، سیدنا حضرت محسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور تین صاحب زادیاں حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔ حضرت محسن اور رقیہ صغر سنی میں ہی فوت ہو گئے۔ حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت سیدنا عمر بن خطاب سے سنہ ۱۷ھ میں ہوا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر سے ہوا۔

آپ کی وفات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصال کے چھ ماہ بعد تین ۳ رمضان المبارک السنہ ۱۱ھ منگل کی رات کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا کی تجہیز وتکفین میں ایک خاص قسم کی جدت یہ کی گئی کہ اس زمانہ میں رواج یہ تھا کہ مردوں کی طرح عورتوں کا جنازہ بھی

بے پردہ نکالا جاتا تھا۔ مگر حضرت سیدہ نے مرنے سے قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی بیوی حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کھلے ہوئے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے۔ یہ ناپسندیدہ بات ہے۔ چناں چہ سیدہ کا انتقال ہوا تو آپ کے جنازے کے لیے لکڑیوں کا ایک گہوارہ بنایا اور رات کے وقت جنازہ اٹھایا گیا اور تدفین عمل میں آئی۔ عورتوں کے جنازہ پر آج کل جو پردہ لگانے کا دستور ہے اس کی ابتداء آپ ہی کے جنازہ سے ہوئی۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے آپکی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

(مدارج النبوۃ)

اے بتول جگر پارۂ مصطفیٰ
حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام

جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے
اس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام

سیدہ زہرا، طیبہ طاہرہ
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم ...

بقیہ پروفیسر قاضی شاہ محمد انوار اللہ کی علمی و قومی خدمات کا تعارف صفحہ 170 سے آگے) جو کچھ کرنے کا عزم لے کر اٹھتا ہے لوگ اسی کے درپے ہوجاتے ہیں۔ میں نے سنا کہ سنڈیکیٹ کے لیے منتخب ہونے کے بعد کچھ اداروں نے تہنیتی اجلاس منعقد کرکے آپ کو مبارکباد پیش کی تھی اور اب پھر کچھ ادارے تہنیتی اجلاسوں کے ذریعہ آپ کی خدمات کا اعتراف کرنا چاہتے ہیں۔ مگر آپ اس کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو مان جانا چاہیے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ بات آپ کی نیاز مندی اور منکسرانہ مزاج کے خلاف ہے۔ لیکن اسی سے قوم میں ایک اچھی عادت پڑے گی۔ ایسے اجلاس مثالی بنیں گے اور وہ تعصب اور مردہ پرستی کے دائرے سے نکل کر اچھے افراد کی عزت کرنا سیکھے گی اور آپ کے معاملہ میں یہ ضروری ہے کیوں کہ ایک سال کے اندر اتنے سارے کارنامے انجام دیتے آج تک میں نے کسی سنڈیکیٹ کے ممبر کو نہیں دیکھا۔ اتنا کچھ کرنے کے باوجود آج بھی آپ تازہ دم ہیں۔ اور ہر لمحہ منتظر کہ کون آئے اور آپ سے کام لے!

خدا سے دعا ہے کہ آپ کو ایسے عہدوں پر قائم دائم رکھے تاکہ قوم آپ سے استفادہ کرتی رہے۔
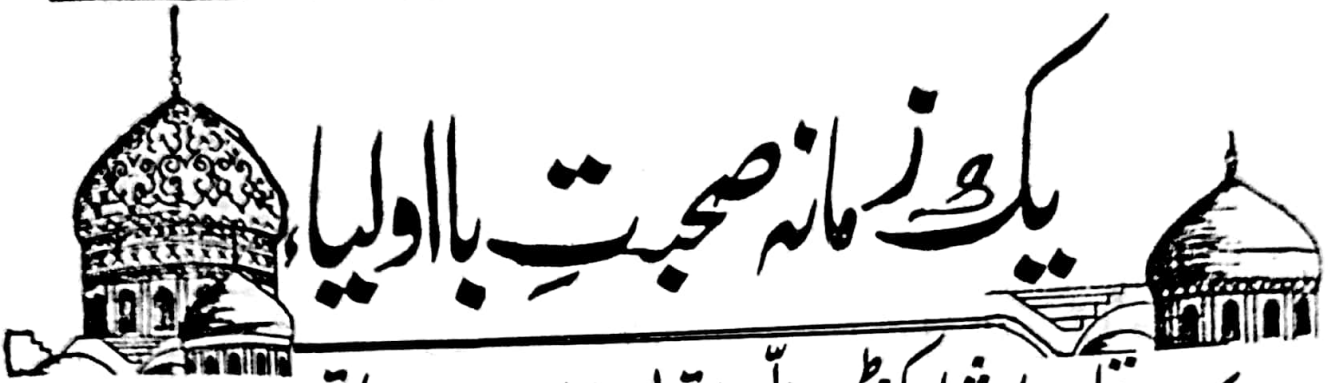
سید قادر بادشاہ کنڈے پلّی متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ (پ۱۱)

ترجمہ:- اے ایمان والو! اللہ تعالے سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

(کنز الایمان)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ پاک نے دو باتوں کا حکم دیا ہے۔ (ایمان) و تقویٰ، اللہ تعالے سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو، اور اللہ والوں کی صحبت و رفاقت اختیار کرو۔ اور کسی مردِ درویش کا دامن تھام لو اور اپنے خانۂ دل کو منوّر کر لو تا کہ تمہارے ایمان و تقویٰ کی حفاظت ہو جائے۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اللہ تعالے سے قریب ہو جائے اور بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہو جائے تو اُسے چاہیے کہ وہ اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اولیاء اللہ کی پل بھر کی صحبت سو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔ یہ اس لیے کہ ان کی صحبت انسان کو ولی بنا دیتی ہے ولی کے معنی لغت میں قریب کے ہیں۔ ولایت قرب اور نزدیکی کے معنے میں آتا ہے۔ یہ نزدیکی دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ بندہ خدا سے قریب ہوتا ہے اور اللہ تعالے بندے سے قریب ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالے نے بھی اپنی ذات کو اہلِ ایمان کے لیے ولی فرمایا ہے۔ واللہ ولی المؤمنین۔

ایمان کی حفاظت میں اولیاء اللہ کی صحبت و رفاقت کا بڑا حصہ ہوتا ہے اور نازک موقعوں پر اُن کی امداد عجیب و

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء

سید قادر بادشاہ کنڈے پلّی متعلم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ (پ۱۱)

ترجمہ :- اے ایمان والو! اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور سچّوں کے ساتھ ہوجاؤ۔

(کنز الایمان)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ پاک نے دو باتوں کا حکم دیا ہے۔(ایمان) و تقویٰ، اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو، اور اللہ والوں کی صحبت و رفاقت اختیار کرو۔ اور کسی مردِ درویش کا دامن تھام لو اور اپنے خانۂ دل کو منوّر کر لو تاکہ تمہارے ایمان و تقویٰ کی حفاظت ہوجائے۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ سے قریب ہوجائے اور بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوجائے تو اُسے چاہیئے کہ وہ اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اولیاء اللہ کی پل بھر کی صحبت سو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔ یہ اس لیے کہ ان کی صحبت انسان کو ولی بنا دیتی ہے ولی کے معنی لغت میں قریب کے ہیں۔ ولایت قرب اور نزدیکی کے معنے میں آتا ہے۔ یہ نزدیکی دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ بندہ خدا سے قریب ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ بندے سے قریب ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالےٰ نے بھی اپنی ذات کو اہلِ ایمان کے لیے ولی فرمایا ہے۔ واللہ ولی المؤمنین۔

ایمان کی حفاظت میں اولیاء اللہ کی صحبت و رفاقت کا بڑا حصّہ ہوتا ہے اور نازک موقعوں پر اُن کی امداد عجیب و

غریب طریقہ سے آدمی کو پہنچتی ہے۔

چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو نزع کی حالت میں شیطان ان کے قریب پہنچ گیا اور کہنے لگا: اے رازی! تم نے عمر بھر مناظرے کئے، کیا تو نے اللہ کو پہچانا؟ آپ نے فرمایا بے شک میں نے اللہ کو پہچانا ہے اور وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس پر شیطان نے کہا: تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ آپ نے دلیل پیش کی تو اس نے ساری دلیلیں رد کردیں۔ حتیٰ کہ آپ نے تین سو ساٹھ دلیلیں بیان کیں۔ لیکن اس مردود نے ہر دلیل کو رد کردیا۔ تو آپ سخت پریشان ہو گئے اور قریب تھا کہ اس کے آگے سپر ڈال دیتے۔ ایسے نازک لمحہ میں آپ کے شیخ کامل حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ جو کہیں دور دراز علاقہ میں وضو فرما رہے تھے اور اپنے مرید کی حالت کا مشاہدہ فرما رہے تھے آپ کو آواز دی: کیوں نہیں کہہ دیتے کہ میں اللہ تعالیٰ کو بغیر کسی دلیل کے ایک مانتا ہوں۔ (ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت)

موت کے وقت شیطان نے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی لیکن مرشدِ کامل کی توجہ سے ایمان کی حفاظت ہوگئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

کسی برائی کو دیکھو تو اسے ہاتھ سے روکو، ورنہ زبان سے روکو اور اگر زبان سے روک نہ سکو تو کم از کم دل ہی سے اس برائی کو برا سمجھو۔

اس حدیث شریف سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ آدمی کو برے شخص سے کنارہ کش رہنا چاہیے۔

اور اگر کوئی برائی دیکھ کر برا سمجھے ہی نہیں اور برے لوگوں سے بدستور میل ملاپ رکھے تو اس کا یہ معنی ہے کہ اسے برائی سے نفرت نہیں اور اس کی نظر میں نیکی و بدی کوئی قابلِ امتیاز چیز ہی نہیں ہے۔ اس صورت میں وہ اگر اچھا بھی ہے تو بروں سے میل جول کی وجہ سے خود بھی اچھا نہ رہے گا۔ بندہ چاہے کتنا ہی نیک ہو اگر وہ بروں میں میل جول رکھنے کی وجہ سے چند ہی روز میں وہ بھی برا ہوجاتا ہے۔ ۔ ۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالع ترا طالع کند

اسی واسطے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:
"اِتَّقُوا مَوَاضِعَ التُّهَمَةِ :
اپنے آپ کو تہمت کی جگہوں سے بچاؤ۔
اگر کوئی شراب خانے سے نکلے تو دیکھنے والا بھی خیال کرے گا کہ یہ بھی شرابی ہے۔ اگرچہ اس نے شراب نہ کبھی پی ہو۔ صحبتِ بد انتہائی خطرناک اور مضر چیز ہے۔
بری صحبت نے متقی اور پرہیزگار بڑے بڑے لوگوں کی اولاد کو خراب کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بُروں کی صحبت میں رہا تو وہ بھی بُرا بن گیا۔ اور بُروں کے ساتھ ہی طوفان میں غرق ہو گیا۔ اور اصحابِ کہف کا کُتا جس نے اللہ والوں کی صحبت اختیار کی تو وہ نیکوں میں شمار ہو گیا۔ ؎

پسرِ نوحؑ با بدان بہ نشست
خاندانِ نبوتش گم شد
سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکان گرفت مردم شد

اللہ کے نیک بندوں کی صحبت میں بیٹھنے سے قدرتی طور پر اُن سے محبت پیدا ہوتی ہے اور یہ محبت برابر بڑھتی چلی جاتی ہے اور محبت و طاعت کا یہ سلسلہ نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے۔ اولیاء اللہ سے محبت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت، اللہ تعالےٰ سے محبت قائم کرنے کا ایک زینہ ہے۔ جس کے بغیر انسان منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔
حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے:
تین خصلتوں سے محبت کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔
اوّل یہ کہ اپنے محبوب کی باتوں کو دوسروں کی باتوں پر ترجیح دے۔
دوّم یہ کہ اوروں کی صحبت پر اپنے محبوب کی صحبت کو فوقیت دے۔
سوّم یہ کہ محبوب کی رضا و خوشنودی کو غیروں کی رضا اور خوشنودی سے بہتر جانے۔
حضرت سفیان بن عُیَینہ رضی اللہ تعالےٰ سے روایت ہے کہ:
جو شخص اللہ سے محبت کرتا ہے تو وہ اس سے بھی محبت کرتا ہے جس سے اللہ محبت کرتا ہو۔ اور جو اللہ تعالےٰ کے حبیب سے محبت کرتا ہے وہ ان سب سے

محبت کرنے لگتا ہے جن کی محبت سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہو۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے والی باتوں سے محبت کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ لوگوں میں پہچانا نہ جاسکے۔ عام لوگوں نے اولیا اللہ کے متعلق عجیب وغریب تصورات قائم کر رکھا ہے۔ اور سمجھتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو محیّر العقول کرشمے دکھاتا ہو۔ حالاں کہ قرآن مجید اور حدیثِ شریف نے ان کی تعریف اور علامت ایمان اور تقویٰ بتلایا ہے۔

کسی شخص کے ولی ہونے کے لیے کرامات ظاہر کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس کی ولایت کی سب سے بڑی نشانی شریعت پر عمل اور استقامت ہے۔

اہل اللہ کی صحبت اور محبت نہ صرف دنیا میں فائدہ دیتی ہے بلکہ آخرت میں بھی مومن کو فائدہ دیتی ہے اور وہ ان منزلوں میں بھی ان ہی کے ہمراہ رہتا ہے اور یہ سب سے بڑی دولت ہے کہ مومن وہاں بھی ان ہی لوگوں کے ہم راہ رہے گا۔ جن لوگوں کو وہ دنیا میں محبوب رکھتا تھا۔

چنانچہ سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المرء مع من احبہ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اُسے محبت ہو۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ۝

~~~~~~

بقیہ "طریقت" کا ص۱۶۴ سے آگے)

محفوظ ہے جو ختم نبوت پر بھی دلیل ہے اور یہ خصوصیت بھی صرف خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ آپ کا روحانی فیض ہے۔ روحانی سلسلوں کے ذریعہ عام طور جاری وساری ہے۔ یہ کبھی بلا واسطہ بھی ہوتا ہے۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ یہ روحانی قوت مرید سے اتنی ہی زیادہ نمایاں ہوگی۔ جتنا زیادہ وہ اتباع رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کرلے گا۔ اور عشق رسول میں رنگا ہوا ہوگا اور رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق کا ایک بڑا وسیلہ مرشد کی ذات سے عشق ہے۔ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا قول سیر الاولیاء میں ہے۔ جس قدر اپنے مرشد سے محبت ہوگی اسی قدر اُسے عشقِ الٰہی نصیب ہوگا۔ لیکن راقم کے خیال میں اس کے لیے خود مرشد کا دنیاوی خواہشات سے پاک ہونا اور دل میں صدق وصفائی ہونا ضروری ہے۔ ⁂
~~~~~~

فلسفۂ توحید ورسالت

جمیل احمد شریف۔ نبجن گڈھ متعلم دارالعلوم لطیفیہ ویلور

ھُوَ اللہ الذی لا الٰہ اِلّا ھُوَ عَالِمُ الغیب والشّھادۃ ھو الرَّحمٰن الرَّحیم۔

ترجمہ: اللہ وہ ذات ہے جس کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر ہر شئے کا جاننے والا ہے۔ اور رحمٰن ورحیم ہے۔

(۵۹ : ۲۲)

ہر چیز کی ایک بنیاد اور جڑ ہوتی ہے جس پر وہ چیز قائم ہوتی ہے۔ اگر وہ بنیاد اور جڑ نہ ہوتی تو وہ چیز قائم نہیں رہ سکتی۔ جیسے مکان کی بنیاد زمین پر اور چھت کی بنیاد دیواروں اور ستونوں پر ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کی بنیاد توحید ورسالت کی گواہی، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج پر ہے چناں چہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصوم رمضان وحج البیت من استطاع الیہ سبیلا۔

اس حدیث میں کلمۂ طیب اسی توحید ورسالت پر دلالت کرتا ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

اس آیت میں لیعبدون کا ترجمہ لیوحدون ہوگا اگر عبادت مراد لیا جائے تو آیت مذکور کے اندر عمومیت ختم ہوجائے گی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں عبادت کا لفظ آیا ہے وہاں اس کی معنی توحید ہی کریں گے۔ (خازن)

اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق جن و انس ہی نہیں بلکہ تمام کائنات کی تخلیق کا مقصد ہی صرف اللہ تعالٰی کی وحدانیت کو ظاہر کرنا ہے بعد ہی اس کی حقیقت کا راز اس پہ آشکار ہو سکتا ہے۔

مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی معترف ہیں کہ جو اہتمام شرک کو مٹانے اور توحید کو قائم کرنے کے لیے قرآن مجید نے کیا ہے اس کی مثال پیش کرنے سے دنیا کی تمام مقدس کتابیں عاجز ہیں۔

گبن لکھتا ہے:

اس سے بڑھ کر توحید کے ساتھ شغف کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ اسلام نے اپنا کلمہ ہی یہ مقرر کیا ہے: لا الٰہ الا اللہ

یعنی اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔

ان حقائق پہ غور کرنے سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی مادی اور روحانی ہر قسم کی ترقی کا انحصار توحید پہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے اس پہ اس قدر زور دیا ہے اور آں حضرت سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے:

ما من عبدٍ قال لا الٰہ الا اللہ ثم مات علی ذالک الا دخل الجنۃ: جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہے اور اس پہ قائم ہو جائے، حتّٰی کہ وفات پا جائے تو وہ بے شک جنّت میں داخل ہو گا۔ (بخاری، مسلم: ابنِ ماجہ)

عقیدۂ توحید

اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جس میں توحید کا مکمل تصوّر پایا جاتا ہے۔ اور دیگر مذاہب عالم میں یا تو یہ عقیدہ مفقود ہے یا بالکل ناقص ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کے خلاف غیر اقوام کی یہ رائے ہے کہ وہ اپنے عقیدہ میں اس قدر سخت ہیں کہ ان کی یہ سختی عقائد کے معاملہ میں ان کو کسی قسم کی لچک قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اللہ کی ذات و صفات کی نسبت مذہبی دنیا والے عجیب تر اعتقادات و خیالات میں مبتلا تھے۔ اس لیے قرآنِ پاک نے اللہ تعالٰی کی ہستی کے علاوہ اس کی توحید پہ بھی عقلی دلائل پیش کئے ہیں۔ جن میں سب سے

زیادہ مؤثر دلیل ہے۔

لوکان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا۔

یعنی اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو ان (زمین و آسمان) میں فساد برپا ہو جاتا۔

سورۂ اخلاص میں توحید کی جامع تصویر پیش کی گئی ہے۔

قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد۔ لم یلد۔ ولم یولد۔ ولم یکن لہ۔ کفوا احد۔

ترجمہ: کہہ دیجیے (اے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم) اللہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا اور نہ کوئی ہستی ہمسری کر سکتی ہے۔

یعنی اللہ ایک ہے اس کے بعد دوسرا نہیں یہاں لفظ واحد استعمال نہیں کیا گیا۔ کیوں کہ یہ عدد پر دلالت کرتا ہے اور اس کے بعد دوسرا ہو سکتا ہے۔ گویا اس طرح شرک فی العدد کی نفی ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ وہ "صمد" ہے۔ یعنی خواہشات، حاجات اور ضروریات سے منزہ اور پاک ہے اور اپنے مرتبہ ذات میں منفرد اور اور یگانہ ہے۔ اس طرح شرک فی المرتبہ کی نفی ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ یعنی کائنات کی کسی شئے سے اس کا کوئی تناسلی تعلق نہیں ہے۔ اس طرح شرک فی السبب کی نفی ہو گئی۔ آخر میں فرمایا کہ اس کے افعال میں کوئی ہستی شریک و سہیم نہیں اور نہ کوئی اس کی برابری کا دعوی کر سکتا ہے۔ اس طرح شرک فی الافعال کی بھی نفی ہو گئی۔

مختلف پہلوؤں پر غور کیجیے کہ اس مختصر سی سورت میں اللہ تعالےٰ کس قدر بلیغانہ انداز کے ساتھ اپنی توحید کا بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام نے جھلملاتے اور چمکتے ہوئے آفتاب و ماہتاب سے خالق ارض و سما کو پایا اور اپنی قوم سے فرمایا: اے لوگو! اللہ کے سوا جن کو تم پوجتے ہو میں اس سے علاحدہ ہو کر صرف ایک ذات جو تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اور میں اس کی جانب رجوع کرتا ہوں۔ اور میں اس سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔

اس طرح حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اللہ کی وحدانیت کا اقرار اور اعلان فرمایا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں دریا کی کنکروں سے یہ تسبیح سُنی لا الٰہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین اور ابوجہل نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے اپنی مٹھی بھر کنکروں کی زبان سے اللہ کی الوہیت اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار سنا۔ ؎

ہر گیاہ ہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لاشریك لہ گوید

اللہ کی وحدانیت کے اقرار کے بعد اس کے رسول سیدنا حضور پُرنور محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار بھی فرض ہے۔ اس لیے کہ اس کے بغیر توحید نامکمل ہے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ ومقبول بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہماری ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ ہمیں صراطِ مستقیم کی جانب رہنمائی فرمائے۔ اللہ نے لوگوں کی ہدایت کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا اور حضور پُرنور ختم المرسل صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا اور آپؐ کی ذاتِ مقدّس کو قیامت تک کے لیے رسول قرار دیا گیا۔

توحید کی تکمیل رسالت پہ اذعان سے ہوتی ہے اس کے بغیر توحید کے مکمل ہونے کا خیال ظنِّ فاسد کے علاوہ کچھ نہیں اسی لیے قرآن اطاعتِ الٰہی کے ساتھ اطاعتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جزوِ ایمان قرار دیا۔ تاکہ توحید میں کسی قسم کا نقص باقی نہ رہ جاوے۔

الوہیت اور رسالت دونوں کا اقرار ہی ایمان ہے۔ ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

لہذا ہمیں چاہیے کہ وحدانیت کے ساتھ رسالت کے مقام کی اھمیت کو مدنظر رکھیں تاکہ اللہ اور اس کے پیارے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ::

انزل الناس علی قدر منازلھم

لوگوں کے ساتھ اُن کے مرتبہ کے لحاظ سے پیش آؤ!

ابوالحسن عرف نعمان پاشاہ۔ متعلم X اسلامیہ ہائیر سکنڈری اسکول میل وشارم

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عدی آ پہنچے۔ عدی اسی حاتم طائی کے بیٹے تھے جس کی سخاوت کے قصّے ساری دنیا جانتی تھی۔ عدی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو ان کے بیٹھنے اور ٹیکا لگانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گدّا عنایت فرمایا۔ عدی نے اس کے لیے شکریہ ادا کیا۔ لیکن آپ کے سامنے گدّے پر بیٹھے نہیں زمین پر بیٹھ گئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ امن پسند آدمی ہیں۔ اور نیچ نہیں چاہتے ہیں اور نہ زمین میں فساد چاہتے ہیں۔ میں تو آپ کی خدمت میں ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

ابن عساکر نے لکھا ہے

جب وہ ایمان لا چکے تو صحابہ کرام رضی سے کسی صحابی نے پوچھا: یا رسول اللہ! آج ہم نے ایک نئی بات دیکھی وہ یہ کہ عدی کے لیے آپ نے مجلس میں بیٹھنے کے لیے تکیہ عنایت فرمایا۔ حضور اکرم نے جواب دیا عدی اپنی قوم کے شریف اور با اخلاق آدمی ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا: جب کسی قوم کا کوئی عزت والا، با اخلاق، شریف آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کی عزّت کیا کرو۔

امام طبرانی کی روایت ہے کہ:

ایک مرتبہ جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ اپنے حجرے میں تشریف فرما تھے اور آپ کے اطراف بہت سارے لوگ بیٹھے ہوئے تھے حضرت جریر رض پہنچے تو انھیں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ وہ باہر دروازے کے سامنے کھڑے ہوگئے

حضور اکرمؐ نے انھیں کھڑے ہوئے دیکھا تو سیدھے اور بائیں جانب نظریں دوڑائیں کہیں بیٹھنے کے لیے جگہ ہے یا نہیں۔ جب کہیں جگہ نظر نہ آئی تو آپؐ نے اپنی چادرِ مبارک ان کی جانب پھینک دی اور ارشاد فرمایا کہ اسے بچھا کر بیٹھ جاؤ۔

حضرت جریرؓ نے وہ چادر لے لی اور اپنے سینے سے لگایا اور چوما پھر حضور اکرمؐ کی خدمت میں واپس کردی۔ اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ نے میری عزت بڑھائی اللہ تعالیٰ آپؐ کی عزت بلند کرے۔

اس موقعہ پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا: اگر کسی قوم کا شریف و عزت مند اور خلیق آدمی آئے تو اس کی عزت کیا کرو۔

انزل الناس علی قدر منازلھم

لوگوں کو ان کے مرتبہ اور مقام کے لحاظ سے پیش کرو اور اسی اعتبار سے ان کی تعظیم و تکریم اور محبت و الفت سے پیش آؤ۔

بزرگی و شرافت اور اخلاق و کردار سب سے بڑی دولت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو عزت کا معیار قرار دیا ہے۔ اور وہ نعمت ہے جس قوم کے پاس ہوگی وہ دنیا میں سربلند ہوگی۔

اور ترقی اس کے قدم چومے گی۔ عزت اور تعظیم دو طرف سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی کو عزت کی نظر سے دیکھتا ہے تو وہ بھی عزت کی نظروں سے دیکھا جائے گا۔ عزت دو، عزت لو۔ اس لیے ضروری ہے کہ قوم کے اکابر، قوم کے کم زور اور چھوٹے لوگوں کے ساتھ محبت و الفت اور پیار و شفقت سے پیش آئیں تاکہ ان کے دلوں میں بھی اپنے اکابرین کی عزت و تعظیم کا خیال پیدا ہو جائے۔

اس لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی:

من لم یرحم صغیرنا ومن لم یوقر کبیرنا فلیس منا۔

جو شخص چھوٹوں پہ رحم وکرم نہ کرے اور جو شخص بڑوں کی تعظیم و تکریم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اکابرین کے احترام میں کھڑے ہونے کے مسئلہ میں حضرت قطب ویلور علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "فصل الخطاب" میں فرماتے ہیں۔

"لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آنا اور ان کے دلوں کو خوش کرنا شریعت میں پسندیدہ فعل ہے۔ اور ہر قوم کی ایک عادت

ہوگی۔ جس کی خلاف ورزی اس قوم کے اخلاق میں بدخوئی اور بداخلاقی تصور ہوگی۔"

اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

ہر شخص کے ساتھ اس کی عادت و خصلت کے مواقف زندگی گزاریں جب کہ یہ قوم اس کی موافقت اور مطابقت سے خوش ہو رہی ہو اور موافقت نہ کرنے کی وجہ سے حیران و متوحش ہو رہی ہو تو ایسی صورت میں اس کی موافقت اور مطابقت کرنا سنّت کی قبیل سے ہے اور حضرات صحابہ رض نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے لیے قیام نہیں کرتے تھے۔ کیوں کہ یہ بات آپؐ کو ناپسند تھی۔ لیکن جب قیام عادت کے مقام میں ہو اور اس کا ترک کرنا حیرت و استعجاب کا باعث ہو تو ایسی صورت میں لوگوں کی خوشی اور ان کا دل رکھنے کے لیے قیام کرنا بہتر ہوگا۔ کیوں کہ عربوں کی عادت دوسری ہے اور عجمیوں کی عادت دوسری ہے۔

اس مسئلہ میں حق بات تو یہ ہے کہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں مجلس میں داخل ہونے والے کی تعظیم و تکریم کے لیے قیام کرنے کی عادت نہ تھی۔ قیام کرنے اور قیام نہ کرنے کا مسئلہ حالات و اشخاص اور زمانوں کے موافق مختلف رہا ہے۔ اور اس فتنہ و فساد کے زمانے میں خصوصًا ہندوستان کے شہروں میں قیام کرنا واجب ہے۔ کیوں کہ قیام نہ کرنا چغل خوری و غیبت اور دشمنی اور خصومت کا باعث ہو جاتا ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ ہر وہ چیز جو حرام کی طرف لے جائے وہ بھی حرام ہے۔

اس مسئلہ میں صحیح موقف تو وہی ہے جس کو امام نوویؒ نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے "تبیان" میں لکھا ہے کہ قیام کرنا یہ فعل مستحب ہے کیوں کہ اس کے اندر تعظیم و تکریم اور عدم تحقیر کا پہلو موجود ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری قوم کے اکابر کے دلوں میں اصاغر کی محبت پیدا فرمائے اور اصاغر کے دلوں میں اکابر کی عزت کا جذبہ پیدا فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سید الکونین والثقلین

وی۔ کے انیس کٹائی ال ۔ پی ۔ ٹی ۔ المتعلم دار العلوم لطیفیہ ویلور

الحمد للہ الذی اصطفٰی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم سید الکونین والثقلین والذی اختار من العالمین العرب ومنھم قریشا ومنھم بنی ھاشم ومنھم حبیبہ محمدا صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین وجعلنا من امۃ ھذا الحبیب۔ اللھم صل علیہ صلاۃ کاملۃ یشارک فیھا الازل الابد ولا یشارکہ فیھا من خلق اللہ احد۔

امّا بعد

محمّد صلی اللہ علیہ وسلم سید الکونین ای الدّنیا والاخرۃ والثقلین ای الجن والانس وکذا الملئکۃ علی ما قالہ جمع محققون ففی ھذا الامر المھمّ لا یشارکہ احد من خلق اللہ سبحانہ وتعالٰی وان کانوا من العالمین باعطائھم خلافۃ عموم العالم کسلیمان علیہ السلام اعطی اللہ لہ خلافۃ عموم العالم بل وعلمہ منطق الطیر ومنطق النمل وانقاد لہ الجان والرّیاح۔ وکذا اعطی اللہ سبحانہ وتعالٰی لذا القرنین ما اعطاہ لسلیمان علیہ السلام من جھۃ الخلافۃ ای خلافۃ عموم العالم ولکن ما قال اللہ سبحانہ وتعالٰی فی قرانہ المجید وفی غیرہ من عند اللہ من التورات والانجیل والزبور کما قالہ لحبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تعالٰی فی قرانہ المجید وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین ما قال اللہ سبحانہ وتعالٰی

هکذا النبی من انبیائه صلوٰة الله علیهم وسلامه کذالك ومما فهمنا عرفنا انه صلی الله علیه وسلم سید الکونین و الثقلین ۔ وقال ایضا سبحانه وتعالیٰ فی قراٰنه المجید حکایة من تورات تقویة ما فهمنا وتعلیما لامته ما عرفنا من جاه النبی صلی الله علیه وسلم لکونه سید الکونین والثقلین ۔

محمد رسول الله والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعا سجدا یبتغون فضلا من الله ورضوانا سیماهم فی وجوههم من اثر السجود ذالك مثلهم فی التورات (سورة الفتح)

وهکذا قال فی التورات امورا کثیرا لبعثته صلی الله علیه وسلم ۔

وبقوله عزوجل فی التورات اوصاف النبی ﷺ، اعترف جاه النبی ﷺ امة موسیٰ علیه السلام ۔

وهکذا قال سبحانه وتعالیٰ حکایة فی قرانه المجید ما قاله فی الانجیل من شرف النبی صلی الله علیه وسلم ومثلهم فی الانجیل کزرع اخرج شطأه فازره فاستغلظ فاستوی علی سوقه یعجب الزراع لیغیظ بهم الکفار وعد الله الذین امنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة واجرا عظیما ۔ (سورة الفتح)

وکثیرا ما قاله سبحانه وتعالیٰ فی الانجیل بینة لبعثة النبی صلی الله علیه وسلم لان یعلمه امته وامة عیسیٰ ؑ انه صلی الله علیه وسلم سید الکونین والثقلین ومنها ای من الاوصاف الذی بینه سبحانه وتعالیٰ فی الانجیل ما قیل (جاء یهوٰ) فی جبل سینة (وطلع عیسیٰ فی جبل سیول) ومحمد فی جبل باران وجیئ بالف اصحاب کنجوم ۔

وبیان هذه البحث الذی ذکر فی الانجیل بمجیئ یهو وفی جبل سین هو الرب والمراد بالرب وحی الرب والمراد هنا بوحی الرب کلیم الله موسیٰ علیه السلام

ومن ھذہ الجبل اعطی اللہ
سبحانہ وتعالیٰ التورات لموسیٰ علیہ
السلام ویستنبط ھذہ من ضمن قولہ
سبحانہ وتعالیٰ فی قرانہ المجید
اعلاما للنبی صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ
قال ھل اتاک حدیث موسیٰ
اذ رأی نارا فقال لاھلہ امکثوا انی
انست نارا لعلی اتیکم منھا بقبس
او اجد علی النار ھدا ۰ فلما اتاھا
نودی یاموسیٰ ۰ انی انا ربک فاخلع
نعلیک انک بالوادی المقدس طوی
وانا اخترتک فاستمع لما یوحی ۰ انی
انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدنی واقم
الصلوۃ لذکری ۰ (سورۃ طٰہٰ)
والمراد بالنار فی جبل پاران
مجیئ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع الف
اصحابہ۔ وھکذا ای کذکر فضلہ
صلی اللہ علیہ وسلم فی کتب اللہ عزو
جل ذکرہ فی کتب مشھورۃ التی
لیست من عند اللہ سبحانہ وتعالیٰ
مثلاً (کسدا اتیر) ھذہ کتاب
الفارسیین ومتحرر ھذا لکتاب (سُرَدُ

شُدَنْ) وھو من جملۃ من
یعظم لھم) قال فی کتابہ
المسمی بالسداتیر ستۃ ایات
واضحات للنبی صلی اللہ علیہ وسلم
واصحابہ۔ احدھا یرد الفار
سیون وثانیھا ای فحینئذٍ
ای عند ردی الفارسین یجیئ نبی
وثالثھا یغلب ذلک النبی
واصحابہ اھل الفارسیین ورابعھا
وبسبب ذالک النبی ینعزل اصنام
الکعبۃ وخامسھا وبدعوتہ یدعو
الناس متقبلا الی الکعبۃ وسادسھا
یفور العقلاء الی دین ذلک النبی
وھکذا ای کما قیل اوصاف النبی
واصحابہ فی کتاب الفارسیین قیل
عشر ایات بینات للنبی صلی اللہ علیہ
وسلم واصحابہ فی کتاب مشھورۃ من
ادیان الکفار سیین المسمی (سوشَ
فُرَانھم) احدھا اسم ذلک النبی
محمد وثانیھا ھو معلم العالم وثالثھا
ما ھو من الھند والسین ورابعھا ھو
صاحب الصحراء وخامسھا ھو و

واصحابه من اهل الختان وسادسها
هو واصحابه یُنشُون اللحیة ویدعون
الکزع وسابعها هو واصحابه یرفعون
الصوت للدعاء (ای یرفعون الصوت
بالاذان للصلوٰة) وثامنها هو واصحابه
یحاربون حربا شدیدا علی الکذب وتاسعها
هو واصحابه یاکلون اللحم وعاشرها
هو واصحابه مشهورون بالمسلمین
وکذالک ای کما اعترف کتب من عند
الله وکتبٌ التی لیست من عند الله
اعترف کل من العقلاء والشعراء والبحثاء
المشهورین فی زماننا هذا والذین من
قبلنا من الغاندجی ولاماردن وجواهر
لال نهرو وسر وجینی نا ئیدو وبرنارڈ شا
وطومس کارلین وغیر ذلک من البحثاء
المشهورین فی زماننا هذا والذین من
قبلنا انه صلی الله علیه وسلم سید
کونین والثقلین وقال لامارتن ان
نتسشا کل امرا لا نجد فی العالم کمحمد
صلی الله علیه وسلم. وقال توموس
کارلین محمد ممن حارب اوّلا لحریة
النساء من اید الجاهلیة فی قرن

السادسة وقال صامی ویتیگانندن
اری محمد للعالم الحسنی والمحبة من
عیشة. وقال جواهر لال نهرو
اجتمع محمد فتنة الجاهلین فی
حبل واحد مع یزکّیهم ویعلّمهم
الکتاب. وقال الغاندجی واذا کانت
امة المغربیات مهلکات فی
الضلالة فاذن طلع محمد بدار و
هداهم من الظلمات الی النّور
ایّها القراء الکرام تفکروا فی
اقوال البحثاء المشهورین فی زماننا
هذا والذین من قبلنا لای امر
مدحوا لحبیبنا محمد صلی الله علیه وسلم
ففی ضمن اقوالهم امر مهمٌ هو ما ای
تفکروا فی کل من اقوال النبی وهکذا
فی افعاله وفیما امره لامّته. مثلا
امر النبی صلی الله علیه وسلم لامّته
ایها الامّة اقتلوا الفأرة واغسلوا
سبع مراتٍ اذا ولغ فی اناء احدکم
الکلب واستروا رؤسکم اذا اردتم
ان تدخلوا الخلاء لِمَ امر محمد امته
ان یقتلوا الفأرة ولیس فی مکة و

مدینۃ حیبنزا ناس وبصل وحب حب وقلقاس۔

فاجتهدوا فیها نهایۃ اجتهاد هم فوجدوا ابصروا بالبابور الجدیدۃ ما ابصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

بعینیہ العجیبہ ای ما تتشیع الفأرۃ من فتنتها ای الطاعون والطاعون حینئذ مشهورۃ بین الناس وبسبب الطاعون الذی شاع فی البلاد الهند مع العرب منا المواصلات وکذالک اجتهد المجتهدون فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ای فی غسل اناء اذا ولغ الکلب فیها سبع مرات اولاهن بالتراب فوجدوا فی ماءها الذی یخرج من الانف وینبع قرب الانف نوعا شائع المرض من بکتیریۃ ثم استعملوا فی اماتتها ادویۃ کثیرۃ لکن لم یجدوا فیها فائدۃ ثم رجعوا الی التراب الذی قال رسول علیہ وسلم دواء لاماتت هذہ البکتیریۃ فوجدوا فیها ما ارادوا ای قتلوها بدواء النبی ای بالتراب للبکتیریۃ فعلموا اقتدر النبی وجاهه۔

وکذالک تعکس کل من الشعراء والبحثاء والعقلاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفعلہ وبسبب اعتبارهم من کل منها مدحوا حبیبنا وعنونوا انه سید الکونین والثقلین لکن لا یعترف هذا بعض من المسلمین من الفرقۃ الضالۃ المشهورۃ فی زماننا کلهم ممن یسب النبی ومن یکذب علیہ خذلهم اللہ قال صلی اللہ علیہ وسلم منذر الهم ان کذبا علی لیس ککذب علی احد من کذب علی متعمدا فالیتبوأ مقعده من النار۔

(بخاری، ص:۱۷۲)

وقان اللہ من شرورهم فی الدارین۔ آمین

ولکونه علیہ السلام سید الکونین والثقلین لیس کاحد منا یشعر علیہ لفظ یوحی الیٔ من قوله تعالی فی قرانہ المجید: قل انما انا

بشر مثلكم يوحیٰ الیٓ (سورۃ الکھف)
بل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم افضل
من کافۃ الخلق ابین ذلک مع بیان
حجّۃ قلیلۃ لان الجاہ والکرم عند
اللہ من خلقہ للبشر لامحالۃ لاعطا
ئہم العقل التی یبین بہا الھدی
من الضلالۃ فان اعترفۃ ھذا
او لامع صحۃ الفھم اعلم ۔
انّ الافضل من جملۃ البشر
الانبیاء لان النبوۃ ۔ لایعطی من
خلقہ الّا لمن اختارہ اللہ منہم وان
کان العبد ممن وجد بعملہ
نھایۃ الشکو عند اللہ سبحانہٗ
وتعالیٰ کقول الشاعر ولم یکن
نبوۃ مکتسبا ٭ ولورقا فی الخیرا
علی عقبیا ۔
فالافضل من انبیاء اللہ
سبحانہٗ وتعالیٰ المرسلون عددھم
ثلاث مأۃ وثلاثۃ عشر منھم
الافضل من ذکر اسمھم فی قرانہ المجید
وھم خمسۃ وعشرون عددا و
اسماءھم معروفۃ ایضا من قول

شاعر ھم ادم ادریس ونوح ھود
مع ٭ صالح وابراھیم کل متبع لوط و
اسمٰعیل اسحاق کذا ٭ یعقوب
یوسف وایوب اھتدی
شعیب ھارون وموسیٰ الیسع ٭
ذوالکفل داود سلیمٰن اتبع ٭
الیاس یونس زکریا یحیی ٭
عیسیٰ وطٰہٰ خاتم دع غیا انتہیٰ
فالافضل من جملۃ من ذکرہ
الان علوالعزم وھم خمسۃ الاول
منھا ابراھیم علیہ السلام والثانی
منھا نوح علیہ السلام والثالث
منھا موسیٰ علیہ السلام والرابع
منھا عیسیٰ علیہ السلام والخامس
منھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔
فالافضل منھم محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ایھا القراء الکرام ففھمنا
انہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ مختار
ثم مختار ثم مختار ثم مختار ثم
مختار ثم مختار فان اعترفنا
ھذا فینبغی لنا الاعتراف انہ
صلی اللہ علیہ وسلم افضل خلق

اللہ کلھم وبہ قال الامام البوصوریؒ
فی قصیدتہ فمبلغ العلم فیہ انہ
بشر و انہ خیر خلق اللہ کلھم
ولکونہ صلی اللہ علیہ وسلم سید
الکونین والثقلین لیس شانہٗ
کشأن ملتبس لنا قال تعالیٰ فی شأنہ
اسمہ ورفعنا لک ذکرک وکان اسمہ
صلی اللہ علیہ وسلم مرفوعا الی یوم
القیامۃ من ایام الدنیا وبعدھا
من ایام الاخرۃ ما قال اللہ سبحانہٗ
وتعالیٰ ھکذا لنبی من انبیائہٖ
ونحن نذکر اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم
عشر مرّات فی کل یوم ولیلۃ فی
اذان - وقال تعالیٰ فی شانہ ازواجہ
صلی اللہ علیہ وسلم النبی اولیٰ
بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ
امھاتھم -

وذلک فی تحریم نکاحھنّ
ووجوب احترامھنّ لا فی نظر وخلوۃ
وفضائلھن علی النساء وثوابھن و
عقابھن مضاعفات ولا یحلّ سوالھن
الامن وراء حجاب - وقال ایضا فی
خُلقہ صلی اللہ علیہ وسلم وانک لعلی
خُلق عظیم (سورۃ القلم)

وکذالک کل واحد من امر النبی
صلی اللہ علیہ وسلم لیس کمثل امرنا
بل کان شأن ملتبس النبی صلی اللہ
علیہ وسلم عجیب مثلاً عن انس رضی
اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
دعا باناء من ماء فاتی بقدح رحراح
فیہ شئی من ماء فوضع اصابعہ فیہ
قال انس فجعلت انظر الی الماء ینبع
من بین اصابعہ - قال انس فحزرت
من توضأ ما بین سبعین الی الثمانین
(بخاری: ج ۱: ص: ۳۳)

وکان الصحابۃؓ یقتتلون لماء
وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال
عروۃ عن المسوّر وغیرہ یصدّق
کل واحد منھما واذا توضأ النبی
صلی اللہ علیہ وسلم کادوا یقتتلون
علی وضوئہ - (بخاری: ج ۱: ص: ۳۱)

وکان الصحابۃ رضی اللہ عنھم
یستعملون نخامۃ النبی صلی اللہ
علیہ وسلم تبرکاً وقال عروۃ رضی

اللہ عنھم وما تخنم النبی صلی اللہ علیہ وسلم نخامۃ الاوقعۃ فی کف رجل منھم فدلک بھا وجھہ وجلدہ۔
(بخاری: جلد ۱: ص: ۳۸)

وکان الصحابۃ یستقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعن انس رضی اللہ عنہ قال اصابۃ النّاس سنۃ علی عھد النبی فبین النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فی یوم جمعۃ قام اعرابي فقال یارسول اللہ! ھلک المال وجاع العیال فادع اللہ لنا فرفع یدیہ وما نری فی السماء قزعۃ فو الذی نفسی بیدہ ما وضعھا حتي ثار السحاب امثال الجبال ثم لم ینزل عن منبرہ حتی رأیت المطر یتحادر علی لحیتہ فمطرنا یومنا ذالک ومن الغد ومن بعد الغد والذی یلیہ حتی الجمعۃ الاخری۔ قام ذالک الاعرابی اوقال غیرہ فقال یارسول اللہ تحدم البناء وغرق المال فادع اللہ لنا فرفع یدیہ فقال اللّٰھم حوالینا وما علینا فما یشیر بیدہ الی ناحیۃ من السحاب الا انفرجت وصارۃ المدینۃ مثل الجوبۃ وسال الوادی قناۃ شھرا ولم یجأ احد من الناحیۃ الاحدث بالجود۔
(بخاری: ج: ۱: ص: ۱۲۱)

ھذا کلہ من شانہ الخاص ومعجزاتہ صلی اللہ علیہ وسلم:

وھکذا وجد من النبي صلی اللہ علیہ وسلّم عجائب کثیرۃ علی جھۃ الارحاص حیث ولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم کقول رضوان علیہ السلام حازن الجنان ابشر یا محمّد فما بقي علم الاوقد اعطیۃ فانت اکثرھم علما واشجعھم قلبا۔ (الانوار المحمدیۃ من المواھب الدنیۃ: ص: ۲۴)

وروی الطبرانی رح انہ لما وقع الی الارض وقع مقبوضۃ اصابع یدیہ مشیرا بسبّابۃ کالمسبح بھا۔ (الانوار المحمدیۃ ص ۲۵)

وَانَّ ام رسول صلی اللہ علیہ وسلّم رأۃ حین وضعتہ صلی اللہ علیہ وسلّم نورا اضائۃ لہ قصور

الشام والى هذا اشارعمه عباس رضی رض
بقولـه :

وانت لما ولدت اشرقت الار
ض وضاءت بنورك الافق
فنحن فى ذلك الضياء وفي النو
ر وسبل الرشاد تخترق

ومن ارحاس النبی صلى الله عليه
وسلّم اعتراف ولادتـه كل من اصنام
الدنيا بكونها منكوسـة وروى عن
يحيىٰ ابن عروة ان نفرامن قريش كانوا
عندصنم من اصنامهم قد اتخذوا
ذالك اليوم عيدامن ايامهم ينحرون فيه
الجزور ياكلون ويشربون وقد عكفوا
عليـه يخوصون ويلعبون فدخلوا
عليـه فوجدوه مكبوبا على وجهه
فانكروا عند ذلك عليـه وردوه الى
حالـه فانقلب انقلاب صاعرففعلوا
ذلك ثلثا وهو لا يستقيم فلما رأوٗ
ذلك ابدوا حزناً وتأ ألمًا واصبح العيد
الذى كانوا فيـه ماتماً فقال عثمان
بن الحويرث ماله قد اكثرالتنكس ان

هـذا الامر حدث وخمودة نار فارس
تلك الليلة اى ليلة ولادت النبى
صلى الله عليه وسلم ولم تكن خمدة
قبل ذالك بألفي عام وغيضة
بحيرة ساوى وغيرها من العجائب
عند ولادته عليـه الصلوة والسلام
ولكونـه (صلعم) سيد الكونين و
الثقلين قرأ الله سبحانهٗ وتعالى
المولد عليـه السلام كما قالـهٗ تعالى
فى قران المجيد فى مواضع كثيرة
منها يا ايها المزّمل ويا ايها المدّثر
ويا ايها النّبى ويا ايّها الرّسول
فهـذا كله من مولدٌ من عند الله عزو
جل على حبيبـه صلى الله عليه وسلم
وقرأ هـكذا مولد النبى الصحابة
الكرام رضى الله عنهم من مسجد
المدينة عند حلوسهم فيـها
حين غاب النبى صلى الله عليه وسلم
بل امر النبي صلى الله عليـه وسلّم
لصحابته رضى الله عنـهم ان يقرٲ
المولد عليه السلام وعلّمهم الفاظاً
من مدحه فقال انا اوّل من يحرّك

حلق الجنّة فیفتح اللّٰہ لی وادخلنی فیھا ومعی فقراء من المؤمنین وانا حامل لواء الحمد یوم القیٰمۃ ادم ودونہ تحت لوائی وانا اوّل شافع ومشفع قلوا ھکذا ایّھا الصحابۃ وھدی النبی جزاء ردائہ حین قیل المدح عندہ کعب رض شعراً ان الرّسول لسیف لیستضاء بہ ٭ مھنّد من سیوف اللّٰہ مسلول

فاعتبروا یا اولو الباب من سنۃ من قبلنا واترکوا سنۃ المبتدعین

یا خیر من دفنۃ بالقاع اعظمہ ٭ فطاب من طیبھن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ ٭ فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم
ھو الحبیب الذی ترجا شفاعتہ ٭ لکل ھول من الاھوال مقتحم
دع ما الدعتہ انصاری فی نبیّھم ٭ واحکم بما شئت مدحا فیہ واحتکم
محمد سید الکونین والثقلین ٭ والفریقین من عرب ومن عجم

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین ••

نعت شریف

سید وحید اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی

اس مسلماں کے سعادت قدم چومے ہیں
جس نے خاکِ قدمِ شاہِ اُمم چومے ہیں

کوچۂ طیبہ نے سینے سے لگا کر برسوں
سرورِ دیں کے مرے نقشِ قدم چومے ہیں

اُن ہواؤں پہ ہے قربان بہارِ جنّت
جس نے اے شاہ ترے دستِ کرم چومے ہیں

خاکِ طیبہ کے مقدّر پہ ہے جنّت کو بھی رشک
جس نے برسوں قدمِ شاہِ اُمم چومے ہیں

مرحبا صلے علی لوح پہ دیکھا ہے لکھا
نعت جب کرکے رقم میں نے قلم چومے ہیں

دیکھ کر ہجرِ نبی میں انھیں قدوسیوں نے
اپنی آنکھوں سے مرے دیدۂ نم چومے ہیں

خاکِ طیبہ کو میں کیوں کر نہ بناؤں سُرمہ
شاہِ کونین کے اس نے جو قدم چومے ہیں

خاک طیبہ میں فنا ہوتا تھا تجھ کو شبنم
تو نے کیا باغ میں با دیدۂ نم چومے ہیں

وقت آیا ہے تو ایسا بھی ہوا ہے اشرف
حلق معصوم نے بھی تیغِ دودم چومے ہیں

پیش کش : سید مشتاق پیر قادری میسور

نعتِ شریف

ڈاکٹر حکیم سیّد افسر پاشاہ افسرؔ صبغۃ اللّٰہی ۔شفاء ڈسپنسری گڑیاتم

چلے مدینے کو شوق سے ہم، تصوّر اُن کا جما جما کر
کھڑے ادب سے ہوئے ہیں حاضر جبیں زمیں پہ جھکا جھکا کر

قدم کا رکھنا یہ سرزمیں پر، خلافِ آداب ہے یقیناً
چلے ہیں عاشق یہاں ادب سے، وہ آنکھیں اپنی بچھا بچھا کر

جھکالی نظریں ہیں شرم سے اب خطاؤں سے اپنی توبہ توبہ
نوازتے ہیں وہ میرے آقا گرے ہوؤں کو اُٹھا اُٹھا کر

بھٹک رہی تھی یہ نوعِ انساں نہیں تھا کوئی جہاں میں پرساں
یہ گمرہوں کو عطا کیا ہے، درِ کرم پہ بُلا بُلا کر

مدینہ یارب دکھادے مجھ کو، رہے نگاہوں میں وہ ہمیشہ
دُعا خُدا سے یہ مانگتا ہوں میں ہاتھ اپنے اُٹھا اُٹھا کر

شفیعِ اعظم کرم ہے اپنا، عنایتوں پہ عنایتیں ہیں
شفاعت میرے نبیؐ کی ایسی، یہ جامِ کوثر پلا پلا کر

تصدق اپنے نبیؐ پہ جاؤں کہ زندگی کے ہر اک قدم پہ
بچھڑ گئے تھے خُدا سے بندے، اُنھیں ملایا بتا بتا کر

نہیں ہے آساں حکیم افسرؔ مرے نبیؐ کا یہ شوق دیدار
بصد تمنا جمال اُن کا نظر میں آیا رُلا رُلا کر
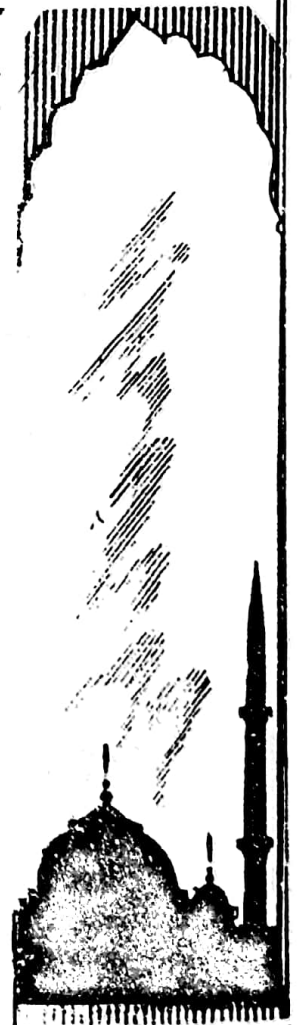
سیّد سراج الدّین منیر

سیّدِ ابرارِ عالم خواجۂ یزداں صفات
خاتمِ پیغمبراں محبوبِ ربِّ کائنات

مظہرِ حق مظہرِ کُل مَبدۂ انوارِ ذات
قبلۂ اقوامِ عالم تاج دارِ شش جہات

ہاتھ میں تُم ہاتھ دے دو چاہتے ہو گر نجات
ہاتھ ہے مولا کا گویا سیّدِ عالم کا ہات

کعبۂ اربابِ دانش جنّتِ قلب و نگاہ
جلوہ گاہ مصطفٰےؐ ہے دیدہ و دِل کی حیات

پیکرِ گِلؐ آپؐ کی نسبت سے ہے آفاق گیر
ذرّہ ہائے بزمِ گیتی آپؐ سے پائے ثبات

حلقۂ انجم میں جیسے ضوفشاں ہو مہتاب
انبیاء کی بزم میں ہے سرورِ عالمؐ کی ذات

کس کی خاکِ پا سے بینا چشمِ انجم ہے مُنیر
کس کے در سے اکتسابِ نُور کرتی ہے حیات

پیش کش:- سید علی احمد قادری عرف کلیم بابا (حیدرآباد دکن)
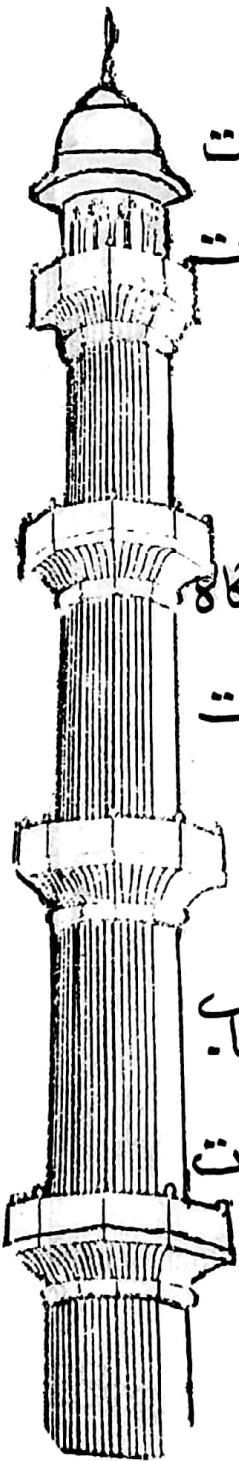
شیخ المشائخ اعلحضرت مولانا مولوی سید شاہ محمد باقر قادریؒ

کی یاد میں

وہ روشنی جو آنکھوں کی ٹھنڈک بنی رہی
آماجگاہِ زیست کا ناوک بنی رہی

ہر سمت ہر فضا میں اسی کی تلاش ہے
اب آرزوے زیست نہ فکر معاش ہے

سینے میں اک دھواں سا اٹھا ہے نظر ہے چپ
احساس جاں بلب ہے کہ لب کا سفر ہے چپ

حضرت مکاں سے چھن گئی سج دھج تمام کیوں؟
تڑکے سے پہلے ہوگئی غمگین شام کیوں؟

نمناک ہوگئی ہے نگاہِ کرم بھی آج!!
ماتم کناں ہیں بزم میں اندوہ غم بھی آج

ہے زخم خوردہ دہر جہاں تک نظر گئی
دل میں جو یادِ حضرتِ باقر اتر گئی!

اب کس سے پوچھیں کون بتائے گا کیا ہوا؟
وہ کون تھا جو ہم سے اچانک بچھڑ گیا؟

★
علیم صبا نویدی

نعتِ شریف

• — محمد اسحاق عابد مدراس

ہوش بھی گم، خرد بھی گم، بلکہ یہ زندگی بھی گم
نورِ نبیؐ کے سامنے، صبح کی روشنی بھی گم

کوئے نبیؐ میں اس قدر ہم یہ ہوئی نوازشیں
رنج بھی گم، الم بھی گم، دل کی یہ بے کلی بھی گم

حکمتِ ہست و بود کی پہچان ہے تو آپ کو
یہ وہ مقامِ علم ہے، خود اپنی آگہی بھی گم

معراج اک عروج تھا، دخل نہ تھا کسی کو بھی
سایہ تو لا پتہ ہی تھا عکس کو آرسی بھی گم

آپؐ کا حسن دیکھ کر، چاند بھی ماند پڑھ گیا
آپؐ کا چہرہ دیکھ کر پھولوں کی تازگی بھی گم

حسن و جمال ضوفشاں، طور نما تجلّیاں
نورِ مجلّی جہاں خواہش موسوی بھی گم

نعتِ حضورؐ پاک میں عابد ہے کیسا مرحلہ
اپنی عبودیت بھی گم اور اپنی سرکشی بھی گم

اعتذار

ھمیں حد درجہ افسوس ہے کہ کتابت وطباعت اور وقت کی قلّت کے باعث بعض اساتذہ وطلباء اور بیرونی اہل قلم حضرات کے مضامین شاملِ اشاعت نہ ہو سکے ۔ جس کے لیے ادارہ معذرت خواہ ہے ۔ ان شاء اللہ اگلی اشاعت میں شامل کئے جائیں گے ۔

•••

سالنامہ
اللطیف
ویلور
دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان - ویلور